سیرت النبی ﷺ

50 لاکھ روپے کے انعامات

اس کتاب کو پڑھیں، اسے یاد کریں اور جیتیں

(تفصیل صفحہ نمبر 1 پر)

رائے منظور ناصر

کمشنر/سیکریٹری (حکومت پنجاب، پاکستان)

وائس چانسلر (خَاتَمُ النَّبِیِّیْن ﷺ یونیورسٹی)

50 لاکھ روپے کے انعامات

سیرت النبی ﷺ کی یہ کتاب پڑھیں ، اسے یاد کریں اور جیتیں لاکھوں روپے کے انعامات (ثواب بھی اور انعام بھی)۔یہ انتہائی آسان اور دلچسپ کتاب ہے۔اس کتاب کے کوئز مقابلے کرائے جائیں گے۔یہ کتاب آپ آسانی سے چند ہفتوں میں یاد کر سکتے ہیں ۔ جیتنے والوں کو 50 لاکھ روپے کے انعامات دیے جائیں گے۔

پہلا انعام 20 لاکھ روپے

عام طور پر پہلے تین لوگوں کو انعام دیا جاتا ہے لیکن

اس مقابلے میں 100 لوگوں کو انعامات دیے جائیں گے (ان شاء اللہ)

پہلا مقابلہ لاہور میں ہو گا۔اس کے بعد پورے پاکستان میں مزید مقابلے کرائے جائیں گے (ان شاءاللہ)

اس مقابلے میں ہر مسلمان حصہ لے سکتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عورت ہو یا مرد

کتاب اور داخلہ فارم حاصل کرنے کے لیے نیچے دیے گئے WhatsApp فون نمبر یا ای- میل پر رابطہ کریں۔

فون **0344-1182211** (اگر آپ کی کال اٹینڈ نہ ہو تو SMS یا وائس میسج کر دیں

Email hik78692@gmail.com

براہ مہربانی

اس پوسٹ کو ہر مسلمان تک پہنچائیں۔یوں آپ کا بھی اس نیکی میں برابر کا حصہ ہو گا۔
اِسی وقت اس پوسٹ کو Forward کریں۔ہو سکتا ہے بعد میں آپ بھول جائیں۔

گزارش

اس سکیم کے لئے ہم کوئی چندہ/عطیہ وصول نہیں کر رہے اگر کوئی شخص آپ سے چندہ مانگے تو براہ مہربانی ہمیں اطلاع دیں تاکہ ہم اس کے خلاف FIR درج کرائیں۔

رائے منظور ناصر
کمشنر/سیکریٹری، حکومت پنجاب (پاکستان)

نام کتاب   سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف   رائے منظور ناصر

کی محمدؐ سے وفا تو نے   تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا   لوح و قلم تیرے ہیں

کتاب حاصل کرنے کا پتہ

کتاب حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل فون نمبر

یا

ای میل پر رابطہ کریں۔ کتاب آپ تک پہنچا دی جائے گی۔

WhatsApp Number **0344-1182211**

Email **hik78692@gmail.com**

نوٹ۔ گزارش ہے کہ اگر آپ کی کال Attend نہیں ہوتی تو براہ مہربانی آپ WhatsApp پر میسج چھوڑ دیں۔ آپ Voice Message بھی کر سکتے ہیں اور لکھ کر بھی بھیج سکتے ہیں۔ تحریری میسج اردو یا انگلش میں ہونا چاہیے۔ رومن اردو مثلاً (Ap ney Kaha) پڑھنا بہت مشکل ہوتا ہے لہذا ایسے میسج کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ شکریہ!

ضروری گزارش

پوری کوشش کی گئی ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو۔اس کے باوجود بھی اگر آپ کی نظر میں کوئی غلطی آئے تو براہ مہربانی ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں درستی کی جاسکے۔

اطلاع کے لیے فون **0344-1182211** پر کال کریں یا میسج SMS کر دیں یا WhatsApp پر voice message کر دیں۔ براہ مہربانی رومن اردو مثلاً (aap nay kaha) میں میسج نہیں بھیجنا کیونکہ اسے پڑھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

یا

درج ذیل ای میل پر لکھ کر بھیجیں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔

Email hik78692@gmail.com

انتساب

ان لاکھوں علمائے کرام کے نام

جو حضور ﷺ کے علم اور منبر کے وارث ہیں، جنہوں نے روکھی سوکھی کھا کر انتہائی نامساعد حالات میں دین کی تعلیم حاصل کی اور جن کے دم قدم سے آج بھی پاکستان کی لاکھوں مساجد آباد ہیں جہاں پانچ وقت کی اذان اور با جماعت نمازیں ادا ہوتی ہیں، جو ہمارے بچوں کے کانوں میں اذان دیتے ہیں اور انہیں دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں، جو ہمارے نکاح پڑھاتے ہیں، جو ہمارے جنازے پڑھاتے ہیں۔ یہی وہ نیک لوگ ہیں جنہوں نے ہماری پوری قوم کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کچھ ایسے کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے کہ ہم سب حرمت رسول ﷺ پر کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ آج بھی صرف یہی درویش ہیں جو مسئلہ بتانے اور راہ حق کی طرف راہنمائی کرنے کی کوئی فیس نہیں لیتے جبکہ کئی اور پیشے محض مشورہ دینے کی بھاری فیس وصول کرتے ہیں۔

ان سب واجب التکریم ہستیوں کو میرا سلام عقیدت!

دعاؤں کا طالب

رائے منظور ناصر

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (القرآن)

ترجمہ۔(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری (حضور ﷺ کی) پیروی کرو۔(اگر تم نے ایسا کیا تو) اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (القرآن)

ترجمہ۔ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ۝ (القرآن)

ترجمہ۔اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

سیرت النبی ﷺ سے متعلق ممالک کا نقشہ

اس نقشے میں سعودی عرب کے علاوہ یمن، عمان، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین، کویت، عراق، اردن، شام، فلسطین، ایران، ترکی، مصر، حبشہ (ایتھوپیا اور اری ٹیریا) دکھائے گئے ہیں۔ مزید براں بحیرہ احمر (Red Sea) بھی واضح نظر آرہا ہے جو برّاعظم ایشیا اور برّاعظم افریقہ کو الگ کرتا ہے۔



سیرت النبی ﷺ کے متعلق سعودی عرب کا نقشہ

اس نقشے میں سعودی عرب کے درج ذیل شہروں کو واضح طور پر دکھایا گیا ہے:۔

- مکہ
- مدینہ
- ابواء
- طائف
- بدر
- خیبر
- تبوک
- دومۃ الجندل
- یمامہ



فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	حضرت محمد ﷺ کی ولادت	33
	★ مکہ اور یمن کا نقشہ	34
2	حضور ﷺ کی پرورش	36
	• حضرت حلیمہؓ کے ہاں	36
	❖ شق صدر کا واقعہ	37
	• اپنی والدہ کے ہاں پرورش	38
	❖ حضرت آمنہؓ کا انتقال	38
	★ مکہ، مدینہ اور ابواء کا نقشہ	39
	• دادا نے پرورش کی	40
	• چچا حضرت ابو طالب نے پرورش کی	40
	❖ حضور ﷺ کا شام کا پہلا سفر	41
	★ سعودی عرب اور شام کا نقشہ	42
3	جنگ فجار میں شرکت	43
4	حِلفُ الفُضُول میں شرکت	43
5	روزی کے لیے پیشہ	44

6	شام کا دوسرا سفر اور شادی	45
7	حجر اسود والا واقعہ	47
8	حضور ﷺ کی بے مثال پاکیزگی	48
9	اعلان نبوت	50
10	حضور ﷺ کی سخت ایذا رسانی	55
11	صحابہ کرامؓ پر مظالم	59
12	ہجرت حبشہ (پہلی بار)	62
13	ہجرت حبشہ (دوسری بار)	63
	★ حبشہ اور سعودی عرب کا نقشہ	64
	• حبشہ اور ہماری کوتاہی	65
14	سورج اور چاند کی مثال	66
	• حضور ﷺ کا سب سے بڑی پیش کش کو ٹھکرانا	67
15	حضور ﷺ کو شہید کرنے کی انفرادی کوششیں	68
16	حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	69
17	حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	69
18	شعبِ ابی طالب (قید خانہ)	71
19	حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال	72
20	طائف کا سفر	73

75	• ترکی کے جن	
76	★ مکہ، طائف اور نصیبین (ترکی) کا نقشہ	
77	چند اہم لوگوں کا قبول اسلام	21
80	• پہلے مدنی وفد کا قبول اسلام	
81	معراج النبی ﷺ	22
83	★ مکہ اور بیت المقدس کا نقشہ	
86	پہلی بیعت عَقَبہ (دوسرے مدنی وفد کا قبول اسلام)	23
87	دوسری بیعت عقبہ (تیسرے مدنی وفد کا قبول اسلام)	24
90	صحابہ کرامؓ کی ہجرت مدینہ	25
92	حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ	26
96	• کفار کا 100-اونٹوں کے انعام کا اعلان	
97	• اُمّ مَعبد کی بکری والا معجزہ	
98	• سُرَاقَہ کا تعاقب	
98	• بُریدَہ کا تعاقب	
99	• غیبی مدد	
99	حضور ﷺ کا قُبا میں شاندار استقبال	27
100	اسلام کا پہلا جمعہ	28
100	حضور ﷺ کی مدینہ آمد	29

30	حضور ﷺ کی آمد سے مدینے میں برکتیں	101
31	مسجد نبویؐ کی تعمیر	103
	• ہمارے لیے سبق	104
32	مواخات	106
33	مِیثاقِ مدینہ	110
34	کفار مکہ کی جنگی تیاریاں	112
35	چھوٹی جنگیں	114
	• سَرِیَّہ سِیف البحر	114
	• سَرِیّہ رابغ	115
	• سریّہ خَرّار	115
	• اسلام کا پہلا غزوہ (غزوہ اَبْوَاء)	116
	• غزوہ بُواط	116
	• غزوہ سفوان	117
	• غزوہ ذی العُشَیرَہ	117
	• سریہ نخلہ	118
36	قبلہ کی تبدیلی	120
37	غزوہ بدر (اسلام اور کفر کی پہلی بڑی جنگ)	121

122	• وجوہات	
122	❖ کفار مکہ کی مسلمانوں سے دشمنی	
122	❖ عبداللہ بن اُبی کا کردار	
123	❖ مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ	
123	❖ سریہ نخلہ کے خلاف کفار کا رد عمل	
124	❖ مدینے کی چراہ گاہ پر کفار کا حملہ	
124	❖ کفار مکہ کا شام گیا تجارتی قافلہ	
125	❖ اختلافی وجہ	
126	❖ غزوہ بدر کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ	
126	• جنگ شروع ہونے سے پہلے کے واقعات	
129	• جنگ کے واقعات	
131	• ابو جہل کی ذلت آمیز موت	
132	• مسلمانوں کی فیصلہ کن فتح	
134	★ بدر کے 14 شہیدوں کے ناموں والے بورڈ کی تصویر	
135	★ مسجد العریش کی تصویر	
136	• قیدیوں کا مسئلہ	
137	• ایمان کو تازہ کرنے والے چند واقعات	
142	• اس غزوہ سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟	

	• نتیجہ	151
	• پہلی عید الفطر اور متفرق واقعات	151
	★ نقشہ برائے غزوہ بدر	152
38	غزوہ کُدر	153
39	**کفار کی** الٹی ہو گئیں سب تدبیریں	153
40	یہودیوں سے پہلی جنگ (غزوہ بنو قینقاع)	154
41	غزوہ سَوِیق	156
42	غزوہ ذی امر	157
43	یہودی سردار کعب کا قتل	158
44	غزوہ بحران	159
45	سریہ قردہ	160
46	غزوہ احد	161
	• وجوہات	161
	• جنگی تیاریاں	163
	• جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کی واضح فتح	166
	• حضور ﷺ کا حکم نہ ماننے کا نتیجہ	167
	• حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی بے مثال بہادری	168
	• حضور ﷺ کا کفار کا تعاقب	169

	• غزوہ احد کے چند ایمان افروز واقعات	170
	• کیا غزوہ احد غزوہ بدر کا بدلہ ثابت ہوئی؟	180
	• نتیجہ	181
	• ایک دردمندانہ گزارش	182
47	یہودیوں سے دوسری جنگ (غزوہ بنو نضیر)	182
	• ہمارے لیے سبق	185
48	غزوہ بنی مصطلق	186
49	غزوہ خندق (غزوہ احزاب)	187
	• وجوہات	187
	• واقعات	189
	• غیبی مدد	190
	• غزوہ خندق کے چند اہم نکات	191
	• ہمارے لیے سبق	192
50	یہودیوں سے تیسری جنگ (غزوہ بنو قریظہ)	194
	• اہم نکات	196
51	صلح حدیبیہ	198
	• کفار کے تین قاصد	199
	• مسلمانوں کے قاصد	200

	• بیعت رضوان	201
	• معاہدے کی شرائط	202
	• صلح حدیبیہ کے حکمت بھرے موتی	202
	• صلح حدیبیہ کا بغور جائزہ	205
52	حضور ﷺ کے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف خطوط	207
	• مہر نبوت کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی	208
	• روم کے بادشاہ کی طرف خط	208
	❖ قیمتی موتی	210
	• حبشہ کے بادشاہ کی طرف خط	211
	• مصر کے بادشاہ کی طرف خط	212
	★ مصر اور سعودی عرب کا نقشہ	213
	• ایران کے بادشاہ کی طرف خط	214
	★ ایران اور سعودی عرب کا نقشہ	215
	• عمان کے بادشاہ کی طرف خط	217
	• یمامہ کے حاکم کی طرف خط	217
	★ مدینہ اور یمامہ کا نقشہ	218
	• دمشق کے حاکم کی طرف خط	219
	• بحرین کے حاکم کی طرف خط	219

	خطوط پر تبصرہ	220
53	یہودیوں سے فیصلہ کن جنگ (غزوہ خیبر)	221
	• واقعات	222
	• کچھ ایمان افروز باتیں	225
	★ نقشہ برائے غزوہ خیبر	226
54	اردن میں دنیا کی انوکھی جنگ (جنگ مُوتہ)	227
	• جنگ کی وجہ	227
	★ نقشہ برائے جنگ موتہ	228
	• واقعات	229
	• مسلمانوں کی مشاورت	230
	• مسلمانوں کی ناقابل یقین بہادری	231
	• اللہ کی تلوار کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا	232
55	فتح مکہ	233
	• بتوں کا ٹوٹنا	237
	• فتح مکہ کا چند دوسری فتوحات کے ساتھ موازنہ	245
	• ہمارے سیکھنے کی باتیں	247
	• حضور ﷺ کا مشکل ترین وعدہ پورا فرمانا	250
56	غزوہ حنین	250

	• بھاگتے کفار کا تعاقب	253
	• 6000 قیدیوں کی رہائی (بے مثال فیاضی)	253
	• ہمارے سیکھنے کے سبق	254
	• نتیجہ	256
57	غزوہ تبوک	257
	★ غزوہ تبوک، دومۃ الجندل اور مدائن صالح کا نقشہ	258
	• غزوہ تبوک پر تبصرہ	261
	• قبیلوں کا تیزی سے اسلام قبول کرنا	265
58	خطبہ حَجَّةُ الوداع	265
59	دس ہجری کے بعد کے کچھ اہم واقعات	272
	• یمن میں جھوٹے نبی کا دعویٰ	272
	• ایک اور جھوٹے نبی کا دعویٰ	272
	• لشکر اسامہؓ کی روانگی	273
60	حضور ﷺ کا وصال	273
61	حضور ﷺ سے ہمارا رشتہ کیا؟	276
62	حضور ﷺ کے آبا و اجداد	287
63	حضور ﷺ کے والدین	293
64	حضور ﷺ کو وراثت میں کیا ملا؟	295

65	حضور ﷺ کے چچا	295
66	حضور ﷺ کی پھوپھیاں	297
67	حضور ﷺ کی اولاد	298
68	قرآن مجید کے بارے میں دلچسپ معلومات	300
69	حدیث یا سنت	304
70	صحیح بخاری	306
71	صحیح مسلم	307
72	سنن نسائی	307
73	سنن ابی داؤد	307
74	جامع ترمذی	307
75	سنن ابن ماجہ	307
76	علم کی فرضیت	309
77	اسلام کی تعلیمات	310
78	100 شہیدوں کے برابر ثواب	311
79	پانی پینے کی 6 سنتیں	311
80	کھانا کھانے کا سنت طریقہ	312
81	داخل اور خارج ہونے کا سنت طریقہ	313
82	سلام کا سنت طریقہ	314

83	چھینک کے بارے میں احکامات	317
84	ناخن کاٹنے کا اسلامی طریقہ	317
85	نماز	319
86	طہارت اور جسمانی صفائی	331
	• رفع حاجت اور استنجا کرنے کا طریقہ	332
87	غسل کا طریقہ	334
88	وضو کا طریقہ	337
89	تیمّم کا طریقہ	340
90	روزہ	342
91	اعتکاف	345
92	فطرانہ	346
93	چاند رات (انتہائی حساس معاملہ)	347
94	زکوٰۃ	348
	• زکوٰۃ ادا کرنا کس پر فرض ہے؟	348
	• زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو سخت عذاب	349
	• صاحب نصاب سے کیا مراد ہے؟	350
	• کن چیزوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے؟	351
	• مزید کن چیزوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے؟ (فصلوں، جانوروں اور معدنیات پر زکوٰۃ فرض ہے)	353

354	کن چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے •	
355	وارننگ(زکوٰۃ ادا کی لیکن زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی) •	
358	مصارف زکوٰۃ •	
359	زکوٰۃ کے بارے میں چند مزید نکات •	
361	گزارش •	
362	حج	95
364	حقوق اللہ کے معاملے میں ایک بنیادی غلط فہمی	96
364	ایک دوسرے کی خیر خواہی	97
366	والدین کے حقوق	98
370	میاں بیوی کے حقوق	99
375	اولاد کے حقوق	100
378	رشتے داروں کے حقوق	101
380	ہمسائیوں کے حقوق	102
382	اساتذہ اور بڑوں کے حقوق و فرائض	103
383	یتیم کے حقوق	104
384	بیوہ کے حقوق	105
384	مسافر کے حقوق	106
385	مزدور اور ملازم کے حقوق و فرائض	107

387	کیا کمّی قابل نفرت ہیں؟	108
388	ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر 6 حقوق	109
389	بیماروں کے حقوق	110
391	مہمانوں کے حقوق	111
395	جانوروں کے حقوق	112
398	حلال اور حرام	113
401	تجارت (جنت یا دوزخ)	114
407	رشوت	115
409	سود	116
414	دھوکہ (فراڈ)	117
417	چوری اور ڈکیتی	118
421	شراب اور تمام نشہ آور اشیا	119
424	جھوٹا مقدمہ کرنا یا جھوٹے مقدمے کی وکالت کرنا	120
425	کسی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا	121
425	لڑکیوں کا وراثت میں حصہ	122
426	ترک دنیا جائز نہیں	123
428	جھوٹ	124
433	چغل خوری	125

126	بے جا غصہ کرنا	434
127	برے دوستوں کی صحبت سے پرہیز	436
128	لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے خلاف کرنا	437
129	زنا اور بے حیائی	437
130	حسد	440
131	ریاکاری	442
132	ناجائز قتل کرنا	445
133	خودکشی	445
134	طعنے دینا	446
135	بدگمانی	447
136	تہمت	447
137	مذاق اڑانا	448
138	برے ناموں سے پکارنا	448
139	دوسروں کے عیب کی ٹوہ لگانا	448
140	غیبت اور بہتان	449
141	بیکار کاموں میں وقت ضائع کرنا	451
142	لوگوں کے درمیان صلح کرانا	452
143	لین دین لازمی لکھ لیا جائے	453
144	قرض	454

145	وعدے کی پابندی	455
146	معاف کرنا	456
147	احسان	457
148	لوگوں کی بات توجہ سے سننا	457
149	سادگی	459
150	میانہ روی	460
151	امانت	462
152	اذان سننا اور اس کا جواب دینا	463
153	سچی گواہی	464
154	امیر ہونے کا نسخہ	465
155	صبر	467
156	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	469
157	دل کے سکون کا نسخہ	472
	• کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟	475
158	درود شریف پڑھنا	475
159	کیا آپ کو جنت کی قیمت معلوم ہے؟	476
160	اتنا بڑا انعام کہ آپ حیران رہ جائیں	482
	• آخری گزارش	487

مقصد تصنیف

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

مجھ پر بچپن سے ہی آقا کریم ﷺ کی خصوصی نظر کرم رہی۔ میں نے بہت چھوٹی عمر سے ہی حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا اور سکول و کالج کے سالوں میں (جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے) میں نے کوئی کام خلاف سنت نہیں کیا۔ زمانہ طالب علمی میں حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کی درجنوں کتابیں پڑھیں۔ پھر جب مقابلے کے امتحانات کی تیاری شروع کی تو اسلامی تاریخ کو بطور اختیاری مضمون (optional subject) چنا۔ یوں سیرت النبیؐ کو ایک بار پھر بہت گہرائی سے پڑھنے کا موقع ملا اور میری حضور ﷺ سے محبت و عقیدت میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مقابلے کے امتحان کے بعد جب میں مجسٹریٹ درجہ اول بن گیا تو جو وکلا (Lawyers) میری عدالت میں انگریزی قوانین کے ساتھ قرآن و سنت کا حوالہ بھی دیتے تھے میری نگاہوں میں ان کی عزت میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔

میں اس بات پر ہمیشہ کُڑھتا رہتا تھا کہ سب نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ کی امت کی اخلاقی حالت اتنی بُری کیوں ہے؟ آپ خود غور فرمائیں کہ پرانے زمانے میں ہمارے رشتے ناطے، دوستیاں اور تعلق داریاں کتنی خالص ہوتی تھیں اور اب حالت یہ ہے کہ سگا بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر رہا ہے، چند سو روپے کی خاطر ڈاکو

کسی کی جان لے رہا ہے، ہر شخص دوسرے شخص کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے پورے معاشرے کی بنیادیں ہی ہل کر رہ گئی ہیں۔ میں نے برسوں اس مسئلے پر غور و فکر کیا۔ بالآخر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس اخلاقی ابتری کو ٹھیک کرنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ ہے کہ سب لوگوں کو سیرت النبی ﷺ سے روشناس کرایا جائے۔ مجھے اس بات کا ادراک تھا کہ یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ ایک تو لوگوں کے پاس وقت کی قلت ہے اور پھر انٹرنیٹ پر دنیا جہاں کے گانے، فلمیں، ڈرامے یہاں تک کہ فحش مواد بھی آسانی سے دستیاب ہے تو شیطان کیوں کر لوگوں کو سیرت النبی ﷺ پڑھنے دے گا؟ لہٰذا میں نے سوچا کہ اس مسئلے کا کوئی قابل عمل اور آسان حل تلاش کیا جائے۔ وہ حل بھی آقا کریم ﷺ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔ ہوا یوں کہ 2021ء میں میری تعیناتی حکومت پنجاب کے ادارے TEVTA میں بطور سیکریٹری تھی۔ اس دوران میں نے TEVTA کے اعلیٰ افسران سے ربیع الاول کی تقریبات کے حوالے سے ایک میٹنگ کی۔ وہاں میں نے تجویز پیش کی کہ TEVTA کے پورے پنجاب میں 403 کالج ہیں، کیوں نہ ہم ان سب کالجوں میں سیرت النبی ﷺ کے کوئز پروگرام کا مقابلہ کروائیں؟ سب نے میری تجویز سے اتفاق کیا اور ہم سب نے مل کر یہ مقابلہ کرایا۔ اس مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے کے لیے پانچ لاکھ اور دوم و سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کے لیے بھی لاکھوں روپے کے انعامات رکھے۔ ہمیں سرکاری طور پر بجٹ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس پروگرام پر جتنی رقم چاہتے ہم خرچ کرسکتے تھے لیکن میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنی حاضری

لگوانے کے لیے کہا کہ اوّل انعام (First Prize) کی رقم یعنی پانچ لاکھ روپے میں اپنی جیب سے ادا کروں گا۔ شاید یہی ادا میرے آقا کریم ﷺ کو پسند آگئی اور ہر رکاوٹ دور ہوتی چلی گئی اور چند دنوں کے اندر TEVTA کے پورے پنجاب کے اداروں کے اندر سیرت النبیؐ کا زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ بالآخر 20 ٹیمیں جیت گئیں جنہیں ہم نے لاہور بلوایا۔ ان کا مقابلہ الحمراء ہال لاہور میں دو دن جاری رہا۔ اس فائنل کوئز کے سارے سوالات میں نے خود تیار کیے اور ٹائپ بھی نہ کروائے بلکہ ہاتھ سے لکھے تا کہ مکمل رازداری رہ سکے۔ یہ پروگرام بطور اینکر پرسن کنڈکٹ بھی میں نے خود ہی کیا۔ اس پروگرام میں خوشاب کی دو بچیوں نے پہلا انعام حاصل کیا۔ مقابلے کے شرکاء نے اتنی زبردست تیاری کی ہوئی تھی کہ ٹیموں کے درمیان کئی دفعہ ٹائی پڑی اور بڑی مشکل سے اوّل، دوم اور سوم آنے والی ٹیموں کا فیصلہ ہو سکا۔ سٹوڈنٹس کو تیاری کرانے کے لیے ان کے والدین، بہن بھائی اور اساتذہ کرام بھی شامل ہو گئے۔ یوں تقریباً چار لاکھ لوگوں نے مکمل سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کیا۔

اس پروجیکٹ کی کامیابی نے گویا میرے لیے سارے راستے کھول دیے اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ سیرت النبیؐ کے اسی طرح کے کوئز پروگرام عوام الناس کے لیے بھی کرانے چاہییں۔ اب میرے سامنے ایک اہم ترین سوال تھا کہ کوئز پروگرام کے لیے سیرت النبیؐ کی کون سی کتاب منتخب کی جائے۔ اس مقصد کے لیے میں نے سیرت النبی ﷺ کی 30 سے زائد کتابوں کا پھر سے بغور مطالعہ کیا۔ کچھ کتابیں تو بہت ضخیم ہیں اور کئی جلدوں پر مشتمل ہیں لہٰذا عام شخص انہیں زبانی یاد نہیں کر سکتا، کچھ اتنی مستند نہیں ہیں جبکہ زیادہ تر کتابوں پر کسی نہ کسی فقہ کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا مجھے سمجھ آگئی کہ مجھے خود ہی سیرت النبی ﷺ کی کتاب لکھنی چاہیے۔

اس کتاب کو لکھنے کا ایک ہی بنیادی مقصد ہے کہ مسلمانوں کی کردار سازی (Character Building) کی جاسکے۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بعد 99 عنوانات مزید شامل کیے گئے ہیں تاکہ ہم حضور ﷺ کی سیرت کے ساتھ آپؐ کی تعلیمات سے بھی اچھی طرح روشناس ہو سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔ ان 99 عنوانات میں وہ امور شامل ہیں جن سے ہمیں اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

اس کتاب کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں:۔

- ❖ کتاب پر کسی بھی فقہ کی قطعاً کوئی چھاپ نہیں ہے۔
- ❖ ویسے تو ہر طبقے کے لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یہاں تک کہ ریسرچ کرنے والے CSS, PMS, ISSB, اور دیگر مقابلے کے امتحانات دینے والے اور کسی بھی کلاس کے طالب علم۔ لیکن یہ بات ہر لمحہ میرے ذہن میں رہی کہ ہمارے ملک میں کروڑوں لوگ کم پڑھے لکھے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مشکل کتابیں نہیں پڑھ پاتے لہٰذا جان بوجھ کر پوری کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بھی مشکل لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ سیرت کی کئی کتابوں میں آج بھی "شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ، سنیچر، علی الرغم، عم زاد، اکل و شرب، تقشّف اور اخبار کفار" وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں جن کی عام عوام کو سمجھ ہی نہیں آتی لہٰذا ان الفاظ کی جگہ وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

- آسانی والے پہلو پر اس قدر توجہ دی گئی ہے کہ بعض اوقات اردو غلط لکھ دی گئی ہے مثلاً اردو کا ایک جملہ ہے "حامد نے چائے پی نہ کھانا کھایا"۔ اس کا درست مطلب یہ ہے کہ حامد نے نہ چائے پی اور نہ ہی کھانا کھایا۔ لیکن کم پڑھے لکھے شخص کو اس جملے کی یہ سمجھ آئے گی کہ حامد نے چائے تو پی ہے لیکن اس نے کھانا نہیں کھایا۔ لہٰذا میں نے جان بوجھ کر اس جملے کو کتاب میں یوں درج کیا ہے "حامد نے نہ چائے پی نہ ہی کھانا کھایا"۔ بے شک یہ جملہ اردو زبان کے لحاظ سے درست نہیں ہے لیکن عام آدمی کو یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ نہ تو حامد نے چائے پی اور نہ ہی کھانا کھایا۔ اسی طرح سے عام لوگ "مواقع" کی بجائے "موقعوں" کا لفظ استعمال کرتے ہیں لہٰذا میں نے بھی موقعوں کا لفظ ہی استعمال کیا ہے، دفاتر کی جگہ دفتروں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ناراضی کی بجائے ناراضگی لکھا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ آپ کو اس کتاب میں ایسے اور بھی کافی الفاظ ملیں گے۔ علاوہ ازیں آسانی کے لیے رومن اور اردو ہندسوں کی جگہ انگریزی ہندسے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ میں اس کے لیے اردو کے اساتذہ کرام سے معذرت خواہ ہوں مگر میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی سیرت النبی ﷺ کو صحیح طرح سے سمجھ سکیں۔
- آسان الفاظ کے باوجود جہاں کسی لفظ یا اصطلاح کی تفصیل یا تشریح درکار تھی وہ بھی درج کر دی گئی ہے مثال کے طور پر جس لونڈی نے حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری حضور ﷺ کے چچا ابو لہب کو سنائی تھی اس کا نام

ثُوَیبہ (Suwaiba) تھا۔ پاکستان میں لڑکیوں کا نام ثُوَیبہ نہیں ہوتا بلکہ ثوبیہ (Sobia) ہوتا ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ اسے ثوبیہ ہی پڑھ جاتے ہیں۔ کتاب میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے اور ان ناموں کو اردو میں لکھنے کے ساتھ انگلش میں بھی لکھ دیا گیا ہے۔

- تاریخ کا کوئی بھی واقعہ یا جنگ نقشے کے بغیر پوری طرح سے سمجھ نہیں آ سکتی۔ اس لیے تازہ ترین، آسان اور درست نقشے کتاب میں متعلقہ جگہوں پر چھاپے گئے ہیں جن سے پڑھنے والا پورا واقعہ ایسے سمجھ جاتا ہے جیسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ نقشے قدیم عرب کے نہیں ہیں بلکہ موجودہ دور کی سرحدوں کے لحاظ سے ہیں۔
- حضور ﷺ کی سیرت کے حوالے سے جو پیمانے اُس دور میں استعمال ہوتے تھے زیادہ تر کتابوں میں آج بھی وہی درج ہیں مثلاً درہم، دینار، صاع، وسق وغیرہ یا وہ پیمانے درج ہیں جو تقریباً متروک ہو چکے ہیں جیسے کوس، کوئنٹل وغیرہ۔ میں نے ان سب کو موجودہ دور کے پیمانوں کے لحاظ سے درج کیا ہے مثلاً گرام، کلو، من اور روپے وغیرہ
- سیرت کے حوالے سے اعداد و شمار اور تاریخوں میں کافی اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں جو سب سے معتبر حوالہ تھا وہی کتاب میں درج کیا گیا ہے۔
- ہر واقعے کو بیان کرنے کے بعد اس سے نتیجے اخذ کیے گئے ہیں تاکہ ہم اپنی عملی زندگی میں ان پر عمل کریں۔ سیرت کا یہ بہت اہم پہلو ہے۔
- سیرت کی اکثر کتابوں میں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کو "قریش مکہ" لکھا گیا ہے۔ میری اسے کم علمی سمجھیں یا حضور ﷺ

سے بے پناہ عقیدت کہ میں نے پوری کتاب میں "قریش مکہ" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے "کفارِ مکہ" یا "مشرکین مکہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ خود قریشی تھے اور مکہ میں ہی پیدا ہوئے گویا حضور ﷺ خود مکہ کے قریشی تھے۔ اسی طرح سے مکہ کے وہ صحابہ کرامؓ جن کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا انہیں بھی "قریش مکہ" ہی کہیں گے۔

- سیرت کی اکثر کتابوں میں حبشہ کا لفظ درج ہے حالانکہ آج کل حبشہ نام کا کوئی ملک پوری دنیا میں موجود نہیں ہے لہٰذا حبشہ لکھنے کے ساتھ کتاب میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ آج کل کے دو ملکوں یعنی ایتھوپیا (Abyssinia) اور اری ٹیریا کو ملا کر پرانے دور کا حبشہ بنتا ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ پوری کتاب میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔
- جہاں ضروری تھا ان الفاظ پر اعراب لگا دیے گئے ہیں تاکہ اس لفظ کا صحیح تلفظ معلوم ہو سکے۔ مثال کے طور پر ثُوَیبَہ، حَکَم، اَرْوىٰ، مُصعَب، عَمّار، سُلَیم، کُدُر، سَرِیَّہ۔
- میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے 2022ء میں دو دفعہ عمرہ ادا کرنے کا موقع ملا لہٰذا میں نے اس کتاب کا کچھ حصہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تحریر کیا۔ میں اسے بہت بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔
- کتاب کی مزید وضاحت کے لیے ایک یوٹیوب (YouTube) چینل بھی بنایا گیا ہے جس پر اس کتاب سے متعلق تمام موضوعات کی وڈیوز موجود ہیں۔ ان سے سب لوگوں کے لیے آسانی ہوگی نیز تحریری طور پر جن امور کا

پوری طرح سے احاطہ نہیں کیا جاسکتا یقیناً وڈیو ان کی مکمل وضاحت کرے گی مثلاً وضو کرنے کا طریقہ کتاب سے پڑھ لینے کے بعد اس کی ویڈیو دیکھنے سے زیادہ بہتر سمجھ آجائے گی۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ اس یوٹیوب چینل سے ہم کوئی کمائی نہیں کرتے (No Monetization) کیونکہ یوٹیوب کی کمائی جائز نہیں ہے لہٰذا یہ چینل صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے بنایا گیا ہے۔

چینل کا نام یہ ہے:

Rai Manzoor Nasir Official

نوٹ

اس کتاب کے کوئز (Quiz) کی شکل میں مقابلے کرائے جائیں گے (اِن شاءاللہ) جس میں جیتنے والوں کے لیے کروڑوں روپے کے انعامات رکھے جائیں گے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ان پروگراموں کی وجہ سے اگلے چند برسوں میں آپ کو ہماری قوم کے اندر ایک واضح بہتری نظر آئے گی (اِن شاءاللہ)۔

رائے منظور ناصر

حضرت محمد ﷺ کی ولادت

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ سعودی عرب کے شہر مکہ میں 12 ربیع الاول① بروز سوموار، ایک عام الفیل② بمطابق 22-اپریل 571 عیسوی

① حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخوں میں اختلاف ہے لیکن زیادہ تر لوگوں کا اتفاق 12 ربیع الاول پر ہے۔ پاکستان میں بھی اسی روز میلاد النبیؐ کی سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔

② یمن کا ایک عیسائی حکمران تھا جس کا نام ابرہہ تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی خانہ کعبہ کے مقابلے میں یمن کے شہر صنعا میں ایک شاندار عبادت گاہ (گرجا) تعمیر کروائی تاکہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے یمن آئیں۔ ابرہہ کی بھرپور کوشش کے باوجود لوگوں کی دلچسپی خانہ کعبہ میں قائم رہی اور اس کی یمن میں بنائی ہوئی عبادت گاہ ویران پڑی رہی۔ اس پر اسے شدید غصہ آیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خانہ کعبہ کو گرا دے گا لہٰذا جب خانہ کعبہ موجود ہی نہیں ہو گا تو سب لوگ اس کی یمن والی عبادت گاہ میں آئیں گے۔ اس نے 60 ہزار کا جنگی لشکر تیار کیا۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی شامل تھے۔ جب یہ لشکر مکہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل نام کے پرندے بھیجے جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں۔ ان پرندوں کی تعداد بے شمار تھی۔ انہوں نے ابرہہ کے لشکر پر وہ کنکریاں گرائیں جن سے وہ لشکر اور ہاتھی تباہ و برباد ہو گئے۔ ہاتھی کو عربی میں فیل کہتے ہیں لہٰذا جس سال یہ واقعہ ہوا اسے عام الفیل (ہاتھی والا سال) کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۃ الفیل میں ہے۔ حضور ﷺ اس واقعہ کے 55 دن بعد پیدا ہوئے چونکہ یہ ایک بہت بڑا واقعہ تھا لہٰذا اس کی نسبت سے سال گنے جاتے تھے جیسے آج کل بھی پاکستان میں کچھ غیر تعلیم یافتہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص صدر ایوب والی جنگ کے اگلے سال پیدا ہوا یعنی 1965ء کی جنگ کے اگلے سال۔

مکہ اور یمن کا نقشہ

① مکہ

مکہ (سعودی عرب) میں حضور ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا گھر (خانہ کعبہ) بھی مکہ میں ہے۔

② یمن

- ابرہہ نے جو کلیسا بنوایا تھا وہ یمن کے دار الحکومت صنعا میں تھا۔
- یمن کا ایک گورنر باذان تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔
- جھوٹے نبی اسود عنسی کا تعلق بھی یمن سے تھا۔
- یمن کے کچھ اہم لوگوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔
- مکہ اور یمن کے کئی حوالے اس کتاب میں موجود ہیں لہٰذا یہ نقشہ ان تمام کے لیے بھی ہے۔



کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ پنجابی کیلنڈر کے لحاظ سے یہ 628 بکرمی کا سال بنتا ہے۔

آپؐ کی والدہ کا نام حضرت آمنہؓ تھا اور آپؐ کے والد کا نام حضرت عبد اللہؓ تھا۔ آپؐ کے والد آپؐ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ گویا حضور ﷺ یتیم پیدا ہوئے مگر خوش قسمتی سے اس وقت آپؐ کے دادا حضرت عبد المطلبؓ زندہ تھے۔ ولادت کے بعد آپؐ کی والدہ نے حضرت عبد المطلبؓ کے پاس ان کے پوتے کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ وہ آپؐ کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ انہوں نے آپؐ کا نام **محمد** رکھا۔ یہ نام عرب میں اس سے پہلے معروف نہ تھا جبکہ آپؐ کی والدہ نے آپؐ کا نام **احمد** رکھا۔

آپؐ کو سب سے پہلے اپنی والدہ نے دودھ پلایا۔ ان کے بعد آپؐ کے سگے چچا ابو لہب کی لونڈی ثُوَیبَہ ① نے دودھ پلایا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی لونڈی نے اس سے پہلے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یوں حضور ﷺ اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ آپس میں رضاعی بھائی② بھی تھے۔

---

① پاکستان میں کیونکہ لڑکیوں کا نام ثُوَیبَہ (Suwaiba) نہیں رکھا جاتا بلکہ ثوبیہ (Sobia) رکھا جاتا ہے۔ اس لیے عام طور پر اس لفظ کو پاکستان میں ثوبیہ ہی پڑھا جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اس لونڈی کا صحیح نام ثُوَیبَہ تھا۔

② رضاعی بھائی وہ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی والدہ کے علاوہ کسی ایک ہی دوسری عورت کا دودھ پیا ہو۔ اسی طرح رضاعی بہن بھی ہو سکتی ہے۔ گویا رضاعی بہن یا بھائی سگے بہن بھائی نہیں ہوتے بلکہ ان کے درمیان دودھ کا رشتہ ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی پرورش

حضرت حلیمہؓ کے ہاں

حضور ﷺ کا کوئی سگا بہن بھائی نہیں تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق آپؐ کو دائی حضرت حلیمہؓ کے حوالے کر دیا گیا۔ حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر حضرت حارثؓ کا تعلق قبیلہ بنی سعد سے تھا۔ حضرت حلیمہؓ اپنے قبیلے کے اس نام کی وجہ سے تاریخ اسلام میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس وقت حضرت حلیمہؓ اور حضرت حارثؓ کے بچے عبداللہ، انیسہ، اور حذافہ یا جذامہ (انہی کا لقب شیما تھا۔ یہ آپؐ کو گود میں کھلایا کرتی تھیں اور مختلف حوالوں سے تاریخ اسلام میں اسی نام سے مشہور ہیں) تھے۔ انہی کے ساتھ آپؐ نے پرورش پائی۔ انہی کے ساتھ آپؐ کھیلے کودے۔ ان بچوں اور ان کے والدین کی قسمت پر رشک آتا ہے! آپؐ کو گود لینے کے بعد حضرت حلیمہؓ نے جن معجزات کو دیکھا ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

- حضرت حلیمہ سعدیہؓ ایک سفید گدھی پر سوار ہو کر مکہ [1] آئیں یہ گدھی بالکل کمزور اور لاغر تھی مگر حضور ﷺ کی برکت سے مکہ سے واپسی پر یہ قافلے کی باقی سواریوں سے آگے نکل گئی جس سے تمام دائیاں حیران رہ گئیں۔
- دائی حضرت حلیمہؓ کے دودھ میں بے پناہ اضافہ ہو گیا جس سے آپؐ اور حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا حقیقی بیٹا خوب سیر ہو جاتے تھے جبکہ آپؐ کی آمد سے پہلے حضرت

---

(1) مکہ کا پرانا نام بَکّہ تھا۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 96 میں یہی نام یعنی بَکّہ درج ہے۔

حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ ایک بچے کے لیے بھی ناکافی ہوتا تھا۔

- حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی وہ اونٹنی جس سے نہ ہونے کے برابر دودھ ملتا تھا اس نے اتنا دودھ دیا کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے شوہر نے پیٹ بھر کر پیا۔
- جہاں قبیلہ بنوسعد آباد تھا وہاں سخت قحط تھا مگر آپؐ کی آمد کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی بکریاں چرنے جاتیں تو پیٹ بھر کر واپس آتیں اور دودھ بھی خوب دیتیں جبکہ قبیلے کے باقی لوگوں کی بکریاں قحط کی وجہ سے بالکل دودھ نہیں دیتی تھیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپؐ کو پورے دو سال دودھ پلایا اور اس کے بعد آپؐ کو مکہ مکرمہ میں حضرت آمنہؓ کے پاس لے گئیں مگر ان کا دل ہرگز نہیں چاہ رہا تھا کہ یہ نایاب بچہ ان سے جدا ہو جائے لہٰذا انہوں نے بہت اصرار کیا کہ مزید کچھ عرصے کے لیے آپؐ کو ان کے پاس رہنے دیا جائے۔ ان دنوں مکہ میں وبا بھی تھی۔ اس لیے حضرت آمنہؓ مان گئیں اور یوں آپؐ حضرت حلیمہؓ کے پاس ہی رہے۔ ملاحظہ کریں کہ پہلے جس بچے کو غریب اور یتیم سمجھ کر کوئی لینے کو تیار نہ تھا، اب اسی گوہر نایاب کے حصول کے لیے منت و سماجت کی جا رہی ہے۔ (سبحان اللہ)

شق صدر کا واقعہ

(شق کا معنی چیرنا اور صدر کا معنی سینہ ہے یعنی سینہ چیرنا)۔ ایک دن حضور ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت جبریلؑ نے آپؐ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا۔ پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا اور اسے واپس جسم میں رکھ کر جوڑ دیا۔ جب بچوں نے یہ سب دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو کر حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور بتایا کہ آپؐ کو (معاذاللہ) شہید کر دیا گیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور ان کا خاندان فوراً موقع

پر پہنچے تو دیکھا کہ آپؐ کا رنگ اڑا ہوا تھا مگر آپؐ زندہ وسلامت تھے۔

اپنی والدہ کے ہاں پرورش

حضرت حلیمہؓ کے بعد آپؐ اپنی والدہ کے ساتھ رہنا شروع ہو گئے اور چھ سال کی عمر تک والدہ کی آغوش محبت میں ہی پلتے رہے۔ آپؐ نے بچپن میں تیرنا (Swimming) بھی سیکھا۔ وہ یوں کہ جب آپؐ نے اپنی والدہ کے ساتھ مدینے میں بنو عدی (یہ حضرت عبد المطلبؓ کے ننھیال تھے) کے ہاں قیام فرمایا تو ان کے تالاب میں آپؐ نے تیرنا سیکھا۔

حضرت آمنہؓ کا انتقال

جب حضور ﷺ کی عمر چھ برس تھی تو حضرت آمنہؓ آپؐ کو لے کر یثرب (یہ مدینہ کا پرانا نام تھا) تشریف لے گئیں تاکہ اپنے متوفی شوہر کی قبر کی زیارت کر سکیں۔ اس سفر میں ان کی خادمہ اُمِّ ایمنؓ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ مدینہ میں انہوں نے ایک ماہ قیام کیا۔ مدینہ سے مکہ آتے ہوئے حضرت آمنہؓ سخت بیمار ہو گئیں اور مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء[1] کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ چھ سال کا بچہ جس نے اپنے باپ کو دیکھا تک نہ ہو اور اس کی ماں کا انتقال یوں راستے میں اچانک ہو جائے۔ اس پر غم کے کون سے پہاڑ نہیں ٹوٹے ہوں گے۔ یہ ایک دردناک واقعہ اور دل سوز حقیقت ہے۔

---

① ابواء تقریباً مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ آج کل اگر آپ اس پرانی سڑک پر سفر کرتے ہیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے تو ابواء اس سڑک سے تقریباً 38 کلو میٹر دور ہٹ کر ہے۔ حضرت آمنہؓ کی قبر ابواء میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔

مکہ، مدینہ اور ابواء کا نقشہ

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی والدہ آپؐ کو مکہ سے لے کر مدینہ گئیں۔

ابواء

- ابواء کے مقام پر حضرت آمنہؓ کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ یہیں پر دفن ہیں۔
- غزوہ ودّان مدنی دور میں ہوا۔ ودّان کا ابواء سے فاصلہ صرف گیارہ کلومیٹر ہے۔



دادانے پرورش کی

حضرت آمنہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کی پرورش کی ذمہ داری آپؐ کے دادا حضرت عبد المطلبؓ نے لی مگر آپؐ کی عمر ابھی 8 سال 2 ماہ اور ایک دن ہوئی تھی کہ آپؐ کے پیارے دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس وقت ان کی عمر 80 سال تھی۔ وہ اپنے انتقال سے پہلے اپنے بیٹے حضرت ابو طالب کو وصیت کر گئے تھے کہ وہ آپؐ کی پرورش کریں۔ آپؐ کو اپنے دادا کی وفات کا بہت دکھ ہوا۔ آپؐ اپنے دادا کے جنازے کے ساتھ روتے ہوئے قبرستان تک تشریف لے گئے۔

چچا حضرت ابو طالب نے پرورش کی

حضرت عبد المطلبؓ کے سب سے بڑے بیٹے حضرت حارث تھے۔ گویا حضرت ابو طالب اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے نہیں تھے اور ان کے معاشی حالات بھی اچھے نہیں تھے۔ اس کے باوجود حضرت عبد المطلبؓ نے آپؐ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کو سونپی حالانکہ عام طور پر یہ ذمہ داری بڑے بیٹے کو دی جاتی ہے۔ حضرت عبد المطلبؓ نے ایسا سوچ سمجھ کر کیا کیونکہ انہیں اپنی اولاد میں سب سے ذمہ دار اور حساس ابو طالب ہی لگے اور وہ ساری زندگی اپنے والد کی توقعات پر پورا بھی اترے۔ حضرت ابو طالب آپؐ کے سگے چچا تھے۔ ان کی بیوی کا نام حضرت فاطمہؓ تھا۔ ان دونوں نے آپؐ کی پرورش اپنی اولاد سے بڑھ کر کی۔ آپؐ بھی ہر کام میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ آپؐ جیسے ہی جوان ہوئے اور آپؐ کے معاشی حالات بہتر ہوئے تو آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کا بوجھ کم کرنے کے لیے ان کے بیٹے حضرت علیؓ کی کفالت کی ذمہ داری خود لے لی۔ حضرت ابو طالب کے دوسرے بیٹے حضرت جعفر طیارؓ کی کفالت کی ذمہ داری حضرت عباسؓ نے لے لی جو حضرت ابو طالب کے

بھائی تھے اور بنو ہاشم میں سب سے زیادہ امیر تھے۔ دراصل حضرت عباسؓ کو آپؐ نے ہی ایسا کرنے کے لیے قائل کیا تھا۔ گویا یہ دونوں طرف سے وفا کا رشتہ تھا اور یہ ہم سب کے لیے ایک روشن اور قابل تقلید مثال ہے کہ رشتے کیسے نبھائے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کا شام کا پہلا سفر

جب حضور ﷺ کی عمر 12 سال 2 ماہ اور 10 دن تھی تو حضرت ابو طالب آپؐ کو لے کر تجارت کی غرض سے شام کے سفر پر نکلے۔ بصریٰ (Bosra)[1] کے مقام پر ان کی ملاقات ایک راہب بُحَیرا سے ہوئی (بحیرا کا اصل نام جرجیس تھا) ۔ اس نے آپؐ کو پہچان لیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ آپؐ کو فوراً مکہ بھیج دیا جائے کیونکہ انہیں یہودی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابو طالب نے کچھ غلاموں کے ساتھ آپؐ کو مکہ واپس بھیج دیا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ایمان میں تقویت کا باعث بنے گا کہ آپؐ کو دیکھ کر بحیرا نے کیا کہا؟ اس نے آپؐ کے پیغمبر ہونے کی گواہی ان الفاظ میں دی۔ ’’یہ سید المرسلینؐ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں رحمتہ للعالمینؐ بنا کر بھیجے گا‘‘۔ حضرت ابو طالب نے سوال کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا۔ ’’تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انہیں مُہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی (کُری) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں‘‘۔ یاد رہے کہ بحیرا عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔

---

① یہ شام کا ایک شہر ہے اور یہ دمشق سے تقریباً 240 کلو میٹر دور ہے۔ عراق کا ایک شہر بصرہ ہے جہاں کی کھجوریں بہت مشہور ہیں وہ ایک الگ شہر ہے۔ بحیرا راہب کے قلعے کے آثار آج بھی بصریٰ میں موجود ہیں۔

سعودی عرب اور شام کا نقشہ

- حضور ﷺ 12 سال کی عمر میں مکہ سے حضرت ابو طالب کے ساتھ شام کے شہر بصرٰی میں گئے۔
- حضور ﷺ نے دمشق (یہ شام کا دارالحکومت ہے) کے حاکم کو اسلام قبول کرنے کے لیے خط بھیجا تھا۔
- مکے اور مدینے کے لوگ شام سے تجارت کرتے تھے۔
- شام کے اور بھی کئی حوالے اس کتاب میں موجود ہیں لہٰذا یہ نقشہ ان تمام کے لیے بھی ہے۔



جنگ فُجار میں شرکت

جب یہ جنگ ہوئی تو حضور ﷺ کی عمر 15 سال تھی۔ اس جنگ میں قریش اور بنو کنانہ ایک طرف تھے اور قیس عیلان دوسری طرف۔ یہ جنگ ان مہینوں میں لڑی گئی جن میں جنگ کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس جنگ کو حرب فجار یا فاجروں کی جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں قریش اور بنو کنانہ حق پر تھے لہٰذا آپؐ نے ان کا ساتھ دیا لیکن آپؐ نے حرام مہینوں کا احترام کرتے ہوئے خود لڑائی میں حصہ نہیں لیا بلکہ آپؐ اپنے چچاؤں کو صرف تیر وغیرہ پکڑاتے تھے۔ اس سے پہلے تین حرب فجار ہو چکی تھیں۔ حرب فجار ہر سال دو چار دنوں کے لیے ہوا کرتی تھی۔ جس جنگ میں آپؐ نے حصہ لیا وہ چوتھی جنگ فجار تھی۔ آپؐ کی برکت سے دونوں متحارب قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی اور پچھلے چار سال سے جاری رہنے والی ان خونی جنگوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

حِلفُ الفُضُول میں شرکت

ذیقعدہ کے مہینے میں ایک آدمی یمن سے اپنا سامان تجارت لے کر مکہ آیا۔ عاص بن وائل[1] نے اس سے سامان خریدا مگر ادائیگی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس شخص نے ہر طرف سے مدد مانگی مگر بے سود۔ بالآخر وہ ابو قبیس کے پہاڑ پر چڑھ گیا اور اشعار کی صورت میں اپنی مظلومیت کی داستان بیان کی جس نے باضمیر لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس پر کچھ قبائل عبداللہ بن جُدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ حضور ﷺ نے بھی اس میں شرکت

---

① یہ بہت امیر شخص تھا لیکن ہر شخص سے دھوکہ دہی اور فریب کرتا تھا۔

فرمائی اس وقت آپؐ کی عمر 20 سال تھی۔ ان سب نے ایک زبردست اعلان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم ہو گا خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو یہ سب اس کی مدد کریں گے اور اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ انہوں نے عاص بن وائل کو مجبور کیا اور اسے یمنی تاجر کا مال واپس کرنا پڑا۔ آپؐ بعد میں بھی اس معاہدے پر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ کروانے میں آپؐ کے چچا حضرت زبیر نے کلیدی کردار ادا کیا۔

روزی کے لیے پیشہ

مکہ کے اردگرد کی زمین زرخیز نہیں تھی لہٰذا وہاں کھیتی باڑی نہ ہونے کے مترادف تھی۔ اس لیے خاندان قریش زیادہ تر گلہ بانی (ریوڑ پالنا) کے ساتھ ساتھ تجارت میں بھی مشغول رہتا تھا۔ یہ تجارت مقامی اور ملکی کے ساتھ ساتھ غیر ملکی بھی تھی۔ خانہ کعبہ سے تعلق کی وجہ سے قریش کے تجارتی قافلے لٹیروں سے بھی محفوظ تھے نیز شام اور یمن کی حکومتیں ان سے تجارتی ٹیکس بھی نہیں لیتی تھیں لہٰذا حضور ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی۔ اس سلسلے میں آپؐ نے فرمایا۔ ”نبوت کے لیے گلہ بانی شرط ہے۔ گلہ بانی کے بغیر منصب نبوت حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰؑ گلہ بان تھے، حضرت داؤدؑ نے بھی گلہ بانی کی اور میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں چراتا رہا“۔ آپؐ تجارت کی غرض سے شام کے علاوہ یمن کے شہر جرش میں بھی گئے۔

آپؐ نے عام رواج کے برعکس تجارت میں مکمل ایمان داری کو اپنا شعار بنایا۔ آپؐ ”صادق اور امین“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت سائبؓ نے بھی آپؐ کے ساتھ مل کر تجارت کی۔ وہ آپؐ کی ایمانداری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان

فرمایا تو انہوں نے اس وجہ سے اسلام قبول کر لیا کہ آپؐ نے کبھی کوئی بات غلط نہیں کی۔ آپؐ کی ایمان داری کی وجہ سے بہت لوگوں کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ آپؐ کے ساتھ مل کر تجارت کریں۔ دراصل ایمان داری اور نیک عمل سے ہی کسی شخص کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔

شام کا دوسرا سفر اور شادی

حضرت خدیجہؓ مکہ کی ایک امیر کاروباری خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنا تجارتی مال حضور ﷺ کو دے کر شام بھیجا۔ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ آپؐ نے مکمل ایمانداری سے تجارتی معاملات طے فرمائے۔ آپؐ مال بیچنے سے پہلے اپنے مال کے نقائص (خامیاں) خود بتاتے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس دفعہ پہلے کی نسبت (جب آپؐ کی بجائے اور لوگ مال لے کر شام جاتے تھے) بہت زیادہ منافع ہوا۔ واپسی پر میسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی شرافت، دیانت اور صداقت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ تقریباً تین مہینے بعد انہوں نے آپؐ کو شادی کا پیغام بھیج دیا جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ حضرت ابو طالب نے آپؐ کا نکاح پڑھایا۔ شادی کے وقت آپؐ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ آپؐ نے حق مہر میں بیس اونٹ دیے۔ حضور ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کا نسب پانچویں پشت سے مل جاتا ہے۔

اس شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ 25 سال تک زندہ رہیں اور ان کی زندگی میں آپؐ نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔ آپؐ کی چاروں بیٹیاں (حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ) حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہی

پیدا ہوئیں۔ آپؐ کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ آپؐ کی بیوی حضرت ماریہ قبطیہؓ سے پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ باقی بیٹے بھی حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپؐ کے تمام بیٹے بچپن میں ہی انتقال کر گئے جبکہ تمام بیٹیاں جوان ہوئیں، اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ باقی تین بیٹیاں آپؐ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ بھی آپؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد وفات پا گئی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی شادی ایک بڑا واقعہ ہے۔ حضرت خدیجہؓ نہ صرف مالدار تھیں بلکہ انتہائی اعلیٰ درجے کے کردار کی مالک بھی تھیں اس لیے لوگ انہیں "طاہرہ" (پاکیزہ) کے لقب سے پکارتے تھے۔ مکہ کے بڑے بڑے رؤسا اور سرداروں نے انہیں شادی کی پیشکش کی جو انہوں نے قبول نہ فرمائی اور ادھر آپؐ جو کہ پیدائشی یتیم تھے اور امیر بھی نہ تھے ان کو خود شادی کی پیشکش کی۔ مرکزی نکتہ یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے کردار سے متاثر ہوئیں۔ کسی کے کردار سے دوسرا شخص تب ہی متاثر ہو سکتا ہے جب اس کا اپنا کردار بھی اعلیٰ درجے کا ہو۔ ادھر آپؐ کا معاملہ ملاحظہ فرمایئے۔ آپؐ نے 25 سال کی عمر تک اپنے آپ کو ہر طرح کی فحاشی سے دور رکھا جو کہ مکہ میں عام سی بات تھی اور پھر شادی بھی کی تو اس خاتون سے جو آپؐ سے 15 سال بڑی تھیں اور ان کی دو بار پہلے بھی شادی ہو چکی تھی۔ ان کے دونوں شوہروں کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی اولاد (2 بیٹے اور ایک بیٹی) بھی تھی۔ ہر 25 سال کے نوجوان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اپنے سے کم عمر لڑکی کا رشتہ ملے اور وہ ہو بھی کنواری مگر آپؐ نے یہاں بھی معیار "کردار" کو ہی بنایا۔ یوں "امین" اور "طاہرہ" کی شادی ہو گئی۔

یہاں ایک اور پہلو کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کو جب اس رشتے کی پیشکش ہوئی تو آپؐ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کیا اور ان کی رضامندی سے یہ رشتہ طے ہوا۔

آج کل کے اکثر کم عمر لڑکے اور لڑکیاں مغرب کی پیروی کرتے ہوئے اپنے والدین کے باغی ہیں اور ہر معاملے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں جو کہ بہت غلط رویہ ہے۔

حجر اسود والا واقعہ

جب آپؐ کی عمر تقریباً 35 سال تھی تو قریش نے فیصلہ کیا کہ خانہ کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خانہ کعبہ کی عمارت خستہ حال ہوچکی تھی۔ اس کی دیواریں پھٹ گئی تھیں (اس وقت تک خانہ کعبہ کی صرف دیواریں ہی ہوتی تھیں اور چھت نہیں ہوتی تھی) نیز ایک سیلاب کا بھی خدشہ تھا۔

ہر قبیلے نے خوشی خوشی خانہ کعبہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔ آپؐ نے خود بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔ جب دیواریں حجر اسود[1] کی سطح تک بلند ہو گئیں تو اس بات پر جھگڑا پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو خانہ کعبہ میں کون نصب کرے گا؟ ہر قبیلے کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کے حصے میں آئے۔ چار پانچ روز میں جھگڑے میں شدت آگئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس مسئلے پر حرم پاک میں خون خرابہ ہو جائے گا۔ بالآخر ابو امیہ مخزومی نے تجویز دی کہ جو شخص مسجد حرام کے دروازے سے پہلے داخل ہو، اسے حَکَمْ (ثالث یا جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اسے سب قبول کریں۔ اس تجویز پر سب نے اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے آپؐ سب سے پہلے داخل ہوئے تو سب بیک زبان پکار اٹھے۔ ''یہ امین ہیں۔ ہم ان سے راضی ہیں۔ یہ محمد ﷺ ہیں''۔ آپؐ کے علم میں یہ معاملہ لایا گیا تو آپؐ نے حَکَمْ بننا قبول فرمایا اور ایک چادر منگوائی۔ حجر اسود کو اس چادر پر رکھا اور قبائلی سرداروں سے کہا کہ وہ سب چادر کو پکڑیں اور اوپر اٹھائیں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی۔ جب چادر مقام حجر اسود تک پہنچ گئی

---

① حجر کا معنی ہے پتھر اور اسود کا معنی ہے کالا۔ اس سے مراد وہ کالا پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے ایک کونے میں نصب ہے اور یہ بوسہ دینے والے کے گناہ چوس لیتا ہے۔

تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقررہ مقام پر نصب فرما دیا۔ اس مدبرانہ فیصلے سے تمام قبائل پر آپؐ کے فہم و فراست کی دھاک بیٹھ گئی۔

حضور ﷺ نے کسی ایک بھی شخص کو ناراض کیے بغیر یہ تنازع حل فرما دیا۔ اس سارے معاملے میں ایک حکمت الٰہی بھی واضح نظر آتی ہے کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی سعادت آپؐ کے موجود ہوتے ہوئے بھلا کسی اور کے حصے میں کیسے آسکتی تھی؟ اس واقعہ پر جتنا غور کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔ ابو امیہ مخزومی کی درج بالا تجویز بظاہر کچھ معقول نظر نہیں آتی کیونکہ کوئی شخص بھی مسجد حرام میں داخل ہو سکتا تھا اور وہ کوئی الٹا سیدھا فیصلہ بھی کر سکتا تھا، وہ اپنے قبیلے کی طرف داری بھی کر سکتا تھا۔ اس سے بہتر تجویز قرعہ اندازی کی ہو سکتی تھی مگر دراصل فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کا تھا۔ اللہ نے ابو امیہ مخزومی کے دل میں یہ تجویز ڈالی۔ اسی نے ہی تمام قبائل سے اس تجویز کو متفقہ طور پر منوایا اور اسی نے اپنے محبوب ﷺ کو سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل فرمایا اور اسی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے گھر یعنی خانہ کعبہ میں حجر اسود بھی اس کا رسول ﷺ ہی نصب فرمائے گا اور ایسا زور زبردستی سے نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام فریقین کی باہمی رضامندی سے بلکہ ان کی درخواست پر ہو گا۔ پھر تمام قبائل سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے سچا ہونے کی گواہی بھی دلائی اور وہ بھی علی الاعلان، جب وہ بے ساختہ پکار اٹھے ''یہ امین ہیں''۔ اس واقعے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

حضور ﷺ کی بے مثال پاکیزگی

حضور ﷺ پر پہلی وحی آنے سے پہلے آپؐ کی حیات مبارکہ پر کچھ تحریر کرنا ضروری ہے کیونکہ وحی آنے تک آپؐ کی عمر تقریباً 40 برس ہو چکی تھی۔ آپؐ نے جس زمانے میں اور جس معاشرے میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی وہاں بدکاری اور زناکاری عام

تھی جس کی درج ذیل تین شکلیں تھیں:۔

1۔ جب عورت حیض سے پاک ہوتی تو اس کا خاوند خود اسے کسی دوسرے مرد کے پاس زنا کی غرض سے بھیجتا۔ یہ اس لیے کیا جاتا تھا تا کہ اولاد شریف اور باوصف ہو۔

2۔ دس آدمیوں سے کم آدمی مل کر کسی عورت کے پاس جاتے اور اس عورت کی رضا مندی سے اس کے ساتھ زنا کرتے۔ جب بچہ پیدا ہو جاتا تو وہ ان سب لوگوں کو بلاتی جنہوں نے اس سے مشترکہ زنا کیا ہوتا تھا اور ان میں سے کسی ایک کے نام سے اس بچے کو منسوب کر دیتی اور ایسا تسلیم کر لیا جاتا۔

3۔ کسی طوائف کے پاس بہت سے لوگ اکھٹے ہو کر جاتے اور زنا کرتے۔ اس سے جب بچہ پیدا ہوتا تو کسی قیافہ شناس کو بلایا جاتا جو یہ بتاتا کہ ان میں سے یہ بچہ کس کا ہے اور اس کی بات تسلیم کر لی جاتی۔

زناکاری کے علاوہ دیگر برائیاں بھی عام تھیں۔ مثال کے طور پر باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔ کچھ لوگ دو سگی بہنوں سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اس کے علاوہ مکہ میں جُوا، شراب نوشی، بتوں کی پوجا، عریانی، چوری، ڈکیتی وغیرہ عروج پر تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قبیلوں کے درمیان طویل جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس انتہائی برے ماحول سے آپؐ مکمل طور پر محفوظ رہے۔

اس کے علاوہ آپؐ نے ایک کامیاب تاجر اور مدبر حاکم کے طور پر بھی اپنے آپ کو منوایا نیز آپؐ تمام لوگوں سے رحم کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپؐ انتہائی سخی اور باحیا انسان تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہ کیا۔ آپؐ کسی ایسی جگہ بھی نہیں جاتے تھے جہاں فواحش (فحش کی جمع) کا ارتکاب ہوتا تھا۔ آپؐ سب سے بڑھ کر بامروت، راست گو اور دور اندیش تھے۔ آپؐ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپؐ سب سے بڑھ کر امانت دار تھے لہٰذا لوگ آپؐ

کو ''امین'' کے لقب سے پکارتے تھے گویا اعلیٰ اخلاقی اقدار میں (جو کہ عرب معاشرے میں ڈھونڈنے سے نہ ملتی تھیں) آپؐ کا کوئی ثانی نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔

اعلان نبوت

رفتہ رفتہ حضور ﷺ کی طبیعت مکہ کے مشرکانہ ماحول سے اچاٹ ہوتی چلی گئی لہٰذا آپؐ نے غار حرا میں جاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ غار حرا میں کئی کئی روز حتیٰ کہ ایک ماہ تک بھی قیام فرماتے۔ آپؐ جب بھی غار حرا سے واپس مکہ آتے تو سیدھا گھر جانے کی بجائے سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے (بہت سے بزرگ آج بھی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جب بھی سفر سے لوٹتے ہیں تو گھر جانے سے پہلے کسی قریبی مسجد میں نوافل ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد گھر جاتے ہیں)۔

باقاعدہ وحی آنے سے پہلے آپؐ کو ایسے خواب آنا شروع ہوئے جو بالکل سچ ثابت ہوتے تھے۔ ایک دن آپؐ غار حرا[1] میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک حضرت جبریلؑ نمودار ہوئے اور آپؐ سے فرمایا ''اقراء'' جس کا معنی ہے ''پڑھ''۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ پھر حضرت جبریلؑ نے آپؐ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر زور سے بھینچا اور سورۂ العلق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

''پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا۔ (اور) انسان کو

---

① یہ غار مکہ سے تقریباً تین کلومیٹر دور کوہ حرا کے اندر ہے۔ غار کی لمبائی 12 فٹ اور چوڑائی سوا پانچ فٹ ہے۔ اس غار میں قیام کے دوران حضور ﷺ اپنے ساتھ ستو اور پانی لے جاتے تھے۔

خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھو اور تمھارا رب وہ برتر ہستی ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ (اور) اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ یہ پہلی وحی تھی۔ جس دن پہلی وحی نازل ہوئی اس دن آپؐ کی عمر قمری سال[1] کے مطابق 40 سال 6 ماہ اور 12 دن تھی اور شمسی حساب سے 39 سال 3 ماہ اور 18 دن تھی اور 21 رمضان المبارک، پیر کی رات تھی۔ انگریزی کیلنڈر کے مطابق اس روز 10-اگست 610 عیسوی تھی۔

حضرت جبریلؑ کا حضور ﷺ کے سامنے رونما ہونا اور قرآن مجید کی آیات کا آپؐ پر نازل ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا لہٰذا آپؐ پریشان ہو گئے اور واپس اپنے گھر تشریف لے آئے اور لیٹ گئے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ میرے اوپر کپڑا ڈال دو۔ حضرت خدیجہؓ کے پوچھنے پر آپؐ نے انہیں سارا واقعہ بتایا تو انہوں نے آپؐ کو ان الفاظ میں تسلی دی۔ "آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کی مدد کرتے ہیں۔ مصیبت زدوں، بیواؤں اور یتیموں کی دستگیری کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور اقرباء پر شفقت فرماتے ہیں، دوسروں کے لیے تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لہٰذا خدا کبھی بھی آپؐ کو تکلیف میں نہیں ڈالے گا"۔

قارئین کرام! یہاں تھوڑا سا رکیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے کردار کی گواہی کس سے دلوائی؟ ان کی بیوی سے، اور یہ کوئی مجمع، میڈیا شو یا کوئی تقریب نہیں تھی جس میں لوگوں کے سامنے عام طور پر میاں بیوی ایک دوسرے کی تعریف کر رہے

---

① قمری سال (اسلامی سال) چونکہ چاند کے لحاظ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کے ہر مہینے میں دن کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ کبھی رمضان شریف کے 29 روزے ہوتے ہیں اور کبھی 30 جبکہ انگریزی کیلنڈر کے ہر مہینے کے دن مقرر ہوتے ہیں اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اسلامی سال دنوں کے لحاظ سے انگریزی سال سے تقریباً 10 دن چھوٹا ہوتا ہے۔ انگریزی سال 365 دنوں کا ہوتا ہے جبکہ لیپ (Leap) کے سال میں 366 دن ہوتے ہیں۔

ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلتے ہی آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ آپؐ اور حضرت خدیجہؓ (شوہر اور بیوی) کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا نیز اس بات کو سب جانتے ہیں کہ بظاہر بڑے بڑے نیک لوگوں کے اندر بھی کئی خامیاں ہوتی ہیں جن کا کسی کو علم نہیں ہوتا مگر بیوی ضرور جانتی ہوتی ہے۔ شادی شدہ حضرات اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ گویا آپؐ کی بیوی کا یوں واضح الفاظ میں فوری اور برجستہ آپؐ کے کردار کی گواہی دینا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نئی نئی شادی میں ایسی پیار محبت کی باتیں کرنا معمول ہو سکتا ہے جبکہ آپؐ کی شادی کو 15 سال بیت چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ ① کے پاس لے گئیں۔ ورقہ عیسائی مذہب کے عالم تھے اور بت پرستی کے خلاف تھے۔ انہوں نے تورات و انجیل میں آخری نبیؐ کے بارے میں دی جانے والی بشارتیں پڑھ رکھی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سارا واقعہ سنا تو فرمایا۔ ”یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی اور اگر میں نے آپؐ کا زمانہ پایا تو آپؐ کی زبردست مدد کروں گا“۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی ورقہ فوت ہو گئے۔

آپؐ پر کچھ عرصے کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا تاکہ آپؐ اس کام کے لیے مکمل طور پر تیار ہو جائیں۔ دوسری وحی کی آمد سے پہلے کئی بار آپؐ کو آسمان سے آواز سنائی دیتی تھی۔ ”اے محمد ﷺ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریلؑ ہوں“۔ یہ بات غلط طور پر مشہور ہے کہ وحی کی بندش کی مدت ڈھائی یا تین سال تھی۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ بندش چند

① ورقہ کے والد کا نام نوفل تھا۔ اس وقت ورقہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور نابینا بھی ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ حضور ﷺ کو ”بھتیجے“ کہہ کر ہی مخاطب کرتے رہے حالانکہ حضور ﷺ کی بیوی ورقہ کی کزن تھیں۔ وہ عبرانی زبان بھی جانتے تھے۔ تورات اور انجیل کے صحیح علم کے لیے عبرانی جاننا ضروری ہوتا ہے۔

روز کے لیے تھی البتہ یہ بات درست ہے کہ وحی کی بندش کے دوران آپؐ غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری وحی نازل فرمائی جو کہ سورۂ المدثر کی ابتدائی سات آیات تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ ”اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور (لوگوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو اس غرض سے کہ زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو“۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں آپؐ نے دعوت اسلام کا کام اپنے گھر سے شروع کیا۔ آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ، آپؐ کے حقیقی چچا کے نو عمر بیٹے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارث نے سب سے پہلے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی ۔(حضرت زیدؓ بن حارث غلام تھے۔ ان کو حضرت خدیجہؓ نے خرید کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان کے والد انہیں لینے کے لیے آئے مگر انہوں نے والد کے ساتھ جانے کے بجائے حضور ﷺ کے ساتھ رہنے کی خواہش کی ۔ آپؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ لوگ انہیں زیدؓ بن حارث کی بجائے زیدؓ بن محمد ﷺ کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کی شادی آپؐ کی دائی اور خادمہ حضرت اُمّ ایمنؓ سے ہوئی تھی اور حضرت اسامہؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے)۔

خاندان سے باہر آپؐ کے قریبی دوست حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی ۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور ﷺ سے دو سال اور چند مہینے چھوٹے تھے گویا تقریباً ہم عمر ہی تھے نیز حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی بت پرستی اور دیگر اخلاقی برائیوں سے نفرت کرتے تھے اور ان کی یہی خوبیاں آپؐ سے دوستی کی بنیاد تھیں۔ درج بالا سب لوگ (حضرت خدیجہؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت زیدؓ بن حارث اور حضرت ابو بکرؓ) پہلے دن ہی مسلمان ہو گئے۔ جو لوگ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے ان میں سے چند ایک

کے نام یہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی و قاص اور حضرت طلحہؓ۔ شروع شروع میں زیادہ تر غلاموں، غریب لوگوں اور جوانوں نے اسلام قبول کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۃ الشعراء کی آیت نمبر 214 میں ان الفاظ میں حکم دیا۔ "اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤ"۔ اس پر آپؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت پر بلایا۔ اس دعوت میں 45 لوگ شریک ہوئے۔ کھانے کے اختتام پر آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ابو لہب نے آپؐ کو دین حق سے روکا اور کہا کہ اس طرح سے سارا عرب ان کا مخالف ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی مگر اپنے مشن سے ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹے۔ کچھ دنوں کے بعد آپؐ نے اپنے خاندان کو دوبارہ جمع کیا اور انہیں اسلام اور توحید کی تعلیمات پیش کیں۔ ابو لہب نے حسب سابق آپؐ کی مخالفت کی جبکہ حضرت ابو طالب نے فرمایا۔ "خدا کی قسم! جب تک جان میں جان ہے ہم محمد ﷺ کی حفاظت کرتے رہیں گے"۔

تقریباً تین سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۃ الحجر کی آیت نمبر 94 میں دعوت عام کا حکم ان الفاظ میں دیا۔ "آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کھلم کھلا بیان کرو اور مشرکین کی کوئی پرواہ نہ کرو"۔ اس حکم کے بعد آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج آ رہی ہے تو کیا تم یقین کر لو گے؟"۔ اس کے جواب میں وہاں موجود سب لوگوں نے بیک زبان کہا "کیوں نہیں۔ ہم نے ہمیشہ آپؐ کو سچ بولتے پایا"۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں بھی آپؐ نے اپنا کردار ہی لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ بدقسمتی سے آج کل زیادہ زور "الفاظ

(لفاظی)" پر ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ کردار کے بغیر الفاظ کے اندر تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس کے بعد آپؐ نے اس مجمع سے فرمایا۔ "پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لے آؤ ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہو گا"۔ اس پر ابو لہب نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی اور وہاں سے چلا گیا۔

حضور ﷺ کی سخت ایذا رسانی

جیسے جیسے اسلام کی کرنیں پھیلتی جا رہی تھیں کفار مکہ کی پریشانی میں اضافہ ہو تا جا رہا تھا۔ سب سے پہلے کفار کے ایک وفد نے حضرت ابو طالب سے ملاقات کی اور انہیں شکایت کی کہ آپؐ ان کے باپ دادا کے دین اور بتوں کو برا کہتے ہیں لہٰذا یا تو وہ آپؐ کو روکیں ورنہ درمیان سے ہٹ جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت ابو طالب نے نرمی سے گفتگو کی۔

اس کے کچھ عرصے بعد حج کا موسم آنے والا تھا جس میں تمام عرب سے لوگ آتے تھے لہٰذا قریش کے لوگوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا کہ ان لوگوں کو آپؐ سے بدگمان کرنے کے لیے کیا جھوٹ گھڑا جائے ؟۔ بالآخر ولید بن مغیرہ کے مشورے پر سب نے اتفاق کیا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ آپؐ جادوگر ہیں اور آپؐ کے کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ اس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ ولید بن مغیرہ کی اس خباثت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المدثر کی آیات نمبر 11 سے 26 میں بیان فرمایا۔ اب اس منصوبے کے مطابق حج کے مختلف راستوں پر کفار کے لوگ بیٹھ گئے (ان کا سرغنہ ابو لہب تھا)۔ وہ تمام لوگوں سے یہی جھوٹ بولتے رہے کہ آپؐ جادوگر ہیں اور آپؐ کے کلام سے

پھوٹ پڑ جاتی ہے وغیرہ۔ کفار نے تو اپنی طرف سے اسلام کو روکنے کے لیے یہ زبردست چال چلی تھی مگر اس کا اثر الٹا ہوا۔ اس ناپاک تدبیر سے تمام حاجیوں کو اور ان کے ذریعے دور دراز تک یہ معلوم ہو گیا کہ مکہ میں اللہ کے آخری نبی ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔

اس کے علاوہ کفار نے آپؐ کا مذاق اڑانا اور تحقیر کرنا شروع کر دی۔ آپؐ پر طرح طرح کی تہمتیں لگائیں۔ آپؐ کو کبھی پاگل کہا تو کبھی جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی جھوٹا کہا (معاذاللہ)۔ ان کی آپؐ سے جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ انتقامی اور غضبناک نظروں سے ملتے۔

ایک کافر نضر بن حارث حیرہ گیا اور وہاں سے کچھ دلچسپ کہانیاں سیکھیں اور جہاں لوگ آپؐ کی باتیں سننے لگتے وہ وہاں پہنچ جاتا اور انہیں دلچسپ کہانیاں سنا کر ان کی توجہ موڑ لیتا حتیٰ کہ اس نے چند لونڈیاں بھی خریدیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ جب کوئی شخص اسلام کی طرف راغب ہونے لگتا تو لونڈی اسے گانا سناتی اور ورغلاتی تاکہ وہ اسلام سے دور ہو جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان کی آیت نمبر 6 میں فرمایا۔ "اور (دیکھو) لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی ہے جو واہیات (خرافات) قصے (کہانیاں) خرید کر لاتا ہے تاکہ (لوگوں کو سنا کر) بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے اور اس (راہ) کا مذاق اڑائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے آخرت میں رسوا کن عذاب ہے"۔

کفار نے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے قریب حضور ﷺ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ کو جیسے ہی یہ خبر ملی وہ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے اور آپؐ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کفار کی تلواریں ہر طرف سے ان پر برس رہی تھیں۔ بالآخر وہ خانہ کعبہ کے ایک کونے رکنِ یمانی کے پاس شہید کر دیے گئے۔ یہ اسلام کے پہلے شہید تھے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ حضرت خدیجہؓ کے مرحوم شوہر کے بیٹے تھے یعنی وہ حضور ﷺ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ سوتیلے بیٹے

کا اپنے سوتیلے باپ سے عموماً رویہ اچھا نہیں ہوتا اور بعض اوقات تو ان کے درمیان دشمنی بھی موجود ہوتی ہے۔ قربان جائیں آقا کریمؐ کے کردار اور شفقت پر کہ سوتیلے بیٹے نے اپنی جان دے کر سوتیلے باپ کی جان بچائی۔ شاید تاریخ انسانی میں یہ اکلوتی مثال ہو۔

کفار نے آپؐ سے سودے بازی کی کوشش بھی کی۔ کفار نے یہ پیشکش کی کہ آپؐ ایک سال ان کے معبودوں کی پوجا کیا کریں اور وہ ایک سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۂ الکافرون نازل فرمائی جس میں واشگاف الفاظ میں بتا دیا گیا کہ یہ گھٹیا پیش کش ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

کفار نے 25 سرداروں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے آپؐ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ہر طرح کے ظلم کی منصوبہ بندی کی۔ ابولہب آپؐ کا سگا چچا تھا اور بعثت سے پہلے آپؐ کی دو بیٹیوں (حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ) کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا۔ اسلام دشمنی میں ابولہب نے اپنے بیٹوں کو کہہ کر آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلوا دی۔ اسی دوران جب آپؐ کے دوسرے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا بچپن میں انتقال ہو گیا تو ابولہب بہت خوش ہوا اور آپؐ کو ابتر (جس کی نسل ختم ہو جائے) کہنے لگا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورۂ الکوثر میں ان الفاظ میں دیا۔ ''بے شک آپؐ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا''۔ ابولہب ہر وقت آپؐ کے ساتھ رہتا تھا اور آپؐ جب حج کے دنوں میں، مختلف میلوں ٹھیلوں اور اجتماعات میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تو یہ بدبخت آپؐ کو نہ صرف جھوٹا کہتا بلکہ آپؐ کو پتھر بھی مارتا تھا جس سے آپؐ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتیں۔

ابولہب کی بیوی جس کا نام اَرویٰ تھا لیکن اُمِّ جمیل کے نام سے مشہور تھی۔ وہ بھی آپؐ کی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔ وہ حرب بن اُمیّہ جیسے بڑے سردار کی بیٹی تھی

مگر آپؐ کی دشمنی میں اس قدر پاگل ہو گئی تھی کہ خود جنگل میں جا کر کانٹے دار لکڑیوں کا گٹھا کاٹتی اور اپنے اوپر لاد کر لاتی اور آپؐ کے راستے اور دروازے پر رات کو ڈال دیا کرتی تھی۔ وہ آپؐ کے خلاف بدزبانی میں بھی پیش پیش تھی۔

ابو لہب کا گھر آپؐ کے گھر سے جڑا ہوا تھا اور وہ آپؐ کا سگا چچا تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی آپؐ کے باقی پڑوسی بھی آپؐ کو گھر کے اندر سخت تکلیف پہنچاتے تھے۔ وہ آپؐ کی پکتی ہانڈی پر نجاست پھینک دیتے تھے حتیٰ کہ نماز کی حالت میں بھی آپؐ پر نجاست پھینک دیتے تھے۔ بعض کفار چھپ کر آپؐ کے گھر پر پتھر بھی برساتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ جب بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کافروں نے آپؐ کے اوپر اونٹ کی اوجڑی پھینک دی۔ عُقبہ بن ابی مُعیط، ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور شیبہ بن ربیعہ وہ بد بخت تھے جنھوں نے سب سے زیادہ آپؐ پر ظلم ڈھائے۔ آپؐ نے ان کے لیے بد دعا کی اور یہ سب کے سب غزوہ بدر میں قتل ہوئے۔ کفار مکہ آپؐ کو گالیاں دیتے (معاذاللہ)، پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے حتیٰ کہ ابو جہل نے آپؐ کو نماز پڑھنے سے بھی روکا۔ گویا دنیا میں جو ظلم و ستم کے طریقے سوچے جاسکتے تھے وہ سب آپؐ پر آزمائے گئے۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ اگر ہمارے ساتھ ایسا ہو تو ہمارے پاس اس سے بچنے کے کئی راستے ہیں مثلاً ہم اپنے گھر میں ہی رہیں یا گھر سے کم سے کم باہر نکلیں اور کم سے کم لوگوں سے ملیں۔ موٹر سائیکل یا کار پر باہر جائیں یا کسی اور شہر یا ملک میں چلے جائیں مگر آپؐ کے لیے کچھ بھی ایسا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ انہیں تو خود لوگوں کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہچانا تھا۔ اب ذرا تصور کریں کہ اگر ہم گھر سے پیدل نکلیں اور لوگ ہمارے پیچھے لگ جائیں اور ہمیں جادوگر، دیوانہ، پاگل اور کاہن کہنا شروع کر دیں اور ساتھ ہی گالیاں بکنا شروع کر دیں اور جسمانی

تشدد بھی کریں تو ہم پر ایک ایک لمحہ کتنا بھاری ہو گا؟ عین ممکن ہے کہ ہم اپنے مقصد کو ہی خیر باد کہہ دیں لیکن قربان جائیں اپنے آقائے دو جہاںؐ پر جنہوں نے نہ صرف یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا بلکہ دین حق کے راستے میں کوششیں تیز سے تیز تر کر دیں۔

صحابہ کرامؓ پر مظالم

آپؐ کی دعوت پر جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے وہ بھی کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں تھے۔ غلام اور کمزور طبقات کو چھوڑیے جب کوئی طاقت ور آدمی بھی اسلام قبول کرتا تو مکہ کے کفار بالخصوص ابو جہل اسے جان و مال کے نقصان کی علی الاعلان دھمکیاں دیتا۔ صحابہ کرامؓ پر ظلم کے جو پہاڑ توڑے گئے ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

- حضرت عثمانؓ بن عفان (مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ) کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا اور سخت مار پیٹ کرتا۔
- حضرت مُصعَبؓ بن عمیر کی والدہ نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بہت نازوں سے پلے تھے لہٰذا حالات کی شدت سے ان کی کھال ادھڑ گئی۔
- حضرت عَمارؓ بن یاسرؓ ایک غلام تھے۔ ابو جہل سخت دھوپ کے وقت آپؓ کو پتھریلی زمین پر لے جا کر اس کی تپش سے سزا دیتا۔ بعض دفعہ آپؓ کو پانی میں بھی ڈبویا جاتا۔ حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں ابو جہل نے نیزہ مارا تو وہ شہید ہو گئیں۔ یہ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں۔ حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ کو بھی سخت سزائیں دی گئیں اور بالآخر وہ کفار کے تشدد سے شہید ہو گئے۔ اس پورے گھرانے کی اسلام کے لیے بے مثال قربانیاں ہیں۔
- حضرت فُکَیھَہؓ بھی غلام تھے۔ ان کے مالک کا نام صفوان بن امیہ تھا۔ وہ آپؓ کے

پاؤں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹتا تھا۔

- حضرت خَبابؓ بھی ایک عورت کے غلام تھے۔ مشرکین ان کے سر کے بال نوچتے تھے اور انہیں کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر ان کے اوپر پتھر بھی رکھ دیتے تھے۔
- صحابیاتؓ پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان میں سے حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت نہدیہؓ اور ان کی بیٹی حضرت اُمِّ عبیسؓ کے نام نمایاں ہیں۔ یہ سب لونڈیاں تھیں۔
- ان اصحابؓ میں حضرت بلالؓ کا قصہ زیادہ قابل توجہ ہے۔ حضرت بلالؓ اُمَیَّہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُمیہ آپؓ کی گردن میں رسی ڈال کر آوارہ لڑکوں کو دے دیتا اور وہ انہیں مکہ کے پہاڑوں اور گلیوں میں گھسیٹتے رہتے۔ امیہ حضرت بلالؓ کو باندھ کر ڈنڈوں سے بھی پیٹتا تھا۔ وہ بد بخت آپؓ کو سخت تپتی دھوپ میں بٹھا دیتا تھا۔ وہ آپؓ کو بھوکا اور پیاسا رکھتا۔ کئی دفعہ دوپہر کی سخت دھوپ میں وہ آپؓ کو پتھریلے کنکروں پر لٹا کر آپؓ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ پھر حضرت بلالؓ کو لالچ اور دھمکی دیتا کہ اگر وہ اسلام کو چھوڑ دیں تو وہ انہیں کچھ نہیں کہے گا ورنہ وہ اسی حالت میں پڑے پڑے مر جائیں گے مگر اس پر آپؓ بلند آواز میں فرماتے اَحَد ،اَحَد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔ ہماری کتابوں میں حضرت بلالؓ کا یہ واقعہ یہیں تک درج ہے اور عام طور پر یوں ہی بیان کیا جاتا ہے لیکن اس واقعے پر جو کمال کا تبصرہ ہونا چاہیے تھا وہ کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ میں عرض کیے دیتا ہوں۔ اضطراری حالت (جس میں جان جانے کا خدشہ ہو) میں اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کو بھی حلال کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص آپ کو جان سے مارنے کی دھمکی دے اور کہے کہ اگر آپ نے سُوَر یا کتے کا گوشت نہ کھایا تو وہ آپ کو گولی مار دے گا اور اس کے ہاتھ میں گولیوں سے بھرا پستول

بھی ہو اور آپ کو یقین بھی ہو کہ وہ ایسا کر گزرے گا اور کوئی بچانے والا بھی نہ ہو تو جان بچانے کی خاطر آپ حرام چیز بھی کھا سکتے ہیں۔ لیکن قربان جائیں حضرت بلالؓ پر جنہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کی دی ہوئی اس اجازت اور رعایت سے فائدہ حاصل نہ کیا حالانکہ وہ غلام تھے (نوکر اور غلام میں بہت فرق ہوتا ہے۔ غلام کے ساتھ مالک جو چاہے سلوک کرے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ نوکر تو نوکری چھوڑ کر جا بھی سکتا ہے مگر غلام کے پاس یہ سہولت نہیں ہوتی)۔ لہٰذا وہ اپنی جان بچانے کے لیے اسلام کے خلاف کوئی لفظ بول دیتے اور کہتے کہ ان کے مالک نے غلط سنا ہے، انہوں نے تو اسلام قبول ہی نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ ان حالات میں بھی اونچی آواز میں اَحَد۔اَحَد پکارتے رہے یعنی اللہ ایک ہے۔ گویا انہوں نے کفار کے بتوں کو علی الاعلان پاش پاش کیا۔ ایک غلام (حضرت بلالؓ) کے منہ سے اونچی آواز میں اَحَد اَحَد کی آوازیں تو کفار کا سینہ چھلنی کر دیتی ہوں گی۔ پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں حضرت بلالؓ کو وہ مقام عطا فرمایا جس کی لوگوں کو خواہش ہی رہی۔ اللہ کے گھر یعنی خانہ کعبہ کی چھت پر انہی بلالؓ کے قدم لگے اور انہیں مؤذن رسول ﷺ ہونے کا اعزاز ملا۔ یہ صرف اور صرف خلوص، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق کی انتہا تھی جس نے حضرت بلالؓ کو یہ مقام عطا فرمایا ورنہ وہ تو حبشی تھے، غلام تھے، زبان میں بھی لکنت تھی اور پشت پر کوئی قبیلہ بھی نہیں تھا۔

نوٹ: یہاں حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ کرنا بہت ضروری ہے جنہوں نے جب جب ممکن ہوا حضرت بلالؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت لبینہؓ، حضرت نہدیہؓ اور حضرت اُمِّ عبیسؓ کو مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا۔

ہجرت حبشہ (پہلی بار)

جب مسلمانوں پر مکہ میں ظلم و ستم انتہا کو جا پہنچا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی جس کی طرف سورۂ الزُّمَر کی آیت نمبر 10 میں ارشاد ہوا۔ "اور اللہ کی زمین کشادہ ہے"۔ حبشہ کا بادشاہ جس کا نام نجاشی ① تھا۔ وہ انصاف پسند حکمران تھا لہٰذا سولہ مسلمانوں (12 مرد اور 4 عورتیں) نے حضرت عثمان غنیؓ کی سربراہی میں ہجرت فرمائی۔ حبشہ جانے کے لیے سمندر ② پار کرنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اس قافلے کے لیے غیبی مدد اس طرح سے آئی کہ جب یہ لوگ بندرگاہ پر پہنچے تو وہاں دو بحری تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے لہٰذا جہاز والے انہیں کم کرائے پر (ہر شخص نے صرف پانچ درہم کرایہ ادا کیا) بٹھانے کے لیے راضی ہو گئے اور یہ لوگ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کفار کو جب ان کی ہجرت کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے ساحل تک پیچھا کیا مگر اس وقت تک مسلمان وہاں سے جا چکے تھے۔ یہ واقعہ 5 نبوی میں ہوا۔

حبشہ میں مسلمانوں کو امن و سکون میسر آیا۔ وہاں ان کو مذہبی رسوم کی بجا آوری میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسی سال مکہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ رمضان المبارک میں کفار کا ایک بڑا مجمع حرم پاک میں موجود تھا۔ آپؐ وہاں تشریف لے گئے اور سورۂ نجم کی تلاوت شروع کر دی۔ جب آپؐ سورۂ نجم کی آخری آیت نمبر 62 پر پہنچے۔ "اللہ کے لیے سجدہ کرو"۔ اس پر آپؐ نے سجدہ فرمایا تو وہاں موجود تمام کفار بھی سجدے میں

---

① نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا۔ نجاشی کو انگلش میں Negus کہا جاتا ہے۔

② اس سمندر کو بحیرہ احمر یا بحیرہ قلزم کہتے ہیں۔ انگلش میں اسے Red Sea کہتے ہیں۔ یہ سمندر برِاعظم ایشیا کو برِاعظم افریقہ سے الگ کرتا ہے۔

گر پڑے۔ حالانکہ بعد میں انہوں نے اس کی کئی جھوٹی تاویلیں پیش کیں۔ اس واقعے کی خبر حبشہ میں موجود مسلمانوں کو کچھ یوں ملی کہ مکہ کے تمام کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے لہٰذا مسلمان خوشی خوشی حبشہ سے مکہ واپس آ گئے۔ جب وہ مکہ کے بالکل قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ اس پر کچھ تو واپس حبشہ میں ہی چلے گئے اور کچھ مکہ میں آ گئے۔

ہجرت حبشہ (دوسری بار)

درج بالا واقعے کے بعد مسلمانوں پر ظلم و ستم میں مزید اضافہ ہو گیا۔ نتیجتاً آپؐ نے مسلمانوں کو دوبارہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ اس دفعہ 100 مسلمانوں (82 مرد اور 18 عورتیں) نے ہجرت کی جس سے کفار مکہ کے اندر تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے اپنے دو نمائندوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) کو قیمتی تحفے تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں جا کر پہلے بادشاہ کے قریبی وزرا جن کو ''بطریق'' کہا جاتا تھا کو تحفے پیش کیے اور انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ بادشاہ نجاشی کو کفار مکہ کے نمائندوں نے کہا کہ آپ کے ملک میں ہمارے کچھ لوگ آ گئے ہیں جو کہ ناسمجھ ہیں اور انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے اور ان کے بزرگوں نے ہمیں بھیجا ہے کہ ان نادانوں کو واپس مکہ لایا جائے لہٰذا آپ ان کو ہمارے حوالے کریں۔ اس موقع پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ نے خطاب فرمایا اور بادشاہ اور حاضرین مجلس کو بتایا کہ اسلام سے پہلے وہ کن برائیوں میں مبتلا تھے مثلاً بت پرستی، مردار کھانا، بدکاری کرنا، رشتے داروں سے تعلق توڑنا، ہمسایوں سے برا سلوک کرنا اور طاقتور کا کمزور پر ظلم کرنا وغیرہ۔ پھر اس کے بعد اسلام کی تعلیمات پیش کیں مثلاً توحید، رسالت، جھوٹ اور بہتان کی مخالفت، پڑوسیوں، یتیموں اور بیواؤں سے حسن سلوک، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ۔ اس کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے بتایا کہ ان کفار نے ہم مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے لہٰذا ہمیں مجبوراً حبشہ میں پناہ لینی پڑی۔

حبشہ اور سعودی عرب کا نقشہ

- مسلمانوں نے مکہ سے دو دفعہ حبشہ میں ہجرت کی۔ نقشے میں بحیرہ احمر (Red Sea) بھی واضح ہے جسے پار کر کے مسلمان حبشہ پہنچے تھے۔حبشہ سے مراد موجودہ ایتھوپیا اور اری ٹیریا ہے۔
- حضور ﷺ نے مدینہ سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو قبول اسلام کے لیے خط لکھا تھا۔
- حبشہ کے اور بھی کئی حوالے اس کتاب میں موجود ہیں لہٰذا یہ نقشہ ان تمام کے لیے بھی ہے۔



اس پر کفار کے نمائندوں نے ایک زبردست چال چلی اور کہا کہ مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں پوچھا جائے۔ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمانوں کے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں خیالات عیسائیوں سے مختلف ہیں اور نجاشی عیسائی ہے لہٰذا وہ مسلمانوں کا مختلف جواب سن کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے گا۔ اس پر مسلمان پریشان ضرور ہوئے مگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر حال میں سچ بولیں گے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حضرت جعفر طیارؓ نے فرمایا۔ ''حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریمؑ کی طرف القا کیا تھا''۔ اس پر نجاشی نے کہا کہ تم نے جو کچھ کہا وہی سچ ہے۔ نجاشی نے کفار کے نمائندوں کے تحائف واپس کرا دیے اور ان کی یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔ ہجرت حبشہ کو تاریخ اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ مثال کے طور پر نجاشی خود مسلمان ہو گیا اور حبشہ میں اسلام پھیلنے لگا۔ نجاشی کی وفات پر آپؐ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

حبشہ اور ہماری کوتاہی

پوری دنیا میں آج کل حبشہ نام کا کوئی ملک موجود نہیں ہے البتہ براعظم افریقہ میں ایتھوپیا نام کا ایک ملک ہے۔ پرانے زمانے میں اسی ملک کو حبشہ ① کہتے تھے۔ اس ملک کے باشندوں کا ہم مسلمانوں پر احسان ہے کہ انہوں نے انتہائی برے حالات میں صحابہ کرامؓ کو اپنے ہاں پناہ دی لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ چند سال پہلے افریقہ میں خشک سالی اور دیگر

① 1993ء میں ایتھوپیا کے ایک حصے نے علیحدگی اختیار کر لی اور یہ ایک آزاد ملک بن گیا جس کا نام ایری ٹیریا ہے۔ گویا آج کل کے لحاظ سے ایتھوپیا اور ایری ٹیریا کو ملا کر پرانا ملک حبشہ بنتا تھا۔ سعودی عرب اور حبشہ کے درمیان بحیرہ قلزم یعنی لال سمندر (Red Sea) ہے جو کم چوڑا ہے۔

عوامل کی وجہ سے شدید قحط پڑا جس سے وہاں کے ہزاروں لوگ ہلاک ہو گئے مگر ہم نے ان لوگوں کی کوئی مدد نہ کی۔ اس کی بڑی وجہ ہماری کم علمی تھی۔ اگر ہمیں علم ہوتا کہ حبشہ دراصل آج کا ایتھوپیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ پاکستانی مسلمان دل کھول کر ان کی امداد کرتے۔ افسوس! صد افسوس! یہ ہے رٹا لگانے کا نقصان اور یہ ہے بغیر نقشے کے تاریخ کو سمجھنے والی قوم کی حالت زار۔

ان لوگوں کا مقام تو اتنا بلند ہے کہ ہم سارے مسلمان ان کی نسلوں کی بھی خدمت کریں تو بھی ان کا احسان نہیں اتار سکتے کیونکہ انہوں نے ہماری مقدس ہستیوں کو نہ صرف اپنے ہاں پناہ دی بلکہ انہیں ہر طرح کی سہولتیں بھی دیں اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ان ہستیوں میں حضرت عثمان غنیؓ، ان کی بیوی حضرت رقیہؓ (جو آپؐ کی بیٹی تھیں) اور حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ شامل تھے۔ بعد میں ایک دفعہ جب حبشہ سے ایک وفد مدینہ آیا تو آپؐ نے ان کو اپنا ذاتی مہمان بنایا اور خود ان کی میزبانی اور خدمت کی۔

سورج اور چاند کی مثال

کفار مکہ نے ایک دفعہ پھر وفد کی صورت میں حضرت ابو طالب کو سخت دھمکی دی کہ وہ آپؐ کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں ورنہ ان کے خلاف خطرناک جنگ چھیڑ دی جائے گی۔ اس دھمکی کا حضرت ابو طالب پر اثر بھی ہوا اور انہوں نے آپؐ سے فرمایا۔ ''اب مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو''۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا۔ ''چچا جان۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو ادھورا چھوڑ دوں تو بھی یہ ممکن نہیں''۔ یہ سن کر آپؐ کے پیارے چچا حضرت ابو طالب کی محبت نے جوش مارا اور وہ بولے۔

بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو۔ خدا کی قسم میں تمھیں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اس موقع پر حضرت ابو طالب نے اس بارے میں چند خوبصورت اشعار بھی کہے۔

حضور ﷺ کا سب سے بڑی پیشکش کو ٹھکرانا

عتبہ بن رَبیعہ کفارِ مکہ کا ایک سرکردہ سردار تھا۔ وہ بہت ذہین انسان تھا۔ کفار نے مشاورت کر کے اسے آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے نہایت احسن طریقے سے بات شروع کی اور آپؐ سے یوں مخاطب ہوا۔ "اے بھتیجے"۔ پھر اس نے آپؐ کے مقام و مرتبے کی تعریف کی اور آپؐ کو سمجھانے لگا کہ آپؐ جو نیا دین لائے ہیں اس نے ہماری قوم کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے اور آپؐ بتوں کو برا کہتے ہیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے چلے آرہے ہیں۔ اس لیے آپؐ مہربانی کر کے اس نئے دین کو چھوڑ دیں۔ اس کے بدلے میں آپؐ جو چاہیں وہ ہم آپؐ کو دینے کے لیے تیار ہیں۔ عتبہ نے آپؐ سے کہا:-

- اگر آپؐ کو مال چاہیے تو ہم سب مل کر آپؐ کو اتنا مال دے دیتے ہیں کہ آپؐ مکہ کے سب سے امیر آدمی بن جائیں گے۔
- اگر آپؐ کو مکہ کی سرداری چاہیے تو وہ بھی مل سکتی ہے۔
- اگر آپؐ کسی بھی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ہم کرا دیتے ہیں۔
- اگر آپؐ پر جن بھوت کا سایہ ہے تو اس کے بہترین علاج کے لیے ساری رقم بھی ہم فراہم کر دیتے ہیں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا۔ میں نے آپ کی بات توجہ سے سنی ہے اب آپ میری بات سنیے! آپؐ نے خود سے کچھ نہ کہا بلکہ سورۂ حٰمٓ السجدہ کی چند آیات کی تلاوت کی۔ عتبہ جیسے جیسے قرآن مجید کی تلاوت سنتا گیا اس کے دل کی حالت بدلتی چلی گئی۔ بالآخر وہ کفار کی طرف

واپس گیا اور اس نے کہا کہ جو کلام محمد ﷺ نے سنایا ہے وہ نہ شعر ہے اور نہ ہی جادو۔ اس نے مشورہ دیا کہ آپؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دینا بہتر ہے۔

آپ ذرا سوچیں کہ کسی بھی انسان کو دنیا میں اور کیا چاہیے ؟ ہر انسان امیر ہونا چاہتا ہے، ہر انسان سرداری یعنی طاقت چاہتا ہے اور ہر شخص اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ گویا کسی انسان کو جو آخری دنیاوی لالچ دیا جا سکتا تھا، کفار نے ان سب کی آپؐ کو پیش کش کی اور وہ بھی ایک سردار سے کرائی تا کہ آپؐ کو ان کی سنجیدگی کا یقین ہو جائے۔ اگر آپؐ ان کی پیش کش قبول فرما لیتے تو کفار فوراً آپؐ کی ہر خواہش پوری کر دیتے لیکن آپؐ نے اتنی پر کشش پیش کش پر ایک لفظ کی بحث کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اور اس کو فوری طور پر ٹھکرا دیا۔ اتنی بڑی پیشکش صرف سچا نبیؐ ہی ٹھکرا سکتا ہے۔

حضور ﷺ کو شہید کرنے کی انفرادی کوششیں

ویسے تو کفار مکہ نے آپؐ کو طرح طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں پہنچائیں (جن کا مختصر تذکرہ ہو چکا ہے) مگر کچھ بد نصیبوں نے آپؐ کو باقاعدہ شہید کرنے کی کوشش کی (نعوذ باللہ)۔ اس ضمن میں دو واقعات تحریر کیے جا رہے ہیں۔

ایک دفعہ دشمن اسلام ابو لہب کے بیٹے عتیبہ نے آپؐ کو شدید ترین ایذا پہنچائی۔ اس نے آپؐ کا کُرتا مبارک پھاڑ دیا اور آپؐ کو شہید کرنے کی بھی پوری کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا ناپاک ارادہ خاک میں ملا دیا۔ اس پر آپؐ نے اس کے لیے بد دعا فرمائی کہ "اے اللہ ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے"۔ کچھ عرصے بعد عتیبہ شام کے سفر پر تھا تو سارے حفاظتی اقدامات کے باوجود ایک شیر نے اسے قتل کر دیا۔

ایک بار ابو جہل نے کفار سے کہا کہ جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں گے تو وہ

آپؐ کا سر ایک بھاری پتھر سے کچل دے گا۔ آپؐ جب نماز کے دوران سجدے میں گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا اور آپؐ کی جانب بڑھا مگر فوراً ہی واپس بھاگا۔ وہ انتہائی خوف کی حالت میں تھا۔ کفار کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ جب وہ پتھر لے کر آپؐ کی طرف بڑھا تو ایک نہایت خوفناک اونٹ اس کے آڑے آ گیا۔

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا تھے۔ وہ بہت بہادر تھے۔ 6 نبوی میں آپؐ کوہ صفا کے نزدیک تشریف فرما تھے تو ابو جہل نے پہلے آپؐ کو بکواس کیے اور پھر آپؐ کو ایک پتھر مارا جس سے آپؐ کے سر سے خون بہنے لگا۔ حضرت حمزہ شکار سے واپس آ رہے تھے تو ایک لونڈی نے ان سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ حضرت حمزہ سیدھا ابو جہل کے پاس گئے اور اس کے سر پر زور سے کمان ماری جس سے اس کے سر پر زخم ہو گیا۔ واپس آ کر آپؐ کو خوش ہو کر بتایا کہ آپؐ کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا البتہ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے تیسرے روز چشم فلک نے ایک عجب نظارہ دیکھا۔ عمر بن خطّاب کی طبیعت میں جلال اور 33 سالہ بھرپور جوانی۔ وہ اسلام دشمنی میں اس حد تک بڑھ چکے تھے کہ ننگی تلوار لے کر آپؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے (نعوذ باللہ)۔ اس وقت حضور ﷺ حضرت ارقمؓ کے گھر (جسے دار ارقم کہا جاتا ہے)

میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ گھر کوہ صفا کے قریب تھا۔ راستے میں حضرت عمر کی ملاقات حضرت نعیمؓ بن عبداللہ سے ہو گئی جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر سے پوچھا کہ وہ ننگی تلوار لے کر کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا کہ وہ محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی غرض سے جا رہے ہیں۔ حضرت نعیمؓ نے انہیں سمجھایا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں آپؐ کے قبیلے کی دشمنی مول لینا پڑے گی۔ مزید بر آں انہوں نے حضرت عمر کو یہ بھی بتایا کہ ان کی اپنی بہن حضرت فاطمہؓ اور ان کا خاوند حضرت سعیدؓ دونوں اسلام لا چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر آگ بگولا ہو گئے اور سیدھا بہن کے گھر پہنچے اور اپنی بہن اور بہنوئی پر بہت تشدد کیا۔ بہن کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا مگر وہ ثابت قدم رہیں اور کہنے لگیں۔ ''عمر! ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ تمہارے دل میں جو آئے کرو''۔ حضرت عمر کے کہنے پر سورۂ طٰہٰ کی کچھ آیات کی تلاوت کی گئی تو حضرت عمرؓ کا دل اسلام کی روشنی سے منور ہو گیا۔ آپؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی سے اچھے الفاظ میں معذرت کی۔ اس کے بعد آپؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز ادا کرتے تھے مگر اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمرؓ تلوار لے کر حرم پاک میں کھڑے ہو گئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے ہوئے للکارا۔ ''آج جس شخص کو اپنی بیوی کو بیوہ، اپنی اولاد کو یتیم اور اپنی والدہ کو بے اولاد کرنا ہو وہ میرے مقابلے میں آئے''۔ مگر کسی کافر کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یوں پہلی دفعہ مسلمانوں نے اعلانیہ نماز ادا کی۔ اس پر آپؐ نے انہیں ''فاروق'' کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا آپؐ کی دعا کا بھی نتیجہ تھا۔ حضرت عمرؓ مکّے کی حکومت میں وزیر خارجہ (سفارتکار) کی حیثیت سے کام کرتے تھے گویا حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا 10 رکنی کابینہ میں سے ایک اہم وزیر کا اسلام قبول کرنا تھا۔

بلاشبہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو زبردست قوت ملی۔ اس وقت تک تقریباً 40 لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کی دعوت پر ان کے قبیلے بنو عدی کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

شعبِ ابی طالب (قید خانہ)

7 نبوی میں کفارِ مکہ نے حضور ﷺ اور ان کے خاندان کے خلاف ایک نئی چال چلی۔ وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ وہ تب تک آپؐ اور آپؐ کے خاندان (یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب) سے نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ خرید و فروخت، نہ کاروبار، نہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں گے، نہ ان کے گھروں میں جائیں گے اور نہ ہی ان سے بات چیت کریں گے جب تک آپؐ کے خاندان والے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے آپؐ کو کفار کے حوالے نہ کر دیں۔ یہ ایک ظالمانہ معاہدہ تھا۔ کفار نے یہ معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت ابو طالب اپنے خاندان کے لوگوں کو لے کر مکّہ کے قریب ایک گھاٹی میں چلے گئے۔ بعد میں یہ گھاٹی اسی نسبت سے "شعب ابی طالب" کہلائی۔ درج بالا معاہدے کی وجہ سے شعبِ ابی طالب میں خوراک کی شدید قلت ہو گئی۔ بھوک کی وجہ سے کئی دفعہ عورتوں اور بچوں کی آوازیں گھاٹی سے باہر بھی سنائی دیتی تھیں۔ اس کھلے قید خانے میں قید مسلمانوں کو درختوں کے پتّے اور چمڑے بھی کھانا پڑے۔ مکّہ کے کچھ رحم دل لوگ چوری چھپے ان لوگوں کو غلّہ وغیرہ بھیج دیا کرتے تھے مگر وہ انتہائی ناکافی ہوتا تھا۔ اس کرب ناک اور تکلیف دہ حالت میں پورے تین سال گزر گئے تو قریش کے چند باضمیر لوگوں کو بہت ترس آیا اور انہوں نے ایک دوسرے سے بات کر کے ایک گروہ بنالیا۔ یہ سارا تحرک ہشام بن عمرو کے کہنے پر ہوا۔ اس گروہ نے باقی کفار سے کہا کہ یہ معاہدہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے اور وہ اسے

پھاڑنا چاہتے ہیں۔ ابو جہل نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اسی دوران حضرت ابو طالب نے کفار مکہ کو آپؐ کی بتائی ہوئی غیبی خبر سے آگاہ کیا کہ اس عہد نامے کو تو کیڑے کھا چکے ہیں۔ جب کفار نے عہد نامے کو دیکھا تو اسے واقعی کیڑے کھا چکے تھے سوائے ان جگہوں کے جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک کھلا معجزہ تھا مگر کفار نے اسے بھی جادو سے تعبیر کیا البتہ اس معاہدے کے خاتمے کے ساتھ ہی مصیبت و تکلیف کا یہ باب بھی ختم ہوا۔

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

10 نبوی آپؐ کے لیے غم کا سال تھا۔ اس سال آپؐ کے سگے چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ یہ وہ ہستی تھی جنہوں نے آپؐ کی آٹھ سال کی عمر سے لے کر جوانی تک پرورش کی اور ایک باپ سے بڑھ کر آپؐ کے ساتھ ساری زندگی شفقت فرمائی۔ جب آپؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اپنی وفات تک حضرت ابو طالب نے قریش کی ہر سازش کا مقابلہ کیا اور آپؐ کے لیے ایک مضبوط سہارا بنے رہے گویا انہوں نے ایک قلعہ بن کر آپؐ کی حفاظت کی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 85 سال تھی۔ حضرت ابو طالب حضور ﷺ سے 35 سال بڑے تھے۔

اس افسوسناک سانحے کے صرف تین دن بعد رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر 65 برس تھی۔ یہ وہ ہستی تھیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی اور اپنا سارا مال آپؐ پر قربان کر دیا تھا۔ انہوں نے ہر مشکل وقت میں آپؐ کو راحت و آرام پہنچایا۔ وہ محبت اور وفا کا پیکر تھیں۔ وہ ایک مالدار اور تاجر خاتون تھیں مگر انہوں نے اسلام کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا اور اپنی جان بھی جوکھوں میں ڈالی۔ کہاں ان کے ناز و نعم اور کہاں یہ حالت کہ شعبِ ابی طالب میں وہ خود اور ان کی بیٹیاں بھوک کی

شدت میں مبتلا رہتی تھیں غرضیکہ وہ آپؐ کے لیے بہت بڑا سہارا تھیں۔ تین دن کے اندر دونوں ہستیوں کا انتقال ہو جانا آپؐ کے لیے کسی بڑے صدمے سے کم نہ تھا۔ اسی لیے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال کہتے ہیں (عربی میں عام کا معنی ہے سال اور حزن کا معنی ہے غم)۔ اب قبیلہ بنو ہاشم کا سردار ابو لہب بن گیا جو آپؐ اور اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔

طائف کا سفر

طائف ① مکّہ سے تقریباً 96 کلومیٹر دور ایک شہر ہے۔ نبوت کے دسویں سال ماہ شوال (619ء) میں آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث کے ہمراہ اسلام کی تبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے۔ آپؐ مکّے سے پیدل ہی طائف تشریف لے گئے اور پیدل ہی واپس تشریف لائے۔ آپؐ نے طائف میں دس دن قیام کیا۔ آپؐ مکّہ اور طائف کے درمیان جس قبیلے کے پاس سے گزرتے اسے اسلام کی دعوت دیتے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ اس کے تین بڑے سردار تھے جو آپس میں بھائی تھے۔ ان کے نام عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ آپؐ نے ان تینوں بھائیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ دو نے تو انتہائی غلط جواب دیا جبکہ تیسرے بھائی نے قدرے احتیاط سے جواب دیا مگر اسلام کسی نے بھی قبول نہ کیا۔ آپؐ ان کے علاوہ بھی تمام سرداروں کے پاس گئے مگر سب نے بے رخی برتی اور کہا کہ آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں۔ بالآخر ان ظالموں نے اوباش نوجوانوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ آپؐ جہاں سے گزرتے یہ اوباش آپؐ کو گالیاں

① طائف ایک بلند اور پر فضا مقام ہے جو اپنے پھلوں کے لیے بھی مشہور ہے۔ یہاں کا انار دنیا کا بہترین انار مانا جاتا ہے۔

دیتے، تالیاں بجاتے اور شور مچاتے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی گئی جس سے آپؐ لہولہان ہو گئے حتیٰ کہ آپؐ کے دونوں جوتے خون سے بھر گئے۔ حضرت زیدؓ بن حارث نے آپؐ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جس سے ان کے سر میں بھی زخم آئے۔ بڑی مشکل سے آپؐ نے طائف سے تقریباً پانچ کلو میٹر دور ایک باغ میں انگوروں کی بیلوں میں پناہ لی۔

یہ باغ ایک کافر کی ملکیت تھا مگر اسے آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر ترس آ گیا اور اس نے اپنے ایک عیسائی غلام (جس کا نام عداس تھا) کے ہاتھ آپؐ کو انگور بھیجے۔ عداس نے آپؐ کو انگور پیش کیے۔ حضور ﷺ نے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

پڑھ کر انگور کھانا شروع کیے تو عداس نے کہا کہ یہ جملہ اس علاقے کے لوگ تو نہیں بولتے۔ آپؐ نے پوچھا۔ تمھارا علاقہ کون سا ہے اور تم کس دین کی پیروی کرتے ہو؟ وہ بولا کہ میں نینوا کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ گویا تم یونسؑ بن متی کی بستی کے ہو۔ اس نے کہا کہ آپ یونسؑ بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس نے آپؐ کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ یہ دیکھ کر باغ کا مالک پریشان ہو گیا اور عداس کو فوراً واپس بلایا کہ کہیں وہ اپنا دین ہی نہ تبدیل کر لے۔

سفر طائف میں آپؐ کے جسم کے ساتھ ساتھ آپؐ کی روح بھی چھلنی ہو چکی تھی۔ کسی شخص نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ درج بالا ظلم و ستم کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ اور پہاڑوں کے فرشتے کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کو کہا "اگر آپؐ چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہو گا"۔ اس پر نبی رحمتؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو

مسلمان ہو گی۔ غم، دکھ اور تکلیف کی شدت میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی پیشکش آ جائے تو صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں ہی ایسی قوم کی تباہی کی بجائے ان کی خیر خواہی کی دعا کر سکتے ہیں ورنہ عام انسانوں میں جتنا جذبہ انتقام ہے وہ ہم سب جانتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد آپؐ کا غم کافی حد تک دور ہو گیا۔

ترکی کے جن

طائف سے واپسی پر آپؐ کا قیام چند دن کے لیے وادی نخلہ میں رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پاس نصیبین (ترکی) سے جنّوں کی ایک جماعت بھیجی۔ ان جنّوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر ان کی آپؐ کے پاس بار بار حاضری ہوتی رہی۔ اس واقعے سے بھی آپؐ کے دل کو مزید سکون اور راحت نصیب ہوئی۔

آپؐ جب مکّہ کے قریب پہنچے تو حضرت زیدؓ بن حارث نے آپؐ سے عرض کی کہ آپؐ مکّہ میں کیسے داخل ہوں گے جبکہ وہاں کے لوگوں نے آپؐ کو نکال دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ ”اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا“۔ آپؐ مکہ کے قریب کوہ حرا (جس میں غار حرا ہے) کے دامن میں ٹھہر گئے اور مکّے کے دو آدمیوں سے پناہ مانگی مگر انہوں نے عذر پیش کیے۔ بالآخر مُطعِم بن عدی نے آپؐ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار باندھ کر آپؐ کو اپنے گھر پہنچایا۔ آپؐ نے ساری زندگی مطعم کے اس اچھے سلوک کو یاد رکھا۔

مکہ، طائف اور نصیبین (ترکی) کا نقشہ

- حضور ﷺ مکہ سے طائف تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر نصیبین (ترکی) سے جن حاضر ہوئے تھے۔
- غزوہ حنین کے بعد حضور ﷺ نے طائف کے قلعے کا محاصرہ فرمایا۔
- مشہور بت لات بھی طائف میں نصب تھا۔
- طائف کے اور بھی کئی حوالے اس کتاب میں موجود ہیں لہٰذا یہ نقشہ ان تمام کے لیے بھی ہے۔



چند اہم لوگوں کا قبول اسلام

جیسا کہ پچھلے صفحات میں درج ہو چکا ہے کہ سفر طائف میں آپؐ کو بے انتہا جسمانی اور ذہنی تکالیف سے گزرنا پڑا حتٰی کہ آپؐ کا اپنے آبائی شہر مکّہ میں واپسی پر داخلہ بہت مشکل سے ہوا۔ اس کے باوجود آپؐ کے پایہ استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی بلکہ آپؐ نے اپنے اصل کام یعنی اسلام کی دعوت کو مزید دل جمعی سے سر انجام دینا شروع کر دیا۔ یہاں پر ذرا رکیے! طائف جیسے واقعے کے بعد کوئی بھی عام انسان ہمت ہار دے گا بلکہ یہ تک سوچے گا کہ ایسی قوم تباہ ہوتی ہے تو ہو جائے، وہ اپنی جان کیوں عذاب میں ڈالے؟ مگر قربان جائیں آپؐ پر جنہوں نے طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ جذبے سے مختلف قبیلوں اور افراد کو اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ طائف سے واپسی کے بعد حج قریب تھا۔ اس موقع سے آپؐ نے پورا فائدہ اٹھایا اور تمام قبیلوں کے پاس خود جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان قبیلوں میں بنو عامر، مُحارِب، فَزارَہ، غسّان، مرہ، حنیفہ، سلیم، بنو نضر، عذرہ، کلب اور حضارمہ شامل تھے لیکن ان بد قسمت قبیلوں میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا تاہم آپؐ کی دعوت پر درج ذیل اہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا:۔

❖ سُوَید بن صَامت مدینہ کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی اپنے لوگوں میں اتنی عزت تھی کہ وہ انہیں "کامل" کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ کیونکہ خود اعلیٰ پائے کے شاعر تھے لہٰذا آپؐ نے ان کے سامنے جیسے ہی قرآن مجید کی تلاوت کی وہ قائل ہو گئے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ آپؓ مسلمان ہو گئے اور واپس مدینے چلے گئے۔

❖ اسی طرح سے مدینے کے ایک اور نوجوان حضرت ایاسؓ بن معاذ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور یہ ایک وفد کی صورت میں اپنے

مخالف قبیلے خزرج کے خلاف قریش مکّہ سے مدد مانگنے آئے تھے۔

❖ حضرت ابوذر غفاریؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ وہ مدینے کے قریب ہی رہائش پذیر تھے اور بت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ جیسے ہی ان کو سویدؓ بن صامت اور ایاسؓ بن معاذ کے ذریعے معلوم ہوا کہ مکہ میں آپؐ نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ مکہ میں جاکر تسلّی کریں کہ یہ نبی سچا ہے کہ نہیں؟۔ ان کے بھائی نے مکہ سے آکر جو رپورٹ پیش کی اس سے حضرت ابوذر غفاریؓ مطمئن نہ ہوئے اور کہا کہ انہیں حقیقت معلوم کرنے کے لیے خود ہی مکہ جانا پڑے گا۔ چنانچہ آپؓ خود مکہ پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ کی وساطت سے آپؐ کے پاس حاضری ہوئی اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے آپؓ سے فرمایا کہ وہ ابھی اپنے اسلام قبول کرنے کو خفیہ رکھیں اور اپنے قبیلے ''غفار'' کی طرف واپس چلے جائیں مگر حضرت ابوذر غفاریؓ کے سینے میں اسلام کی ایسی شمع روشن ہوئی جسے چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ وہ تو اس کا کھلم کھلا اعلان کریں گے۔ چنانچہ وہ مسجد حرام (خانہ کعبہ والی مسجد) میں تشریف لائے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ کفار ان پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی مشکل سے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے انہیں چھڑایا اور کفار سے کہا کہ تم جس راستے سے گزر کر تجارت کرتے ہو وہ راستہ قبیلہ غفار سے ہو کر ہی گزرتا ہے لہٰذا تمھاری تجارت تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو اَدھ مُوا کر کے چھوڑ دیا۔ مگر اگلے دن حضرت ابوذر غفاریؓ نے مسجد الحرام میں جاکر دوبارہ اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا گویا کافروں کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ اس پر کافروں نے آپؓ کو پھر مارنا پیٹنا

شروع کر دیا مگر گزشتہ روز کی طرح حضرت عباسؓ نے انہیں بچالیا۔

- آپؐ کی دعوت سے ایک اور بڑا نام طُفیلؓ بن عَمرو دَوسی بھی اسلام سے فیض یاب ہوا۔ یہ قبیلہ دَوس کا سردار تھا اور ایک اعلیٰ پائے کا شاعر بھی تھا۔ یہ قبیلہ یمن میں یا اس کے قُرب وجَوار میں آباد تھا۔ 11 نبوی میں طفیل مکہ آیا تو مکے کے کافروں نے اس کا زبردست استقبال کیا اور اسے کہا کہ مکہ میں آپؐ نے گھروں کے اندر تقسیم پیدا کر دی ہے لہٰذا وہ آپؐ کی کوئی بات نہ سنے اور نہ ہی آپؐ سے کلام کرے کیونکہ آپؐ کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ اس لیے طفیل اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر مسجد الحرام میں گیا مگر اسے پھر بھی آپؐ کی کچھ باتیں کان میں پڑ گئیں۔ اس نے سوچا کہ وہ خود ایک زبردست شاعر ہے لہٰذا وہ آپؐ کی باتیں بھی سنے گا اور آپؐ سے بات بھی کرے گا۔ اگر اچھی لگیں تو قبول کرے گا ورنہ رَد کر دے گا چنانچہ اس نے آپؐ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کے کلام کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ سے عرض کی کہ ان کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی خاص کرامت یا نشانی عطا فرمائے جسے دیکھ کر ان کی قوم فوراً مسلمان ہو جائے۔ آپؐ کی دعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت طفیلؓ کو یہ نشانی عطا فرمائی کہ وہ جب اپنی قوم کے پاس پہنچے تو ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی تھی۔ پھر ان کی دعا سے یہ روشنی ان کے عصا (ڈنڈے) میں منتقل ہو گئی۔ حضرت طفیلؓ کی دعوت پر ان کے والد اور بیوی فوری طور پر مسلمان ہو گئے۔ حضرت طفیلؓ کی اسلام کے لیے زبردست خدمات ہیں۔ آپؓ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

- ان اسلام قبول کرنے والوں میں شاید سب سے دلچسپ واقعہ ضِماد اَزدِیؓ کے اسلام

قبول کرنے کا ہے۔اس کا تعلق یمن سے تھا اور وہ آسیب اتارتا تھا(جسے آج کل کی زبان میں سایہ یا جن اتارنا کہتے ہیں)۔وہ جب مکہ میں آیا تو وہاں کے چند بد بختوں نے کہا کہ آپؐ پاگل ہیں (معاذ اللہ)۔لہٰذا ضماد کے اندر فوراً نیکی کا جذبہ جاگا اور اس نے آپؐ سے ملاقات کی تاکہ آپؐ کا علاج کر سکے یعنی آسیب وغیرہ اتار دے۔ اس نے آپؐ کو جب اپنی خدمات پیش کیں تو آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ’’یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں‘‘۔ ضماد نے یہی کلمات دوبارہ سننے کی گزارش کی۔ آپؐ نے یہی کلمات تین دفعہ دہرائے۔وہ بول اٹھا کہ میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں سے مل چکا ہوں لیکن ایسا کلام ہرگز ان کا نہیں ہوتا۔ وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ کمال دیکھیے کہ وہ آئے تھے آپؐ کو صحت یاب کرنے مگر آپؐ نے ان کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی۔

پہلے مدنی وفد کا قبول اسلام

یہاں مدینے کی ان چھ خوش قسمت ہستیوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن کی ملاقات 11 نبوی میں حج کے موقع پر حضور ﷺ سے ہوئی۔ یہ ملاقات منیٰ کی گھاٹی کے قریب ہوئی۔ ان سب لوگوں کا تعلق مدینے کے مشہور قبیلے خزرج سے تھا۔ انہوں نے مدینے کے یہودیوں سے نئے نبی کی آمد کا سن رکھا تھا۔ انہوں نے آپؐ کی بات سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ یہی وہ سچے نبی ہیں جن کی آمد کا ذکر یہودی کرتے ہیں۔اس لیے یہودیوں سے پہلے ہمیں مسلمان ہو جانا چاہیے نیز یہ نبی مدینے کے قبیلوں کے درمیان دشمنی کو بھی ختم کرا دیں گے لہٰذا انہوں نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ ان چھ ہستیوں کے نام یہ ہیں:۔

- حضرت اَسعدؓ بن زرارہ
- حضرت عوفؓ

- حضرت رَافعؓ
- حضرت قطبہؓ
- حضرت عقبہؓ
- حضرت حارثؓ

ان لوگوں نے مدینے واپس جاکر اسلام کی خوب اشاعت کی۔

معراج النبی ﷺ

یہ واقعہ مکی دور کے بالکل آخر میں پیش آیا۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک رات حضرت جبریلؑ آپؐ کو ایک سواری پر سوار کرا کر مسجد الحرام (مکہ میں خانہ کعبہ والی مسجد) سے مسجد اقصیٰ (فلسطین) لے گئے۔ اس سواری کا نام ''بُراق'' تھا۔ مسجد اقصیٰ میں تمام انبیائے کرامؑ (حضرت آدمؑ سے لے کر آپؐ تک جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے) موجود تھے۔ ان سب کی امامت آپؐ نے کرائی۔ اس کے بعد آپؐ کو آسمانوں تک لے جایا گیا۔ جہاں آپؐ کی ملاقات حضرت آدمؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی۔ آپؐ نے ان سب کو بوقتِ ملاقات سلام کیا اور انہوں نے آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا اور مرحبا مرحبا کہتے ہوئے مبارک پیش کی۔

ساتویں آسمان کے بعد آپؐ کو سِدرَۃُالمنتہیٰ لے جایا گیا۔ یہاں بیری کا ایک درخت ہے اور یہ حضرت جبریلؑ کی آخری منزل ہے یعنی اس سے آگے جانے کی انہیں

اجازت نہیں ہے لہٰذا حضرت جبریلؑ وہیں پر رک گئے۔ پھر آگے کی روحانی منازل آپؐ نے اکیلے طے فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب ہو گئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس موقع پر 50 نمازیں فرض کی گئیں۔ حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر آپؐ اللہ تعالیٰ کے پاس کئی بار تشریف لے گئے اور ہر بار نمازوں میں کمی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر پانچ نمازیں رہ گئیں۔ آپؐ نے جنت اور دوزخ بھی دیکھے۔ آپؐ نے درج ذیل گنہگاروں کو اس حال میں دیکھا:۔

سود خور

ان کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر اُدھر ہل نہیں سکتے تھے اور ان کے پیٹ سانپوں سے بھرے ہوئے تھے نیز کچھ لوگ ان کو روندتے ہوئے گزرتے جاتے تھے۔

یتیموں کا مال کھانے والے

ان کے ہونٹ اتنے موٹے تھے جیسے اونٹ کے ہونٹ ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے منہ میں انگارے ٹھونس رہے تھے جو ان کے پاخانے کے راستے سے نکل رہے تھے۔

زنا کار (زانی)

وہ لوگ تازہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا بدبودار چھچھڑا کھا رہے تھے۔ زانیہ عورتوں کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھو کر انہیں آسمان اور زمین کے درمیان لٹکا دیا گیا تھا۔

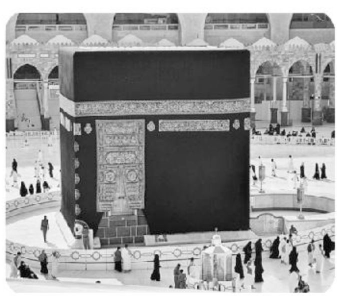
بدزبان

ان کی زبانیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں۔

معراج النبی ﷺ

- مکہ (سعودی عرب)
- بیت المقدس (فلسطین)





خانہ کعبہ (مکہ مکرمہ)



بیت المقدس (فلسطین)

طعنہ دینے والے

یہ لوگ اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔

بے نمازی

ان کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے۔

اسی طرح دیگر گناہوں میں مبتلا لوگوں کو دی جانے والی سزائیں بھی آپؐ کو دکھائی گئیں۔ آپؐ نے جہنم کے داروغہ کو بھی دیکھا جو نہ تو ہنستا تھا اور نہ ہی اس کے چہرے پر خوشی کے کوئی آثار تھے۔

معراج سے آپؐ اسی رات واپس تشریف لائے۔ اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانی[1] کے منع کرنے کے باوجود آپؐ نے کفار کو یہ واقعہ سنایا۔ اس پر کفار نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور باقی مسلمانوں کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی ورغلانے کی کوشش کی کہ یہ سب کچھ عقل کے خلاف ہے، اس لیے یہ جھوٹ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ واقعہ خود آپؐ نے بیان فرمایا ہے تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی موقع پر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ بالآخر ایک مجمعے کے سامنے آپؐ سے سوال کیا گیا کہ بیت المقدس کیسا ہے؟ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپؐ کے سامنے ظاہر کر دیا اور آپؐ نے بیت المقدس کی تمام نشانیاں ٹھیک ٹھیک بیان فرمادیں تو کافر حیران رہ گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ کبھی بیت المقدس نہیں گئے۔ مسجد الحرام (مکہ مکرمہ) سے بیت المقدس (فلسطین) کا فاصلہ 1238 کلومیٹر ہے۔

---

① آپؓ کا اصل نام فاختہ تھا۔ آپؓ حضرت ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی بہن تھیں۔ آپؓ حضور ﷺ کی چچازاد بہن تھیں۔ اسلام کے لیے آپؓ کی بے پناہ خدمات ہیں۔

صدیوں سے یہ بحث چلی آ رہی ہے کہ معراج کا واقعہ ایک خواب تھا یا حقیقت میں آپؐ کے ساتھ یہ سارا واقعہ پیش آیا۔ یہ بحث تو سرے سے بنتی ہی نہیں ہے۔ اگر یہ خواب تھا تو پھر کافروں کو کس چیز پر اعتراض تھا؟ خواب میں ایک غریب آدمی بادشاہ بن جاتا ہے، خواب میں انسان اڑتا ہے، خواب میں ہم مرے ہوئے لوگوں کو زندہ دیکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ خواب میں کچھ بھی نظر آ سکتا ہے۔ دراصل آپؐ نے دعوٰی ہی یہ فرمایا تھا کہ آپؐ اپنے جسم کے ساتھ بقائمی ہوش و حواس معراج پر تشریف لے گئے اور اسی دعوے کو کفار نے ماننے سے انکار کیا اور پھر بیت المقدس کے بارے میں مجمع عام میں سوال و جواب ہوئے۔ اس ضمن میں دو نکات بہت اہم ہیں:۔

1۔ آج کی سائنسی ترقی کے دور میں آپ پاکستان سے دنیا کے کسی بھی کونے میں ٹیلیفون کال، SMS حتیٰ کہ ویڈیو کال بھی کر سکتے ہیں نیز تیز ترین جہاز اور راکٹ وغیرہ ایجاد کر لیے گئے ہیں۔ انسان نے چاند پر قدم رکھ لیا ہے لہٰذا آپؐ کے بارے میں اس بات پر بحث کرنا گویا آپؐ کے اصل مقام و مرتبے کو کم کرنے کے مترادف ہے جو قطعاً درست نہیں۔

2۔ اس سے بھی زیادہ وزنی اور قطعی دلیل یہ ہے کہ معراج شریف کا واقعہ سورۂ بنی اسرائیل کے بالکل آغاز میں درج ہے اور پندرھواں پارہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ پہلی آیت کا ترجمہ ہے۔ ''پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے اس مسجد اقصٰی تک لے گیا جس کے گرد و پیش میں ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔''۔ اب اس آیت کے ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے۔ ''پاک ہے وہ ذات جو لے گیا'' یعنی آپؐ خود معراج پر نہیں گئے بلکہ اللہ تعالٰی انہیں لے گیا۔ لہٰذا اس بات سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذرا سا بھی انکار

گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت اور صفات سے انکار کے مترادف ہے۔

بتا رہی ہیں ضیائیں یہاں سے گزرے ہیں
حضورؐ کیا روشِ کہکشاں سے گزرے ہیں
ہوئے ہیں آج وہ عنوانِ داستانِ جمال
وگرنہ یوں تو ہر اِک داستاں سے گزرے ہیں
ہر ایک بزم میں کہتے ہیں فخر سے جبریلؑ
حضورؐ خاص مِرے آشیاں سے گزرے ہیں
ہے مختصر یہی افسانہ شبِ معراج
جہاں سے کوئی نہ گزرا وہاں سے گزرے ہیں

پہلی بیعت عَقَبہ (دوسرے مدنی وفد کا قبول اسلام)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینے کی چھ خوش قسمت ہستیاں 11 نبوی میں آپؐ کے ہاتھ پر منٰی کی گھاٹی کے قریب اسلام قبول کر چکی تھیں اور انہوں نے مدینے جا کر اسلام کی خوب تبلیغ کی۔ اس تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال یعنی 12 نبوی میں حج کے موقع پر مدینے کے بارہ لوگوں نے آپؐ سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات مکّہ میں منٰی کے قریب عَقَبہ [1] کے مقام پر ہوئی۔ ان بارہ آدمیوں میں پانچ تو وہی تھے جنہوں نے 11 نبوی میں اسلام قبول

① عَقَبہ "تنگ پہاڑی گزر گاہ" کو کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے دور میں یہ تنگ پہاڑی گزر گاہ منٰی کے جنوبی کونے پر موجود تھی۔ آج کل وہاں سڑکیں بنا دی گئی ہیں۔

کیا تھا اور سات اس دفعہ نئے لوگ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔ حضرت معاذؓ، حضرت ذَکوانؓ، حضرت عُبَادَہؓ، حضرت یزیدؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابو الہیثمؓ اور حضرت عویمؓ۔ ان سات میں سے پہلے پانچ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور آخری دو کا تعلق قبیلہ اَوس سے تھا۔ آپؐ نے ان لوگوں کو مسلمان کیا اور ان سے بیعت لی جس کی خاص خاص شرائط یہ تھیں:۔

1۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔
2۔ وہ چوری نہیں کریں گے۔
3۔ وہ زنا نہیں کریں گے۔
4۔ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
5۔ وہ جھوٹے بہتان نہیں گھڑیں گے۔
6۔ وہ آپؐ کی اطاعت کریں گے۔

اگر ان شرائط میں کوئی خلاف ورزی پائی گئی تو اس کی سزا دی جائے گی۔

واپسی پر آپؐ نے ان لوگوں کو اسلام سکھانے اور مدینے کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے حضرت مُصعَبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مدینے جا کر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اسعدؓ بن زُرَارہ کے ساتھ مل کر اسلام کی خوب تبلیغ کی اور بڑی حکمت اور عقلمندی سے انفرادی طور پر لوگوں کو مسلمان کرنے کے علاوہ بنی عبد الاشہل کے پورے قبیلے کو مسلمان کر دیا۔

دوسری بیعت عَقَبہ (تیسرے مدنی وفد کا قبول اسلام)

پہلی بیعت عقبہ کے اگلے سال یعنی 13 نبوی میں حج کے موقع پر 75 لوگوں (73 مرد اور 2 عورتیں) نے آپؐ سے رات کی تاریکی میں عَقَبہ کے مقام پر ملاقات کی۔ انہوں

نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت بھی دی۔ اس ملاقات کی تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں۔ اس ملاقات میں آپؐ کے سگے چچا حضرت عبّاس بھی شامل تھے جو کہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اس وفد کو اچھی طرح سمجھایا کہ آپؐ کا ساتھ دینے سے انہیں بڑے خطرات لاحق ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ انہیں عرب کے باقی قبیلوں سے دشمنی بھی مول لینا پڑ سکتی ہے لہٰذا وہ بیعت کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں۔ حضرت عباس نے مزید فرمایا کہ آپؐ انتہائی شریف النفس ہستی ہیں اور ان کے قبیلے والوں نے ہر حال میں ان کا ساتھ دیا ہے اور ان کی حفاظت کی ہے۔ یہ ساری باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت عباس کو اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ سے بہت محبت تھی نیز ان کا اسلام کی طرف واضح جھکاؤ بھی نظر آتا ہے۔ حضرت عباس کے اس خطاب کے بعد حضرت عباسؓ بن عبادہ نے بھی اس وفد کو مزید تنبیہ کی کہ جب آپ لوگ حضور ﷺ کو اپنے ہاں لے جائیں گے تو آپ کو سارے جہاں سے لڑنا پڑے گا، آپ کی زراعت اور کاروبار تباہ ہو جائیں گے اور آپ کے بیٹے جنگ میں قتل ہونگے۔ اگر اس وقت آپ نے حضور ﷺ کی بیعت توڑنی ہے تو بہتر ہے کہ ابھی بیعت ہی نہ کریں۔ اس پر تمام وفد نے کہا کہ وہ ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیں گے خواہ ان پر بڑی سے بڑی مصیبت ہی کیوں نہ آن پڑے۔ اس موقع پر وفد نے آپؐ سے سوال کیا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں اور ثابت قدم رہیں تو بدلے میں انہیں کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں بدلے میں جنت ملے گی۔ کتنے خوش قسمت لوگ تھے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے خود جنت کی ضمانت دی۔ اس موقع پر اس مدنی وفد نے آپؐ سے ایک وعدہ بھی لے لیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو فتح عطا فرمائیں گے تو پھر آپؐ مستقل طور پر مدینے میں ہی رہیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ ”میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں“۔ بیعت ان شرائط پر ہوئی۔

1۔ ہر حال میں رسول ﷺ کی اطاعت کروگے۔

2۔ ہر حال میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کروگے حتٰی کہ تنگی کی حالت میں بھی۔

3۔ بھلائی کا حکم دوگے اور برائی سے روکوگے۔

4۔ اللہ کے راستے میں جہاد کروگے اور اس سلسلے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کروگے۔

5۔ آپؐ کی حفاظت ایسے کروگے جیسے اپنے بال بچوں کی کرتے ہو۔

یہ بیعت ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہوئی یعنی ہر شخص نے باری باری آپؐ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی البتہ دو عورتیں (حضرت اُمّ عمارہؓ اور حضرت اُمِّ منیع اسماءؓ) کی بیعت زبانی ہوئی کیونکہ آپؐ نے ساری زندگی کسی اجنبی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا۔ (اب ذرا غور فرمایئے کہ آج کل کے جعلی پیر کس کس ڈھونگ سے عورتوں کو ہاتھ لگاتے ہیں)۔ بیعت کے بعد آپؐ نے اس وفد میں سے بارہ سربراہ مقرر فرمائے تاکہ وہ اس بیعت کو اپنے اپنے قبیلوں میں نافذ کرسکیں اور مدینہ جاکر اسلام کی تبلیغ بھی کریں۔ ہر سربراہ کا نام ''نقیب'' تھا۔ ان بارہ نقیبوں میں سے 9 کا تعلق قبیلہ خزرَج سے تھا جبکہ تین کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ آپؐ نے ان بارہ نقیبوں سے مزید بھی عہد لیا۔ جیسے ہی بیعت کی کارروائی مکمل ہوئی تو شیطان نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ جھوٹا اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی کافروں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہیں۔ انصار نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ وہ کفار مکہ کا خاتمہ کر دیں مگر آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی اجازت نہیں ہے لہٰذا وہ خاموشی سے اپنی جگہوں پر چلے جائیں۔ کفار مکہ نے اس وفد کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کی مگر بے کار۔ صرف حضرت سعدؓ بن عبادہ کفار کے ہاتھ لگ گئے۔ آپؓ پر کفار نے بہت تشدد کیا اور مارا پیٹا۔ بالآخر مطعم بن عدی اور حارث بن حرب نے انہیں چھڑایا کیونکہ ان دونوں کے تجارتی قافلے جب مدینے سے گزرتے تھے تو ان کو یہی سعدؓ بن عبادہ پناہ دیتے تھے۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانی بھی کہتے ہیں۔ ثانی کا معنی ہے ''دوسرا''۔

صحابہ کرامؓ کی ہجرت مدینہ

سورۂ العنکبوت کی آیت نمبر 56 میں ہجرت کی طرف واضح حکم موجود تھا۔ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہماری زمین وسیع ہے''۔ لہٰذا دوسری بیعت عقبہ کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ ادھر مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں کی ہجرت میں نہ صرف طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں بلکہ عملی طور پر اور کھل کر مخالفت بھی کی۔ اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

1۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والے حضرت ابو سلمہؓ تھے۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو ان کے سسرال والوں نے ان کی بیوی اُمّ سَلمہؓ کو روک لیا۔ اس پر ابو سلمہؓ اور ان کی بیوی کے قبیلے لڑائی کی غرض سے آمنے سامنے آ گئے۔ حضرت ابو سلمہؓ کے بچے کو دونوں قبیلوں نے بازوؤں سے پکڑ کر اپنی اپنی طرف اس زور سے کھینچا کہ بچے کا ہاتھ ہی اکھڑ گیا۔ بالآخر بچے کو اس کے ددھیال والے لے گئے۔ آپ اس خاندان کی حالت زار پر غور کریں۔ حضرت اُمّ سلمہؓ (بیوی) کو اپنے خاندان والوں نے زبردستی مکہ میں روک رکھا ہے جبکہ ابو سلمہؓ (خاوند) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ہجرت کر کے مدینے جا چکے ہیں اور ان دونوں کا چھوٹا بچہ اپنے ددھیال والوں نے زبردستی مکہ میں رکھا ہوا ہے۔ یہ خاندان اسی حالت میں ایک سال تک رہا۔ بالآخر حضرت اُمِّ سلمہؓ کے قبیلے والوں کو رحم آ گیا اور انہوں نے بچے سمیت انکو اکیلے مدینہ روانہ کر دیا اور یہ بہت تکلیفیں اٹھا کر بچے کے ہمراہ مدینہ پہنچیں۔

2۔ حضرت صہیب رومیؓ① نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کفار مکہ نے انہیں زبردستی روک لیا اور کہا کہ جب آپؓ مکہ میں آئے تھے تو نہایت غریب تھے جبکہ اب آپؓ کافی امیر ہیں۔ یہ سارا مال آپؓ نے مکہ میں رہ کر کمایا ہے لہٰذا آپؓ اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ کفار مکہ کیونکہ دنیادار تھے لہٰذا ان کا خیال تھا کہ کوئی بھی عقلمند شخص اپنی ساری دولت کیسے چھوڑ سکتا تھا مگر حضرت صہیبؓ نے آپؐ کے عشق میں سارا مال کفار کو دے دیا اور خالی ہاتھ مدینہ پہنچ گئے۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "صہیبؓ نے نفع اٹھایا"۔ اور پھر دوسری بار بھی آقا کریم ﷺ نے یہی الفاظ دہرائے۔

3۔ حضرت ہشامؓ نے جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کفار مکہ نے انہیں قید کر لیا۔

4۔ حضرت عیاشؓ نے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ہجرت کی مگر ابو جہل نے حضرت عیاشؓ سے اس کی والدہ کے بارے میں جھوٹ بولا اور بہلا پھسلا کر مکہ لے گیا کہ والدہ سے مل کر واپس آجائیں (ابو جہل اور حضرت عیاشؓ کی ماں ایک ہی تھی)۔ راستے میں دھوکے سے ابو جہل اور اس کے ساتھ آئے اس کے بھائی حارث نے حضرت عیاشؓ کو قید کر لیا اور مکہ لے گئے۔ آپؐ کے حکم پر حضرت ولیدؓ بن ولید مدینے سے مکہ گئے اور حضرت ہشامؓ اور حضرت عیاشؓ کو کافروں کی قید سے چھڑا کر لے آئے۔

---

① ان کا خاندان عراق کے ایک علاقے کا حاکم تھا۔ رومیوں نے وہ علاقہ فتح کیا تو انہیں قیدی بنا کر روم لے گئے اور وہ غلام بنا لیے گئے۔ بحیثیت غلام عبد اللہ بن جدعان نے آپؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ آپؓ نے سب سے آخر میں ہجرت فرمائی۔ یاد رہے کہ عبد اللہ بن جدعان نہایت با اثر آدمی تھا اور معاہدہ حلف الفضول انہی کے گھر پر ہی ہوا تھا۔

ان سب رکاوٹوں کے باوجود صحابہ کرامؓ مدینے کی طرف ہجرت فرماتے رہے۔ دوسری بیعت عقبہ کے تقریباً دو ماہ بعد تمام صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ جاچکے تھے۔ مکے میں صرف حضور ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت علیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ رہ گئے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے مسلمان مکہ میں ضرور تھے جنہیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ اسی دوران جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ میں گئے تھے ان میں سے بھی کافی مسلمان مدینہ پہنچ گئے۔

حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ

کفار نے دارالندوہ① میں 26 صفر 14 نبوی (12 ستمبر 622ء) بروز جمعرات ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس کو منعقد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب تمام مسلمان مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے چلے گئے تو کفار مکہ کو احساس ہوا کہ انکی زیادہ تر تجارت تو ملک شام سے ہوتی ہے اور وہ تجارتی راستہ مدینہ کے قریب ہے اور اگر وہاں مسلمانوں نے اپنی حکومت بنالی یا طاقت حاصل کر لی تو کفار مکہ کی شام سے ہونے والی تجارت سخت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صرف مکہ والوں کی جو تجارت شام سے ہوتی تھی اس کی سالانہ مالیت اڑھائی لاکھ دینار کے برابر تھی (اس زمانے میں ایک دینار 4.25 گرام سونے کے برابر تھا۔ سونے سے مراد 22 قیراط کا سونا ہے۔ اس حساب سے ڈھائی لاکھ دینار 26 من اور ساڑھے 22 کلو سونے کے برابر بنتے ہیں۔ آج کل اس کی مالیت 2000 کروڑ روپے سے زیادہ بنتی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا کہ اس

① دارالندوہ مکہ میں ایک عمارت تھی جو آج کل کا ضلع کونسل یا میونسپل کارپوریشن کا دفتر تھا یا اسے قانون ساز اسمبلی کہہ لیجیے۔ اس عمارت میں مکہ کی شہری حکومت کے اجلاس ہوتے تھے۔

زمانے کا ایک درہم خالص چاندی کے 2.97 گرام کے برابر تھا)۔

یہ بات تو واضح تھی کہ مسلمانوں میں جب تک آپؐ موجود ہیں ان کی طاقت دن بہ دن بڑھتی ہی جائے گی۔ اس پر کفار نے درج بالا اجلاس بلایا۔ اجلاس میں مختلف قبیلوں کے سر کردہ لوگ مثلاً ابو جہل، امیہ بن خلف اور ابو البختری وغیرہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ شیطان نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔ وہ یوں کہ شیطان نے ایک عربی مذہبی رہنما یعنی نجدی شیخ (نجد، سعودی عرب کا ایک علاقہ ہے) کا روپ دھارا اور اجلاس میں شریک ہو گیا۔ اجلاس کا ایک ہی ایجنڈا تھا اور وہ یہ کہ کس طرح آپؐ سے چھٹکارا حاصل کیا جائے؟ ایک کافر ابو الاسود نے تجویز پیش کی کہ آپؐ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ اس پر شیطان نے کہا یہ تجویز ٹھیک نہیں ہے کیونکہ محمد ﷺ کی زبان میں اتنی مٹھاس ہے کہ وہ جہاں جائیں گے، وہاں کے لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے اور پھر وہ طاقت جمع کر کے تمہیں فتح کر لیں گے۔ اس پر دوسری تجویز ابو البختری نے دی کہ حضور ﷺ کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر لیا جائے۔ شیطان نے یہ تجویز بھی یہ کہہ کر رد کر دی کہ آپؐ کے ساتھی انہیں ہر صورت میں چھڑا کر لے جائیں گے۔ پھر اس کے بعد جب ان کی تعداد بڑھ جائے گی تو یہ تمہیں فتح کر لیں گے لہٰذا کوئی اور تجویز دیں۔ اس پر ابو جہل نے اپنی انتہائی کمینگی دکھائی اور تجویز دی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور تمام نوجوان اکٹھے ہو کر تلواروں سے آپؐ کو قتل کر دیں (نعوذ باللہ)۔ اس طرح آپؐ کے قبیلے والے تمام قاتل قبیلوں سے نہیں لڑ سکیں گے اور بالآخر دیت (وہ رقم جو قتل کے بدلے میں مقتول کے وارثوں کو دی جاتی ہے) کی رقم لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ شیطان نے ابو جہل کی اس تجویز پر اس کو خوب شاباش دی اور یہ تجویز کفار مکہ نے مشترکہ طور پر منظور کر لی۔ اس تجویز پر فوری عمل درآمد کے لیے کفار مکہ نے جن گیارہ لوگوں کا انتخاب کیا ان کے لیے طے ہوا کہ وہ آپؐ پر بیک وقت حملہ کریں گے

اور آپؐ کو شہید کر دیں گے (نعوذ باللہ)۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

1۔ ابو جہل (یہ آپؐ کا پڑوسی تھا)

2۔ حکم بن عاص (یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا)

3۔ عُقبہ بن اَبی مُعیط (یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا)

4۔ نضر بن حارث (یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا)

5۔ اُمیہ بن خلف (یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا)

6۔ زَمعَہ بن الاسود

7۔ طُعَیمہ بن عدی

8۔ ابو لہب (یہ آپؐ کا سگا چچا تھا اور پڑوسی بھی تھا)

9۔ اُبیّ بن خلف (یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا)

10۔ نُبَیہ

11۔ مُنَبّہ۔ یہ بھی آپؐ کا پڑوسی تھا۔ نُبَیہ اور مُنَبّہ دو سگے بھائی تھے۔ ان کے باپ کا نام حجاج تھا۔

رات کو یہ گیارہ بدبخت انسان ہاتھوں میں تلواریں لیے آپؐ کے دروازے پر بیٹھ گئے کہ جیسے ہی آپؐ سو جائیں گے تو یہ سب آپؐ پر حملہ کر دیں گے۔ آپؐ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا دیا اور خود سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کرتے ہوئے نہ صرف اپنے گھر سے نکلے بلکہ گھات لگانے والے ہر کافر کے سر میں چھوٹے پتھروں والی مٹی بھی ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں کو پکڑ لیا اور وہ آپؐ کو جاتے ہوئے دیکھ ہی نہ سکے۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ یٰسٓ کی آیت نمبر 9 میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ”ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ہم نے انہیں ڈھانک دیا ہے۔ پس

انہیں کچھ نہیں سوجھتا"۔ حضور ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے گھر گئے۔ انہیں اپنے ساتھ لیا اور مدینہ کی بجائے اس کے الٹی طرف چلے گئے اور مکہ سے تقریباً 5 کلو میٹر دور ایک پہاڑ (جس کا نام ثور تھا) کی بہت اونچی غار میں جا کر ٹھہر گئے۔ اس غار کو اس نسبت سے غار ثور کہتے ہیں۔ جو لوگ حج یا عمرہ کرنے جاتے ہیں وہ اس پہاڑ کی زیارت کرتے ہیں جس میں یہ غار واقع ہے۔ کچھ باہمت لوگ غار ثور کی بھی زیارت کرتے ہیں لیکن وہاں تک پہنچنا اچھا خاصا دشوار اور مشکل کام ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس کل جمع پونجی 5000 درہم تھی۔ آپؓ نے وہ تمام رقم اپنے ساتھ رکھ لی تھی (تاکہ ہجرت کے سفر میں کام آسکے) اور اپنے گھر والوں کے لیے کوئی رقم نہ چھوڑی۔

جب ایک شخص نے کفار کو بتایا کہ آپؐ تو وہاں سے جا چکے ہیں تو یہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن حضرت علیؓ کو بستر پر سوتا دیکھ کر غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ وہاں آپؐ ہی سو رہے ہیں۔ صبح جب حضرت علیؓ اُٹھے تو یہ کافر ہکا بکا رہ گئے۔ انہوں نے حضرت علیؓ پر بہت سختی کی اور پوچھا کہ آپؐ کدھر ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا! مجھے نہیں معلوم۔ پھر ابو جہل حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر گیا اور ان کی بیٹی حضرت اسماءؓ سے پوچھا کہ آپ کے والد کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں معلوم نہیں کہ اس وقت ان کے والد کہاں ہیں۔ اس پر ابو جہل نے حضرت اسماءؓ کے منہ پر تھپڑ مارا۔

ثور کے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے آپؐ کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ آپؐ کو اٹھا کر غار ثور تک لے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہلے اندر جا کر غار کو خود صاف کیا اور غار کے سوراخوں کو اپنا تہبند (دھوتی) پھاڑ کر بند کر دیا لیکن دو سوراخ بچ گئے۔ آپؐ غار کے اندر تشریف لائے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے (قربان جائیں حضرت ابو بکرؓ کی قسمت پر)۔ ان دو بچے ہوئے سوراخوں پر

حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پاؤں رکھے ہوئے تھے۔ کسی زہریلی چیز نے حضرت ابو بکرؓ کو ڈس لیا۔ درد ناقابل برداشت تھا مگر آپؐ سے محبت اتنی تھی کہ نہ اپنی جگہ سے ہلے اور نہ ہی سی کی آواز نکالی۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ کہیں آپؐ جاگ نہ جائیں۔ بالآخر درد کی شدت سے حضرت ابو بکرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ آپؐ کے چہرے پر ٹپک پڑے۔ اس سے آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ سارا ماجرا جان کر آپؐ نے اپنا لعابِ دَہن (منہ کا تھوک) حضرت ابو بکرؓ کے ڈسنے والی جگہ پر لگایا جس سے ان کی تکلیف اسی وقت ختم ہو گئی۔

کفار کا 100-اونٹوں کے انعام کا اعلان

کفار مکہ کو اپنی ناکامی پر سخت مایوسی اور افسوس ہوا لہٰذا انہوں نے اعلان کیا کہ جو بھی حضرت محمد ﷺ یا حضرت ابو بکرؓ کو زندہ گرفتار کرے یا (نعوذ باللہ) شہید کر دے تو اسے انعام میں 100-اونٹ دیے جائیں گے۔ (سعودی عرب میں آج کل ایک اونٹ کی کم از کم قیمت تقریباً پانچ لاکھ روپے ہے۔ اس حساب سے 100-اونٹوں کی قیمت اندازاً پانچ کروڑ روپے بنتی ہے)۔ اتنی بڑی انعامی رقم کا سن کر بہت سے لوگ اس کوشش میں لگ گئے۔ بالآخر ایک گروہ غار ثور کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو پریشانی لاحق ہوئی کہ کہیں یہ بد بخت کافر آپؐ کو دیکھ کر کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دیں۔ اس پر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو حوصلہ دیا اور فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ ترجمہ: ''غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ یہ الفاظ قرآن مجید کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر 40 میں درج ہیں۔

آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ تین دن تک اس غار میں ٹھہرے رہے۔ ان تین دنوں میں حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے حضرت عبد اللہؓ رات کو غار ثور میں آجاتے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے مکہ واپس پہنچ جاتے اور پھر رات کو آ کر آپؐ اور اپنے والد کو کفار کی سرگرمیوں سے

آگاہ کرتے۔ ان تین دنوں میں کھانے پینے کا بندوبست یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے غلام حضرت عامرؓ بن فُھَیرَہ (جو کہ بکریاں چراتے تھے) بکریاں لے کر اسی پہاڑ پر آجاتے اور ان بکریوں کا دودھ آپؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ پی لیتے نیز جن راستوں سے حضرت عبد اللہؓ (حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے) مکہ سے غار ثور آتے جاتے تھے اس راستے پر بھی حضرت عامرؓ ان بکریوں کو گزار دیتے جس سے حضرت عبد للہؓ کے قدموں کے نشان مٹ جاتے۔ تین دنوں کے بعد عبد اللہ بن اریقط (جو صحرا کے راستوں کا خوب علم رکھتا تھا) حضرت ابو بکرؓ کی دو اونٹنیاں لے کر غار کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ بھی راستے کا سامان (زادراہ) لے کر وہاں پہنچ گئیں۔ اس سفر میں آپؐ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابو بکرؓ کے غلام حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور راستے کی راہنمائی کرنے والا عبد اللہ بن اریقط شامل تھے۔ ہجرت کے اس سفر میں وہ راستہ اختیار کیا گیا جو عام لوگ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ راستے میں کئی معجزے رونما ہوئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

1۔ اُمِّ مَعبد کی بکری والا معجزہ

حضور ﷺ اور آپؐ کے مختصر قافلے کا گزر ایک نہایت بوڑھی اور نیک عورت اُمِّ مَعبد کے خیمے سے ہوا۔ آپؐ نے اس کی ایک مَریَل سی بکری (جو دودھ دینے کے بالکل قابل نہیں تھی) کے تَھن پر اللہ کا نام لے کر اور دعا کر کے ہاتھ پھیرا تو اس نے اتنا دودھ دیا کہ حضور ﷺ اور آپؐ کے تین ساتھیوں نے خوب جی بھر کے پیا۔ اُمِّ معبد نے بھی خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر آپؐ نے اسی بکری کے دودھ سے ایک بڑا سا برتن بھر دیا اور وہ اُمّ معبد کو دے کر روانہ ہو گئے۔ ام معبد کے شوہر جب واپس آئے تو انہوں نے سارا ماجرا ان کو سنایا۔ وہ پہچان گئے کہ وہ ہستی آپؐ ہی تھے۔ اس موقع پر ام معبد نے آپؐ کا جو حلیہ مبارک بیان فرمایا وہ تاریخ سیرت کا ایک سنہرا باب ہے۔

2۔ سُرَاقَہ کا تعاقب

سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں سراقہ بن مالک بھی گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؐ تک پہنچ گیا۔ اس نے آپؐ پر حملہ کرنا چاہا تو اس کا گھوڑا گر گیا۔ اس نے جب دوبارہ حملے کا ارادہ کیا تو اس کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ جہاں سراقہ کی آپؐ سے ملاقات ہوئی وہ جگہ پتھریلی تھی اور وہاں گھوڑے کے دھنس جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ دراصل یہ آپؐ کا معجزہ تھا کہ اس کا گھوڑا دھنس گیا لہٰذا وہ قائل ہو گیا کہ آپؐ کے ساتھ غیبی مدد ہے اور وہ آپؐ کا کچھ بھی برا نہیں کر سکتا۔ اس نے آپؐ سے عرض کی کہ وہ اسے ایک امان نامہ (امن کا پروانہ) عطا فرمائیں۔ آپؐ نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر سراقہ کے حوالے کر دیا۔ اس موقع پر سراقہ نے آپؐ کو سفر کے لیے کھانا اور سازوسامان کی بھی پیش کش کی مگر آپؐ نے کچھ بھی لینا پسند نہیں فرمایا۔ سراقہ نے آپؐ کو کفار مکہ کے مذموم ارادوں اور سو اونٹوں کے انعام کے بارے میں بھی بتایا۔ آپؐ نے سراقہ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے بارے میں رازداری رکھے۔ اس موقع پر آپؐ نے سراقہ کو ایک خوشخبری سنائی کہ "سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا"۔ کسریٰ ایران کے بادشاہ کا لقب تھا اور اس زمانے میں بادشاہ سونے کے بھاری بھرکم کنگن پہنتے تھے۔ آپؐ کی یہ پیشین گوئی حضرت عمرؓ کے دور میں پوری ہوئی۔ وہ یوں کہ حضرت سُراقہؓ ایران کے خلاف مدائن کی جنگ میں شریک تھے۔ مدائن کی فتح کے بعد کسریٰ کے کنگن حضرت سراقہؓ کو پہنائے گئے۔

3۔ بُریدَہ کا تعاقب

اسی طرح بُرَیدَہ اَسلَمی بھی انعام کے لالچ میں نکلے۔ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔

جب ان کی ملاقات آپؐ سے ہوئی اور بات چیت ہوئی تو انہوں نے اپنے ستّر ساتھیوں سمیت وہیں کلمہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد حضرت بریدہؓ ہجرت کے قافلے کے علم بردار کی حیثیت سے ساتھ چل پڑے۔

4۔ غیبی مدد

راستے میں غیبی مدد اس طرح بھی آئی کہ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زُبیرؓ بن عوام شام(Syria)سے تجارت کر کے واپس آ رہے تھے کہ ان کی ملاقات حضور ﷺ اور ان کے قافلے سے ہوگئی۔ حضرت زبیرؓ نے آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ کو سفید کپڑے پیش کیے جو ان حالات میں ایک طرح سے ضرورت اور راحت کا سامان تھا۔ ہجرت کا یہ سفر ایک ہفتے میں مکمل ہوا۔ ①

حضور ﷺ کا قُبا میں شاندار استقبال

حضور ﷺ اور آپؐ کا قافلہ 8 ربیع الاول 14 نبوی (23 ستمبر 622ء) کو مدینے کی ایک بستی قبا میں پہنچ گئے۔ مدینے والے آپؐ کی ہجرت کی خبر سے واقف تھے لہٰذا وہ روزانہ بے تابی سے آپؐ کا انتظار کرتے تھے۔ بالآخر ایک یہودی (جو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑا تھا) نے حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ لیا اور اس نے اونچی آواز میں سب کو آپؐ کی آمد کی

① آج کل کار پر مکہ سے مدینہ جانے کے لیے تقریباً پانچ گھنٹے لگتے ہیں جبکہ ریل گاڑی پر صرف سوا دو گھنٹے لگتے ہیں۔ اس طرح ٹرین پر آپ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جا کر اور عمرہ کر کے اسی دن مدینہ منورہ واپس آسکتے ہیں یا مکہ مکرمہ سے جا کر مدینہ منورہ حاضری دے کر اسی دن مکہ مکرمہ میں واپس آسکتے ہیں۔

اطلاع دی۔ اہل قبا نے آپؐ کا اس شاندار طریقے سے استقبال کیا جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ تین دن کے بعد حضرت علیؓ بھی مکہ کے لوگوں کی امانتیں لوٹا کر قبا میں پہنچ گئے۔ قبا میں آپؐ نے چند دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ یہ اسلام کی پہلی مسجد ہے۔

اسلام کا پہلا جمعہ

آپؐ قبا سے مدینہ جاتے ہوئے جب بنو سالم کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا لہٰذا آپؐ نے یہیں پر جمعہ پڑھایا جس میں 100- آدمی شریک تھے۔ یہ اسلام کا پہلا جمعہ تھا۔ اس مقام پر ایک شاندار مسجد موجود ہے جس کا نام مسجد جمعہ ہے۔

حضور ﷺ کی مدینہ آمد

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ آپؐ نے قبا میں چند دن قیام فرمایا۔ وہاں سے مدینہ آتے ہوئے راستے میں جمعہ پڑھایا اور پھر مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے[1]۔ انصار (مدینے کے رہائشی) کی چھوٹی بچیاں آپؐ کو عربی میں خوبصورت نعتیہ شعروں کی صورت میں خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔ جو درج ذیل ہیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

---

① قبا سے مسجد نبویؐ تک پیدل تقریباً ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ آج کل قبا سے مسجد نبویؐ تک بہت خوب صورت پیدل چلنے کا راستہ بنا دیا گیا ہے۔ اس راستے پر رکشے بھی چلتے ہیں۔ اگر آپ اس طرف رہائش رکھیں تو کافی سستی پڑے گی اور آپ رکشے پر چند منٹ میں مسجد نبویؐ میں پہنچ جائیں گے۔

''چاند نکل آیا ہے۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔ بھیجنے والا ہے تیرا کبریا۔ آپؐ کے حکم کی اطاعت فرض ہے''۔

انصار اگرچہ زیادہ امیر نہیں تھے تاہم ہر انصاری کی دلی تمنا یہی تھی کہ آپؐ اس کے گھر پر قیام فرمائیں۔ آپؐ کی اونٹنی چلتے چلتے آپؐ کے ننھیال (بنو نجار) کے محلے میں جا کر بیٹھ گئی اور آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ (ان کا اصل نام خالدؓ تھا) کے گھر میں سات ماہ تک قیام فرمایا اور آپؐ کی اونٹنی حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے پاس رہی۔ چند دن کے بعد آپؐ کی بیوی حضرت سَودَہؓ، آپؐ کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُمِّ کُلثُومؓ بھی مدینہ پہنچ گئیں۔

حضور ﷺ کی آمد سے مدینے میں برکتیں

مدینے کا پرانا نام یثرب تھا۔ قرآن پاک میں بھی یہی نام (یثرب) آیا ہے۔ عربی زبان میں یثرب کے معنی ''خراب'' اور ''اجڑا ہوا'' کے ہیں۔ یثرب کی آب و ہوا بھی خراب تھی اور یہاں کا بخار بھی بڑا مشہور تھا۔ آپؐ نے یثرب (مدینے) کا نام بدل کر المدینہ رکھ دیا۔ مدینہ کا معنی ہے ''شہر''۔ یہ شہر المدینۃ النبی (نبیؐ کا شہر) کے نام سے مشہور ہو گیا۔

آپؐ نے مدینے میں غلے کی فراوانی کی بھی دعا فرمائی۔ آپؐ نے یہ بھی دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مدینے کی فضا کو صحت بخش بنا دے اور وہاں سے بخار کا خاتمہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تمام دعائیں قبول فرمائیں۔ اس کے علاوہ مدینے کے مشہور قبیلے (اوس اور خزرج) مدتوں سے آپس میں لڑائیاں لڑتے چلے آ رہے تھے۔ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ان دونوں قبیلوں میں مشہور جنگ بعاث ہوئی تھی جس میں دونوں قبیلوں کا قتل عام ہوا تھا۔ آپؐ کی آمد سے یہ قبیلے آپس میں بھائی بھائی بن گئے مگر اس سے یہودیوں کو سخت صدمہ پہنچا

کیونکہ ان کا فائدہ اسی میں تھا کہ یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑتے رہیں۔ آپؐ نے انصار (جو کہ مدینے کے رہائشی تھے)، مہاجرین (جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے) اور مدینے کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کروایا جسے "میثاق مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے کا نچوڑ یہ تھا کہ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے پر قائم رہتے ہوئے بھی آپس میں صلح اور امن سے رہا جا سکتا ہے۔ (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی)۔ آپؐ نے مہاجرین مکہ اور مدینے کے مسلمانوں (انصار) کو آپس میں عملی طور پر بھائی بنا دیا۔ اسے مواخات کہتے ہیں۔ (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی)۔

مکہ کی نسبت مدینہ میں تجارت کے امکانات زیادہ تھے۔ وہ اس وجہ سے کہ مدینے کی زمین زرخیز تھی اور وہاں کھجوروں کے باغات بھی تھے جبکہ مکہ کی سرزمین پتھریلی تھی نیز مدینہ سے ملک شام کے ساتھ تجارت کرنا مکہ کی نسبت زیادہ آسان تھا لہٰذا مدینے میں آکر مسلمان کافی خوشحال ہو گئے۔

مکہ میں جو سورتیں یا آیات نازل ہوئیں وہ ایمان لانے کے متعلق یا انفرادی احکامات کے متعلق تھیں۔ اب جبکہ مدینے میں آپؐ کی سربراہی میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی تو اجتماعی احکامات نازل ہوئے مثلاً نماز جمعہ کا آغاز، اذان کا طریقہ، شراب کو حرام قرار دیا جانا اور سود کی ممانعت وغیرہ۔ ہجرت مدینہ سے پہلے دو ہی سپر پاور تھیں۔ ایک ایران اور دوسری روم۔ ایران کی حکومت کو ساسانی حکومت بھی کہتے تھے جبکہ رومی سلطنت کو بازنطینی حکومت بھی کہتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینے میں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تو دن بہ دن اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ فتح مکہ کے بعد اس میں مزید تیزی آگئی۔ پھر خلفائے راشدین کے دور میں وسیع علاقے فتح ہوئے اور اسلامی سلطنت کا حصہ بنتے چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ بنو اُمیہ کے حاکم ولید کے دور میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور بالآخر روم کی بازنطینی سلطنت بھی مسلمانوں کے

آگے نہ ٹھہر سکی اور اسلامی سلطنت بیک وقت تین براعظموں (یعنی براعظم ایشیاء، براعظم افریقہ اور براعظم یورپ) پر مشتمل تھی۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

مدینے میں حضور ﷺ نے جس جگہ مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ وہ زمین دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ ان بچوں کے نام سہل اور سہیل تھے۔ یہ یتیم بچے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی کفالت میں تھے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے مسجد کے لیے یہ جگہ مفت دینے کی درخواست کی مگر آپؐ نے اصرار کر کے اس زمین کی قیمت ادا کی۔ مسجد والی زمین کی قیمت دس دینار تھی (اس وقت ایک دینار 4.25 گرام سونے کے برابر تھا) جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپؐ کی طرف سے ادا کی۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر میں آپؐ نے خود حصہ لیا اور اینٹ، پتھر وغیرہ ڈھوئے۔ اس مسجد کی دیواریں کچی تھیں اور فرش بھی کچا تھا۔ کھجور کی شاخوں کی چھت ڈالی گئی تھی۔ مسجد کی لمبائی 99 فٹ، چوڑائی 90 فٹ اور چھت کی بلندی ساڑھے دس فٹ تھی۔ مسجد نبویؐ والی جگہ پر کھجور اور غرقد (کانٹوں والا جھاڑی دار درخت) کے کچھ درخت تھے۔ آپؐ نے ان درختوں کو کٹوا کر قبلے کی طرف لگوا دیا۔

اس مسجد میں نماز کے علاوہ حکومتی کاروبار بھی چلایا جاتا تھا۔ یہ مسجد سیکریٹریٹ، پارلیمنٹ، سپریم کورٹ، جی ایچ کیو، صدر ہاؤس اور وزیر اعظم ہاؤس کے علاوہ یونیورسٹی کا کام بھی دے رہی تھی۔ وہ یوں کہ اس مسجد کے ساتھ اینٹوں اور گارے سے ایک تھڑا (چبوترا) بنا دیا گیا تھا اور جن صحابہ کرامؓ کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں تھے وہ رات کو اس تھڑے پر سو جاتے تھے۔ اس تھڑے کو صُفَّہ کہا جاتا ہے۔ اس تھڑے پر سورج کی گرمی اور بارش سے بچنے کے لیے ایک چھت بھی ڈال دی گئی تھی۔ بے گھر صحابہ کرامؓ کے علاوہ صُفہ میں وہ

لوگ بھی قیام کرتے تھے جو کُل وقتی (Full time) دینی تعلیم حاصل کرتے تھے گویا صفہ اسلام کی پہلی با قاعدہ یونیورسٹی تھی۔ اوپر کی سطور میں بھی لکھا گیا ہے کہ مسجد نبویؐ سیکریٹریٹ، پارلیمنٹ، جی ایچ کیو، سپریم کورٹ وغیرہ کا کام دیتی تھی۔ دراصل مدینے میں جو اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ آپؐ تھے، اس میں آج کل کے لحاظ سے درج ذیل عہدے آپؐ کے پاس تھے:۔

1۔ صدر

2۔ وزیراعظم

3۔ آرمی چیف

4۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپؐ نے مسجد نبویؐ کے بالکل قریب اپنے رہائشی مکانات بھی تعمیر کروائے جن کی دیواریں اور فرش کچے تھے اور چھتوں پر کھجور کی ٹہنیاں ڈالی گئی تھیں۔ ان کو حجرے کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ یہ مکمل ہونے کے بعد آپؐ حضرت ایوب انصاریؓ کے مکان سے یہیں منتقل ہو گئے تھے اور آپؐ کی بیویاں (اُمّہات المومنینؓ یعنی امت کی مائیں) اور دیگر اہل خانہ بھی انہی حجروں میں رہنے لگے۔

ہمارے لیے سبق

1۔ مسجد نبویؐ کی زمین حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے مفت دینے کی پیشکش کی لیکن آپؐ نے قیمت ادا کر کے خریدی۔ اگر حضرت اسعدؓبن زرارہ کی درخواست قبول کر لی جاتی تو وہ یقیناً اپنی جیب سے ان یتیم بچوں کو قیمت ادا کرتے لیکن آپؐ نے ہمیشہ

کے لیے ایک اصول طے کر دیا کہ یتیموں کے مال کے بارے میں سخت احتیاط کرنا لازمی ہے۔ یتیموں کے حقوق اور ان کے مال کی حفاظت کے لیے قرآن پاک میں واضح احکام موجود ہیں۔

2۔ آپؐ کا مسجد نبویؐ کی تعمیر میں خود حصہ لینا بھی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ ہے۔ آپؐ نہ صرف اللہ کے رسولؐ تھے بلکہ مدینے کی اسلامی ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ ایسا کون سربراہ مملکت ہو گا جو دوسروں کے ہوتے ہوئے خود محنت والے کام میں حصہ لے؟ یہاں آپؐ نے یہ بھی پیغام دیا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں یا سرداروں کی طرح نہیں ہیں بلکہ ان کا معاملہ بالکل الگ ہے نیز اس عمل سے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں آپؐ کی عقیدت اور محبت میں مزید اضافہ ہوا۔ گویا آپؐ نے ٹیم ورک کا عملی نمونہ پیش کیا۔

3۔ مسجد نبویؐ کی دیواریں اور فرش کچا تھا اور چھت پر کھجور کی ٹہنیاں وغیرہ تھیں۔ یہی حال آپؐ کے اپنے رہائشی مکانات کا تھا۔ کوئی دنیاوی شان و شوکت سرے سے نہ تھی۔ یہاں یہ بتایا گیا کہ آپؐ کی نظر میں دنیاوی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اصل اہمیت اس سچے پیغام (اسلام) کی تھی جس کے لیے آپؐ اور صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔

4۔ مسجد نبویؐ میں صرف نماز ہی نہیں ادا کی جاتی تھی بلکہ یہاں تمام سرکاری امور بھی نمٹائے جاتے تھے گویا مسجد نبویؐ ہر خاص و عام کی لیے ایک اہم مقام تھا۔ آج کل نماز کے بعد ہماری مساجد کو تالے لگ جاتے ہیں اور زیادہ تر مساجد صرف نماز کے لیے ہی مختص ہیں۔ مسجد نبویؐ کے استعمال سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں بھی اپنی مساجد کو کمیونٹی سنٹر، لائبریری، فیصلہ سازی، نکاح، تعلیم و تربیت، فری ڈسپنسری،

فری ٹیوشن سنٹر اور دیگر اسلامی اور رفاہی کاموں کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

5۔ اصحاب صُفہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ کل وقتی (Full-time) تعلیم حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے مدرسے اور رہائشی ہاسٹل ہونے چاہییں اور یہ سارے اخراجات حکومت یا معاشرہ برداشت کرے تاکہ طلبہ اور طالبات (Students) پوری لگن سے دین کا علم حاصل کر سکیں۔

6۔ آپؐ نے مسجد نبویؐ والی جگہ سے درختوں کو کٹوا کر ضائع نہیں کیا بلکہ انہیں مسجد کے قریب دوبارہ سے لگوا دیا۔ اس سے آپؐ کی شجرکاری (Tree Plantation) اور ماحولیات (Environment) سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ماحول اور شجرکاری وغیرہ کے تصورات اس وقت (چودہ سو سال پہلے) تک لوگوں نے سنے بھی نہیں تھے۔

مواخات

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مہاجرین مکہ اور مہاجرین حبشہ کی ایک بڑی تعداد مدینہ میں بے سروسامانی کے عالم میں پہنچی تھی۔ مدینے کے مسلمان بھی زیادہ خوشحال نہ تھے۔ لہٰذا ان مہاجرین کو مدینہ (جو ایک گاؤں تھا) میں آباد کرنا ایک بہت مشکل کام تھا۔ آپؐ نے اس مسئلے کا ایک خوبصورت حل نکالا اور وہ یوں کہ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا عملی طور پر بھائی بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرائے گئے (وراثت کا یہ قانون غزوہ بدر تک قائم رہا۔ غزوہ بدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وراثت کے حقدار صرف خونی رشتے دار ہی ہونگے)۔ انصار نے قربانی کی انتہا کر دی۔ انہوں نے اپنا آدھا مال، آدھا کاروبار غرضیکہ ہر چیز کا نصف اپنے مواخاتی بھائی کی ملکیت میں ہمیشہ کے لیے

دے دیا۔ یہاں تک کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اور اگر اس کے مواخاتی مہاجر بھائی کی بیوی نہیں تھی تو انصاری نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دی اور مہاجر بھائی نے عدت گزرنے کے بعد اس سے شادی کر لی۔ اس کی ایک عملی مثال یہ ہے کہ حضرت سعدؓ بن ربیع ایک امیر انصاری مسلمان تھے۔ آپؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (مہاجر) کو ان کا بھائی بنا دیا۔ حضرت سعدؓ نے اپنا آدھا مال حضرت عبدالرحمٰنؓ کو پیش کیا نیز یہ بھی پیشکش کی کہ آپؓ میری دونوں بیویوں میں سے جس کو پسند کریں میں اسے طلاق دے دوں گا اور آپ اس سے شادی کر لیں۔

مواخات کی چند اہم باتیں جن سے آج بھی انسان سبق سیکھ سکتا ہے درج ذیل ہیں:۔

1۔ آج کل آئے روز جنگیں ہوتی رہتی ہیں اور لوگوں کو ایک سے دوسرے شہر یا ایک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرنا پڑتی ہے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے حکومتوں کے وسائل کم پڑ جاتے ہیں۔ پھر اقوام متحدہ وغیرہ سے امداد کی اپیلیں کی جاتی ہیں لیکن میرے آقا کریمؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس مسئلے کا ایک زبردست، قابل عمل اور پائیدار حل دیا جو آج بھی پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

2۔ مواخات سے انصار اور مہاجرین کے درمیان دل کے رشتے مزید گہرے ہو گئے اور کسی بھی قوم کے افراد کی آپس کی محبت اس ملک کی خوشحالی اور سالمیت کی ضمانت ہوتی ہے۔

3۔ امیر صحابہ کرامؓ کو یہ پیغام دیا گیا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ان کی ذاتی کمائی یا ذاتی محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہے لہٰذا ان کے مال میں اسلام کا سب سے زیادہ حق ہے اور یوں مال کی محبت پر کاری ضرب لگائی گئی۔

4۔ جب صحابہ کرامؓ کی جوڑیاں بنائی جارہی تھیں تو آپؐ نے ایک طرح کے لوگوں پر مشتمل جوڑی بنانے کی کوشش کی مثلاً حضرت ابو حذیفہؓ مکہ کے رئیس کے بیٹے تھے لہٰذا حضرت عبادؓ بن بشر (انصاری) کو ان کا بھائی بنایا گیا جو خود اشہل قبیلے کے سردار تھے۔ حضرت سعیدؓ بن زید کا علم کی طرف بہت ذوق تھا، ان کو حضرت ابیؓ بن کعب (انصاری) کا بھائی بنایا گیا جو خود بڑے عالم تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت خارجہؓ بن زید مواخاتی بھائی بنے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عتبانؓ بن مالک مواخاتی بھائی تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مواخاتی بھائی کا نام حضرت اوسؓ بن ثابت تھا۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ ہر صحابیؓ کی خواہش تھی کہ وہ بذریعہ مواخات آپؐ کے بھائی بنیں۔ ظاہر ہے آپؐ جس کے بھی بھائی بنتے اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی مگر باقی صحابہ کرامؓ کو اس پر رشک آتا کہ یہ شرف ان کے حصہ میں کیوں نہ آسکا لہٰذا آپؐ نے اپنا مواخاتی بھائی اپنے سگے کزن حضرت علیؓ کو بنایا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ وہ دونوں باری باری ایک ایک دن معاش کی تلاش میں جائیں گے مگر حضرت علیؓ نے عرض کی کہ آپؐ پر پہلے ہی رسالت اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی بھاری ذمہ داریاں ہیں لہٰذا آپؐ ان ذمہ داریوں کو ادا فرمائیں اور میں روٹی روزی کا بندوبست کروں گا۔ حضرت علیؓ کو یہ مزدوری ملی کہ مدینے میں ایک مکان تعمیر ہو رہا تھا اور اس کے لیے حضرت علیؓ کافی دور سے ڈول میں پانی بھر کر لاتے تھے۔ مزدوری یہ تھی کہ ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور ملتی۔ حضرت علیؓ ایک دن میں سولہ ڈول پانی لے آتے اور انہیں سولہ کھجوریں مل جاتیں جن میں سے آدھی کھجوریں وہ خود استعمال کرتے اور آدھی آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے۔ یوں ان دونوں ہستیوں نے ایک عرصے تک روزانہ آٹھ آٹھ کھجوروں پر گزارہ کیا۔

حضور ﷺ اور حضرت علیؓ کے مواخاتی بھائی بننے کے واقعے سے ہم بہت کچھ سیکھ

سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر:۔

★ آپؐ جس بھی انصاری کے بھائی بنتے اس سے باقی صحابہ کرامؓ کو رشک آتا۔ لہٰذا آپؐ نے ایک انتہائی حکمت بھرا فیصلہ کیا کہ حضرت علیؓ کو اپنا مواخاتی بھائی بنایا جو کہ آپؐ کے ویسے بھی چچازاد بھائی تھے اور یوں کسی کی دل آزاری نہیں ہونے دی۔

★ اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے خود فرمایا کہ وہ باری باری کمائی کی غرض سے نکلیں گے۔ یہ حضور ﷺ کی عظمت کی ایک اور دلیل ہے ورنہ کوئی شخص چھوٹا سا بھی عہدہ رکھتا ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ خود کوئی کام نہ کرے اور اس کے پیروکار اس کی خدمت کریں۔

★ حضور ﷺ اور حضرت علیؓ کا ایک عرصے تک آٹھ آٹھ کھجوروں پر گزارہ کرنا اس بات کا سبق دیتا ہے کہ جب مقصد اعلیٰ ہو تو اس کے حصول کے لیے دنیاوی تکلیفیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

5۔ مہاجر صحابہ کرامؓ نے بھی ایسا ہرگز نہیں کیا کہ چلیں موج ہو گئی ہے۔ آدھی جائیدادیں اور بیویاں تک مفت میں مل گئی ہیں لہٰذا وہ مزے کریں بلکہ انہوں نے انتہائی خودداری کا ثبوت دیا اور صرف مجبوری کی حد تک یہ سب قبول کیا مثلاً حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو جب ان کے انصاری بھائی حضرت سعدؓ نے اپنی آدھی جائیداد کی پیش کش کی تو انہوں نے معذرت کر لی اور خود چھوٹا سا کاروبار شروع کر لیا۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے بھی کپڑے کا کاروبار شروع کر لیا اور حضرت عمرؓ بھی تجارت کرتے تھے۔

6۔ انصاری مسلمانوں نے ہر چیز میں آدھا آدھا ایسے نہیں کیا کہ خود تو اچھے والا حصّہ رکھ لیں اور اپنے مہاجر بھائی کو کمتر والا آدھا دیں بلکہ انہوں نے اپنے مہاجر بھائی کو بہترین آدھے (The Best Half) کی پیش کش کی۔ حضرت سعدؓ کے

الفاظ پر غور فرمایئے۔ وہ اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے یوں مخاطب ہوئے۔ "میری دو بیویاں ہیں آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتادیں۔ میں اسے طلاق دے دوں گا اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کرلیں" یعنی انہوں نے دونوں بیویوں میں سے پسند کا اختیار مہاجر بھائی کو دیا جو کہ اس وقت بالکل بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ تاریخ ایسی قربانی کی مثال دینے سے قاصر ہے۔

میثاقِ مدینہ

حضور ﷺ نے مہاجرین و انصار (جو مسلمان تھے)،بنو اوس اور بنو خزرج کے قبیلوں کے غیر مسلموں اور مدینے کے یہودیوں کے درمیان ایک قانونی معاہدہ (میثاق) کروایا۔ یہ میثاق یا معاہدہ مدینے میں ہوا۔ اس لیے اسے میثاق مدینہ کہتے ہیں۔ اس میثاق کی اہم شرائط درج ذیل تھیں:۔

1۔ یہودیوں کے جو قبیلے اس معاہدے میں شامل ہیں۔ ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہونگے۔ ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی اور فرد یا قبیلے کی مدد کی جائے گی۔

2۔ اگر کسی اور قبیلے کا اس معاہدے میں شریک کسی یہودی قبیلے سے کوئی معاہدہ ہو گا تو اس قبیلے کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہودی قبیلے کے ہوں گے۔

3۔ مدینہ کا درجہ حرم کا ہو گا یعنی مدینہ سب کے لیے انتہائی مقدس ہو گا۔

4۔ ہر قبیلہ اپنے علاقے میں امن وامان قائم رکھے گا۔

5۔ مہاجرین اور انصار میں خون بہا اور قیدیوں کا فدیہ دے کر رہائی کا قانون وہی رہے

گا جو پہلے سے ہے۔

6۔ ظلم کے خلاف مشترکہ جدوجہد کی جائے گی۔ ظالم کے خلاف سب مل کر لڑیں گے خواہ وہ ظالم ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

7۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کرے گا اور ثبوت ہو گا تو سب مل کر قاتل سے قصاص لیں گے (قصاص کا مطلب ہے قتل کے بدلے قتل اور عضو کے بدلے عضو یعنی جان کے بدلے جان، ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان) البتہ اگر مقتول کے قانونی وارث قصاص کی بجائے خون بہا کی رقم (جسے دیت کہتے ہیں) لینے پر راضی ہوں تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت لی جائے گی۔

8۔ فتنہ انگیزی کرنے والے کو کوئی پناہ نہیں دے گا۔

9۔ انفرادی ذمہ داری کا اصول نافذ ہو گا یعنی کسی شخص یا قبیلے کو اس کے حلیف (دوست شخص یا دوست قبیلہ) کی بد عملی کی سزا نہیں دی جائے گی۔

10۔ اس معاہدے کے بارے میں اگر کوئی مزید تشریح درکار ہو یا کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس میں آخری اور حتمی فیصلہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کا ہو گا۔ اس معاہدے کو مشہور مسلمان عالم ڈاکٹر حمید اللہ نے دنیا کا پہلا تحریری دستور (First Written Constitution of the World) کہا ہے۔ اس معاہدے سے آپؐ نے اپنی رسالت کی عالمگیریت بھی مزید واضح کر دی کہ وہ تمام جہانوں کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں سے بھی امن کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ ان سب فریقین نے آپؐ کو آخری فیصلے کا اختیار دے کر آپؐ کو مدینے کی ریاست کا قانونی طور پر سربراہ تسلیم کر لیا۔ یہ معاہدہ سیاسی، معاشی، سماجی اور قانونی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کے شاندار فضائل پر طویل بحث ہو سکتی ہے۔

الغرض یہ معاہدہ ہر صورت میں مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ آپؐ نے چند دیگر قبیلوں کے ساتھ بھی ایسے ہی معاہدے کیے۔ خصوصاً ان قبیلوں کے ساتھ جو اس تجارتی راستے پر رہائش پذیر تھے جہاں سے گزر کر کفار مکہ شام، عراق اور مصر کی طرف تجارت کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ ان قبیلوں میں بنو دمرہ، حضرت ابو ذر غفاریؓ کا قبیلہ (غفار)، بنو مرینہ اور بنو جُہَینہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

کفار مکہ کی جنگی تیاریاں

مکہ سے حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ کفار مکہ نے ان کے گھروں اور مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور یہ قافلہ ایمان کی دولت لے کر وہاں سے تقریباً 450 کلو میٹر دور مدینے میں آ کر رہائش پذیر ہوا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کفار مکہ کی دشمنی کم نہ ہوئی بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو مکمل تباہ و برباد کرنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے انہوں نے مدینے کے انتہائی با اثر شخص عبد اللہ بن اُبَیّ سے رابطہ کیا۔ یہ شخص کھلم کھلا اسلام کے خلاف تھا۔ کفار مکہ نے اسے ایک خط کے ذریعے دھمکی یا الٹی میٹم دیا اور لکھا۔ ”آپ لوگوں نے ہمارے لوگوں (حضرت محمد ﷺ اور ان کے ساتھی مہاجرین صحابہ کرامؓ) کو پناہ دی ہوئی ہے۔ اس لیے یا تو آپ ان سے خود لڑائی کریں یا انہیں مدینے سے نکال دیں ورنہ ہم تم پر اس زور سے حملہ کریں گے کہ تمھارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کی عزت خاک میں ملا دیں گے“۔

عبد اللہ بن اُبَیّ کی پہلے سے ہی آپؐ سے بہت زیادہ دشمنی تھی۔ اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کی مدینہ میں آمد سے پہلے وہاں کے بڑے قبیلوں نے عبد اللہ بن اُبی کو اپنا سربراہ بنانے

پر اتفاق کر لیا تھا اور سنار نے تاج بنانے کی غرض سے اس کے سر کا ناپ بھی لے لیا تھا۔ اسی دوران آپؐ مدینے میں تشریف لے آئے اور سب نے آپؐ کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیا۔ یہ خار اور دشمنی ساری زندگی عبد اللہ بن ابی کے دل سے نہ گئی اور اس نے جب اسلام بھی قبول کیا تو اوپر اوپر سے یعنی یہ منافق ہی رہا حتٰی کہ اسے "رئیس المنافقین" یعنی منافقوں کے سربراہ کا لقب دیا گیا۔ خیر بات ہو رہی تھی کفار کے دھمکی آمیز خط کی تو عبد اللہ بن اُبی نے اپنے ساتھی کفار کو جمع کیا تاکہ مسلمانوں پر حملہ کیا جا سکے۔ اس کی خبر آپؐ کو بھی ہو گئی۔ آپؐ کفار کے اس مجمع میں چلے گئے اور فرمایا کہ تم لوگ اگر مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو تمہیں اپنے ہی بھائیوں اور بیٹوں سے لڑنا پڑے گا اور یہ بہت بڑا نقصان ہو گا۔ دوسری صورت میں اگر تمہیں کفار مکہ سے لڑنا پڑ گیا تو وہ ہر لحاظ سے اس سے کم نقصان ہو گا۔ آپؐ کی باتوں کا مجمع پر زبردست اثر ہوا اور وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

کفار مکہ نے یہاں پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ مدینے کے مسلمانوں کو براہ راست دھمکی دی کہ وہ عنقریب مدینے پہنچ کر انہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ آپؐ اور مسلمانوں کو معلوم تھا کہ کفار مکہ صرف زبانی دھمکیاں نہیں دے رہے بلکہ وہ ضرور اس پر عمل بھی کریں گے۔ اس کی کئی ٹھوس وجوہات بھی تھیں۔ مثال کے طور پر:۔

1۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کا ہجرت کر کے خیریت سے مدینہ پہنچ جانا۔

2۔ مدینے آ کر آپؐ کا زبردست استقبال ہونا اور پھر آپؐ کا سربراہ مملکت بن جانا۔

3۔ آپؐ کا مدینے کے یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ معاہدے کرنا۔

4۔ مواخات کے ذریعے اجڑے ہوئے مہاجرین کو زبردست طریقے سے آباد کر لینا

5۔ کفار مکہ کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں کے قبضے میں آ جانا وغیرہ۔

لہٰذا خطرہ اتنا زیادہ تھا کہ آپؐ یا تو ساری رات جاگ کر گزارتے تھے یا صحابہ کرامؓ

آپؐ کا پہرہ دیتے تھے۔ایک رات آپؐ نے دعا فرمائی کہ کوئی ان کا پہرہ دینے آجائے تو حضرت سعدؓبن ابی وقاص اس مقصد کے لیے حاضر ہو گئے۔اس کے علاوہ مدینے کے مسلمان مسلسل اور ہر وقت ہتھیار تیار رکھتے تھے بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ المائدہ کی آیت نمبر 67 میں آپؐ کی خود براہ راست حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ "اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا"۔اللہ تعالیٰ کی اس واضح گارنٹی کے بعد آپؐ نے پہرہ داروں کو واپس بھجوا دیا۔اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی کفار مکہ سے جنگ کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت سورۂ حج کی آیت نمبر 39 میں ان الفاظ میں دی گئی۔"(جن مومنوں کے خلاف کافروں کی طرف سے جنگ کی جارہی ہے اب) انہیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔اس واسطے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد آپؐ نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے مختلف جگہوں پر بھیجے جن کے مختلف مقاصد تھے۔زیادہ تر کا مقصد فوجی گشت کرنا تھا۔اس سے کفار مکہ کو واضح پیغام دینا بھی تھا کہ مسلمان نہ صرف اب طاقت میں ہیں بلکہ وہ کفار مکہ کی سر کوبی کی بھی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

چھوٹی جنگیں

غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضرت محمد ﷺ نے خود شرکت فرمائی اور سَرِیَّہ وہ جنگ ہے جس میں آپؐ شریک نہیں ہوئے بلکہ آپؐ نے کسی اور کو کمانڈر مقرر فرمایا۔

سَرِیَّہ سِیف البحر

یہ سریہ مارچ 623ء میں بمطابق رمضان ایک ہجری میں پیش آیا۔30 مہاجرین پر مشتمل اس دستے کی قیادت آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کر رہے تھے۔دستے کو اس لیے بھیجا

گیا کہ وہ شام سے آنے والے کفار مکہ کے ایک قافلے کے بارے میں معلوم کرے۔ کفار کا قافلہ 300 لوگوں پر مشتمل تھا جن میں ابو جہل بھی شامل تھا۔ دونوں فریقین کا آمنا سامنا ساحل سمندر کے نزدیک ہوا۔ قریب تھا کہ یہ جنگ ہوتی مگر ایک نیک دل شخص مجدی بن عَمرو نے پوری دوڑ دھوپ کر کے دونوں فریقین کو جنگ سے باز رکھا۔ مجدی قبیلہ جہینہ کا سردار تھا۔

سَریّہ رابغ

یہ سریہ سیف البحر کے اگلے ہی ماہ یعنی اپریل 623ء میں پیش آیا۔ اس فوجی دستے کی قیادت آپؐ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث کو دی۔ اس میں ساٹھ مہاجرین سوار شامل تھے۔ دوسری طرف ابوسفیان کا دستہ تھا جس کے ساتھ دو سو لوگ تھے۔ اس سریے میں جنگ نہیں ہوئی البتہ دونوں فریقین نے ایک دوسرے پر تیر برسائے۔ اس سریے کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ کفار کے لشکر کے ساتھ دو آدمی تھے جو مسلمانوں کے لشکر سے آکر مل گئے۔ یہ حضرت مِقدادؓ اور حضرت عتبہؓ بن غزوان تھے۔ یہ دراصل پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

سریّہ خَرّار

یہ سریہ رابغ کے اگلے مہینے یعنی مئی 623ء میں پیش آیا۔ آپؐ نے اس سریے کا سربراہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مقرر فرمایا۔ اس سریے میں بیس مسلمان شریک تھے اور سب کے سب پیدل تھے۔ سریے کا مقصد کفار مکہ کے ایک قافلے کا پتہ لگانا تھا۔ آپؐ نے

حکم دیا تھا کہ یہ دستہ خرّار سے آگے نہ جائے لہٰذا پانچویں دن جب یہ دستہ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کفار کا قافلہ ایک دن پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔

اسلام کا پہلا غزوہ (غزوہ اَبْوَاء)

لفظ غزوہ پر غور کریں۔ اس لفظ سے ظاہر ہے کہ اس میں حضور ﷺ بذات خود شریک ہوئے۔ یہ اسلام کا پہلا غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں 70 مہاجر صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ اس غزوے کا مقصد کفار مکہ کے ایک قافلے کا راستہ روکنا تھا۔ آپؐ ودّان کے مقام تک تشریف لے گئے (اسی وجہ سے اس غزوے کو غزوہ ودّان بھی کہتے ہیں۔ ودّان کا اَبوَاء سے فاصلہ گیارہ کلو میٹر ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ابواء وہی مقام ہے جہاں آپؐ کی والدہ محترمہ دفن ہیں) مگر کفار مکہ کے قافلے سے آمنا سامنا نہ ہوا لہٰذا عملی طور پر کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اس سفر کے دوران آپؐ نے قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار عمرو سے دوستی کا معاہدہ کیا۔ اس غزوے کی وجہ سے آپؐ مسلسل پندرہ دن تک مدینے سے باہر رہے۔ آپؐ نے اپنی عدم موجودگی میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس غزوے کے علمبردار آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ تھے۔ یہ غزوہ اگست 623ء میں پیش آیا۔

غزوہ بُواط

یہ غزوہ ابواء کے اگلے ماہ یعنی ستمبر 623ء میں پیش آیا۔ اس غزوے میں 200 صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ اس غزوہ کا ہدف بھی کفار مکہ کا ایک قافلہ تھا۔ جس میں سو آدمی اور ان کے اڑھائی ہزار اونٹ تھے۔ اس قافلے میں مشہور مکی کافر سردار اُمَیہ بن خلف

بھی شامل تھا۔ آپؐ اس قافلے کو پانے کی غرض سے بُوَاط کے مقام تک تشریف لے گئے مگر وہ قافلہ نہ ملا۔ بُواط مدینہ منورہ سے تقریباً 800 کلو میٹر کے فاصلے پر شام جانے والی شاہراہ کے قریب ہے۔ آپؐ نے اپنی عدم موجودگی کے دوران حضرت سعدؓ بن معاذ کو اپنا قائم مقام یعنی امیر مدینہ مقرر فرمایا۔ اس غزوے کے علمبردار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔

غزوہ سفوان

یہ غزوہ اور غزوہ بُواط ایک ہی مہینے میں پیش آئے یعنی ستمبر 623ء میں۔ ایک کافر جس کا نام کرز بن جابر فہری تھا۔ اس نے مدینے کی چراہ گاہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کے کچھ مویشی اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے رد عمل کے طور پر آپؐ نے اس غزوے کا اہتمام فرمایا۔ اس غزوے میں 70 صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ اس ڈاکو کا تعاقب وادی سفوان تک فرمایا۔ (یہ وادی مقام بدر کے قریب ہے)۔ آپؐ نے اپنی عدم موجودگی میں حضرت زیدؓ بن حارث کو مدینے کا امیر مقرر فرمایا اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بن حارث آپؐ کے غلام تھے۔ یہ اسلام ہی ہے جو ایک غلام کو اتنا بڑا رتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے مدینے کی ریاست کا امیر بنا دیتا ہے، وہ مدینہ جس میں بڑے بڑے مال دار اور جید سردار بھی رہتے تھے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اسلام نے اس قوم میں اتنی عاجزی اور اتنا ڈسپلن پیدا کر دیا تھا کہ جب آپؐ نے ایک غلام کو امیر مقرر فرمایا تو سب نے خوشی خوشی اس کی اطاعت کی۔ اسلامی تاریخ کے علاوہ ایسی مثالیں کہیں بھی نہیں ملتیں۔

غزوہ ذی العُشَیرَہ

یہ غزوہ بھی 623ء میں پیش آیا۔ آپؐ کو اطلاع ملی کہ کفار مکہ کا ایک قافلہ بہت

زیادہ مال لے کر شام جا رہا ہے۔ آپؐ نے ذی العُشَیرَہ ① کے مقام تک اس قافلے کا پیچھا کیا لیکن وہ قافلہ بہت دور جا چکا تھا۔ یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ یہ وہی قافلہ تھا جس کی واپسی جنگ بدر کا سبب بنی۔ (جنگ بدر کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی)۔ آپؐ کے ساتھ اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ کی تعداد 150 سے 200 تک تھی۔ ان کے پاس سواری کے لیے تیس اونٹ تھے لہٰذا اصحابہ کرامؓ باری باری اونٹوں پر سوار ہوتے تھے۔ غزوہ ذی العشیرہ کے سفر کے دوران آپؐ نے بنومُدلِج اور بنوضَمرہ کے قبیلوں سے امن کا معاہدہ کیا۔ اس غزوہ کے علمبردار آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ تھے۔

سَریّہ نخلہ

یہ سریہ جنوری 624ء میں پیش آیا۔ اس قافلے کے سردار حضرت عبداللہؓ بن جحش ② تھے اور بارہ مہاجرین ان کے ساتھ تھے۔ قافلے کے پاس کل چھ اونٹ تھے جن پر یہ سب باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو ایک لفافے میں بند خط دیا اور حکم دیا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد وہ اس لفافے کو کھولیں۔ دو دن سفر کے بعد جب حضرت عبداللہؓ نے اس تحریر کو پڑھا تو اس میں حکم درج تھا کہ آپ لوگ نخلہ کے مقام پر جائیں (نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے) اور وہاں سے آپؐ کو مختلف خبریں بھیجیں۔ یہ کام انتہائی پر خطر تھا اور جان جانے کے بہت امکانات موجود تھے مگر کسی نے بھی جان کی پرواہ نہ کی اور یہ سارا قافلہ نخلہ پہنچ گیا۔

---

① مدینہ سے 233 کلو میٹر کے فاصلے پر ینبوع کا شہر ہے۔ یہ بحیرہ احمر (Red Sea) پر واقع ہے۔ ذی العشیرہ اسی شہر کے قریب واقع ہے۔

② حضرت عبدللہؓ بن جحش آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

نخلہ سے کفار مکہ کا ایک قافلہ کافی قیمتی سامان لے کر گزر رہا تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس دن رجب کا آخری دن تھا اور رجب حرام مہینوں میں سے ایک ہے جن میں جنگ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے لہٰذا مسلمانوں نے سوچا کہ اگر وہ کفار کے قافلے پر حملہ کرتے ہیں تو یہ رجب کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اگر وہ رجب کے گزرنے کا یعنی ایک دن مزید انتظار کرتے ہیں تو وہ قافلہ حرم کی حدود میں پہنچ جائے گا اور حدود حرم میں بھی جنگ نہیں کی جا سکتی چنانچہ ایک مسلمان نے کفار کے قافلے کے ایک شخص عَمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا اور کفار کے دو شخص (عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ اور حکیم بن کسیان) گرفتار کر لیے۔ مسلمانوں نے کفار کے سامان پر بھی قبضہ کر لیا۔ حضرت عبد اللہؓ قیدی اور مال غنیمت لیکر مدینہ پہنچے تو آپؐ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کیونکہ حرام مہینے میں جنگ کرنا منع تھا لہٰذا آپؐ نے فوراً دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا، ان کا مال بھی انہیں واپس کر دیا اور مقتول کے خون بہا کی رقم بھی ادا کر دی۔ اس کے باوجود کافروں نے اس واقعے پر مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا کہ دیکھو مسلمانوں نے تو حرمت والے مہینے کا احترام بھی نہیں کیا وغیرہ۔ اس پروپیگنڈے کا جواب اللہ تعالیٰ نے براہ راست سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 217 میں ان الفاظ میں دیا۔ ”(اے پیغمبر) لوگ آپ سے حرام مہینے میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد الحرام میں نہ جانے دینا اور وہاں سے اس کے رہنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑھ کر (برا) ہے“۔ اسی آیت کے اگلے حصے میں بتایا گیا کہ یہ لوگ یعنی کفار جنہوں نے اللہ سے انکار کیا اور مسلمانوں کو مکہ سے زبردستی نکال دیا وہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اسلامی تاریخ میں اس سریے کی بہت زیادہ اہمیت ہے وہ یوں کہ:۔

1۔ آپؐ کو جیسے ہی اس واقعے کا علم ہوا۔ آپؐ نے اس کو پسند نہیں فرمایا بلکہ دونوں قیدیوں کو بِلا مشروط فوری طور پر رہا کر دیا اور مقتول کا خون بہا (قتل کے بدلے رقم) بھی ادا کیا۔

2۔ آپؐ کے اس حسن سلوک کے باوجود کفار مکہ نے جب پروپیگنڈا کیا کہ یہ واقعہ حرمت والے مہینے میں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 217 میں اس کا جواب دیا۔ یہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آپؐ سے بے پناہ محبت کا ثبوت بھی ہے۔ اس سے آپؐ کی شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس پروپیگنڈے کو فتنہ قرار دیا اور فرمایا کہ ''فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے''۔

3۔ کفار مکہ کے دل مسلمانوں کی ہیبت سے دہل گئے۔ وہ حیران و پریشان رہ گئے کہ یہ مٹھی بھر لوگ مدینہ سے سیکڑوں کلومیٹر سفر طے کر کے انکے یعنی کفار کے علاقے میں آکر ان کے قافلے پر حملہ کر سکتے ہیں، ان کے لوگوں کو قتل کر سکتے ہیں، انہیں قیدی بنا سکتے ہیں اور قیدی اور مال غنیمت لے کر خیریت سے واپس مدینہ بھی جا سکتے ہیں۔ اس واقعے نے کفار مکہ کو خوف میں مبتلا کر دیا۔ اب انہیں شام سے اپنی تجارت بھی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔

قبلہ کی تبدیلی

2 ہجری (فروری 624ء) میں شعبان کے مہینے میں عین نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ مسلمان اپنا رخ نئے قبلے یعنی خانہ کعبہ کی طرف کر لیں جبکہ اس سے

پہلے مسلمان بیت المقدس (فلسطین) کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔اس پر حضور ﷺ اور آپؐ کے سچے صحابہ کرامؓ نے تو فوراً عمل کرلیا مگر منافقین نے طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کا منافق ہونا واضح کر دیا۔ مدینہ کے جس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا وہاں ایک شاندار مسجد ہے جس کا نام ''مسجد قبلتین'' یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔

غزوہ بدر

(اسلام اور کفر کی پہلی بڑی جنگ)

ہجرت کے بعد حضور ﷺ کے دور میں جو جنگیں ہوئیں ان کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ آکر مسلمانوں پر حملے کیے۔ یہ بات جزوی طور پر درست ہے اور جزوی طور پر غلط ہے۔ مثال کے طور پر غزوہ احد اور غزوہ خندق مدینہ منورہ میں ہی ہوئے جبکہ غزوہ بدر ، غزوہ تبوک ، غزوہ حنین اور غزوہ خیبر مدینہ منورہ سے کافی دور وقوع پذیر ہوئے۔ بدر کا مقام مدینہ منورہ سے تقریباً 160 کلومیٹر اور مکہ مکرمہ سے 320 کلومیٹر دور ہے۔ بدر ایک ریگستانی میدان ہے جس کی لمبائی 8 کلومیٹر اور چوڑائی 6 کلومیٹر ہے۔ اس کے ارد گرد اونچے پہاڑ ہیں۔ اس دور میں یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ وہاں پر موجود ایک کنویں کا نام بھی بدر تھا۔

وجوہات

اس غزوے کی بے شمار وجوہات تھیں۔ ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:۔

(1) کفار مکہ کی مسلمانوں سے دشمنی

مکہ سے آپؐ کی ہجرت کے باوجود بھی کفار مکہ کی مسلمانوں سے دشمنی ختم نہیں ہوئی اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے مدینے کے یہودیوں اور عبداللہ ابن اُبی (رئیس المنافقین) کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے کیسے دھمکیاں دیں اور کیسی کیسی سازشیں کیں۔ کفار مکہ نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو مسلسل خوف وہراس میں مبتلا رکھا نیز معاشی طور پر کفار مکہ نے باقی قبیلوں کو ساتھ ملا کر مدینے کا ایک طرح سے معاشی بائیکاٹ ہی کر دیا تھا جس سے مدینے کے معاشی حالات خراب سے خراب تر ہونے لگے۔ اشیائے ضروریہ کی مدینے میں قلت پیدا ہو گئی اور نتیجتاً قیمتیں بھی بہت بڑھ گئیں۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کے گھروں میں کئی کئی دنوں تک کھانا نہیں پکتا تھا۔ کفار مکہ کی مسلمانوں سے دشمنی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی بلکہ ہر لمحہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا لہٰذا یہ ضروری تھا کہ کفار مکہ کی کمر توڑ دی جائے، اس سے پہلے کہ وہ نوزائیدہ اسلامی حکومت کا مکمل خاتمہ کر دیں۔

(2) عبداللہ بن اُبی کا کردار

یہ وہ شخص تھا جسے آپؐ کے مدینے آنے سے پہلے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج نے اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا (تفصیل پچھلے صفحات میں موجود ہے)۔ اسی دوران آپؐ ہجرت کر کے تشریف لے آئے اور سب نے آپؐ کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تو عبداللہ بن ابی کے سردار

بننے کا خواب بری طرح سے اور ہمیشہ کے لیے چکنا چور ہو گیا لہٰذا یہ شخص کھلم کھلا دشمنی پر اتر آیا اور مسلمانوں کے خلاف ہر سازش میں اس کا بلا واسطہ (Direct) یا بالواسطہ (Indirect) کردار ضرور رہا۔

(3) مسلمانوں کی جائیدادوں پر قبضہ

ہجرت کے وقت کافی صحابہ کرامؓ سے تو کفار مکہ نے مال و جائیداد چھین لیا تھا لیکن کچھ صحابہ کرامؓ کے مکہ میں گھر اور دیگر غیر منقولہ جائیدادیں تھیں۔ ہجرت کے بعد کفار مکہ نے ان جائیدادوں کو باقاعدہ طور پر ضبط کر لیا۔ اس سے بھی کفار مکہ کی ذہنی پستی اور اسلام دشمنی مزید واضح ہو گئی۔

(4) سریّہ نخلہ کے خلاف کفار کا ردِّ عمل

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سریہ نخلہ میں ایک کافر عمرو بن الحضرمی قتل ہو گیا تھا جس پر آپؐ نے نہ صرف ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا بلکہ اس کے ورثاء کو اس کے خون بہا کی رقم بھی ادا کی تھی لیکن کفار مکہ نے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا بلکہ عمرو کے خاندان والوں نے دیگر اہل مکہ کو اکسایا کہ ہر صورت میں عمرو کا انتقام لیا جائے۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ جب کوئی فریق خون بہا (قتل کے بدلے رقم) قبول کر لیتا ہے تو اس کے بعد وہ قصاص (قتل کے بدلے قتل) کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اس واقعے میں عمرو کے خاندان نے خون بہا کی رقم بھی وصول کر لی اور اس کے بعد نہ صرف قصاص کا مطالبہ کیا بلکہ تمام مسلمانوں کے خلاف جنگ کا مطالبہ بھی کر دیا۔ یہاں یہ بات دہرانا بھی مناسب ہے کہ جنگ نخلہ میں مسلمانوں کے صرف تیرہ آدمی شریک تھے اور اگر قصاص کا معاملہ بھی ہوتا تو زیادہ سے زیادہ ان تیرہ کے خلاف ہو سکتا تھا اور جب تحقیقات ہوتیں تو پھر اس شخص تک

بات آجاتی جس کے تیر سے عمرو کی موت ہوئی تھی [1] یا زیادہ سے زیادہ وہ جس نے اس کا حکم یامشورہ (Abetment) دیا تھا لیکن کسی صورت بھی یہ تعداد تیرہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ عمرو کے ورثاء کا مطالبہ تو سِرے سے ہی غلط تھا لیکن کفارِ مکہ نے اسلام دشمنی کی وجہ سے یہ مطالبہ تسلیم کر کے ان کا ساتھ دیا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

(5) مدینہ کی چراہ گاہ پر کفار کا حملہ

اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ کُرز بن جابر فِہری اور اس کے آقاؤں کو سبق سکھایا جائے تاکہ وہ آئندہ مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کر سکیں۔

(6) کفارِ مکہ کا شام گیا تجارتی قافلہ

یہ وہی تجارتی قافلہ ہے جس کی وجہ سے غزوہ ذِی العشیرہ پیش آیا۔ یہ قافلہ آپؐ سے بچ کر نکل گیا۔ (تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہے) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس قافلے کا شام کی طرف جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے کیوں تعاقب فرمایا؟ دراصل کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے ایک نہایت خطرناک سازش تیار کی اور وہ یہ کہ مکہ کے تمام اہلِ حیثیت لوگ اپنا مال جمع کریں اور وہ سارا مال تجارت کی غرض سے شام بھیجا جائے اور اس کے سارے منافع سے جنگی سازوسامان اور ہتھیار خریدے جائیں اور یوں بھرپور وسائل اور مکمل تیاری کے ساتھ ایک ہی دفعہ حملہ کر کے تمام مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ یہ تجارتی قافلہ اتنا بڑا تھا کہ سامانِ تجارت اٹھانے کے لیے ایک ہزار اونٹ

---

[1] حضرت واقدؓ بن عبداللہ تمیمی کے تیر سے عمرو بن الحضرمی قتل ہوا تھا۔ یہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت تک زندہ رہے۔

تھے۔ صرف ان اونٹوں کی موجودہ قیمت کم از کم پچاس کروڑ روپے بنتی ہے اور سامان تجارت (جو ان اونٹوں پر لدا ہوا تھا) کی مالیت ساڑھے چھ من سونے سے زائد (262 کلو گرام) تھی۔ اس سونے کی موجودہ مالیت تقریباً500 کروڑ بنتی ہے۔اس تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے چالیس گارڈز تعینات تھے۔ ابوسفیان (جو اس مکی تجارتی قافلے کا سردار تھا) کو جب خطرہ محسوس ہوا تو اس نے کفار مکہ سے ایمر جنسی بنیادوں پر مدد مانگی۔ اس مقصد کے لیے جس شخص کو ابوسفیان نے مکّے روانہ کیا اس نے نہایت برق رفتاری سے مکہ پہنچ کر اس وقت کے رواج کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیر ڈالی اور ایک رنگ دار کپڑا ہلا ہلا کر واویلا مچایا کہ ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں لٹ سکتا ہے مگر کفار مکہ کو غلطی سے یہ سمجھ آئی کہ مذکورہ قافلہ لٹ چکا ہے۔ کیونکہ اس قافلے میں مکہ کے تقریباً ہر گھر کا مال شامل تھا حتٰی کہ کفار مکہ کی عورتوں نے اپنا زیور تک لگا رکھا (Invest) تھا لہٰذا کفار مکہ پاگل ہو گئے اور پوری بات سنے سمجھے بغیر جنگ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں اور کفار کے لشکروں کا آمنا سامنا بدر کے مقام پر ہوا۔ مسلمان بدر کے مقام پر پہلے پہنچے اور کفار بعد میں۔

(7) اختلافی وجہ

سیرت کی مختلف کتابوں میں اس بات پر اختلاف ہے کہ اس جنگ کی اصل وجہ کیا تھی۔ کچھ نے ابوسفیان کے قافلے کو وجہ بتایا ہے اور کچھ نے عمرو بن الحضرمی کے قتل کو۔ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے بارے میں اوپر کی سطور میں تفصیل سے لکھ دیا گیا ہے۔ عمرو بن الحضرمی کے قتل کو غزوہ بدر کی اصل وجہ قرار دینے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اس زمانے میں قبائلی نظام بہت سخت تھا۔ اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص قتل ہو جاتا تھا تو قاتل اور مقتول کے قبیلوں میں سالوں تک جنگیں ہوتی رہتی تھیں جس کی مثال داحس، غبراء اور بسوس کی جنگیں ہیں جو چالیس چالیس سال چلتی رہیں نیز عمرو بن الحضرمی قریش مکہ کے سردار

عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا لٰہذا عمرو کوئی عام آدمی نہ تھا۔

(8) غزوہ بدر کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ

ابھی تک کفار مکہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں اور ان کا دین ہی سچا دین ہے۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو لادین یا بد مذہب کہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بدر روانگی سے قبل ابو جہل اور کفار مکہ کے دوسرے سرداروں نے خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر دعا کی تھی۔ ''خدایا ! دونوں گروہوں میں سے جو حق پر ہے۔ اس کو فتح عطا کر اور جو ظلم پر آمادہ ہے اسے تباہ کر دے''۔ یہ الفاظ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔

لٰہذا یہ ضروری تھا کہ اس بات کا دوٹوک انداز میں فیصلہ کر دیا جائے کہ کون حق پر ہے اور کون ظالم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الانفال کی آیت نمبر 19 میں اسی بات کا براہ راست جواب دیا کہ ''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمھارے سامنے آ گیا''۔ اس لیے اس غزوہ کو غزوہ فرقان بھی کہتے ہیں۔ یعنی فرق کرنے والا غزوہ جس سے یہ فرق واضح ہو گیا کہ حق پر کون سی جماعت ہے۔ میرے خیال میں غزوہ بدر کی کوئی ایک وجہ نہیں تھی۔ کم از کم درج بالا ساری وجوہات اس غزوے کا باعث بنیں۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے کے واقعات

آپؐ نے مدینے میں صحابہ کرامؓ کو طلب فرمایا تا کہ ان سے مشورہ کیا جا سکے۔ انصار مدینہ نے آپؐ سے عَقَبہ کے مقام پر جو بیعت کی تھی وہ صرف مدینہ کے اندر جنگ کی حد تک تھی لٰہذا یہ مشاورت بہت ضروری تھی۔ آپؐ نے جب دریافت فرمایا تو انصاری صحابہؓ سمجھ گئے کہ آپؐ ان سے وعدہ لینا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت سعدؓ بن معاذ نے یوں عرض

کی۔ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! جس طرف مرضی ہے آپؐ تشریف لے چلیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپؐ ہمیں سمندر میں بھی گرنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور اس کی تعمیل کریں گے اور ہم بنی اسرائیل کی طرح روگردانی نہیں کریں گے“۔

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 313 تھی جبکہ مسلمانوں کو کافروں کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم نہ تھی۔ اسی اثناء میں کفار مکہ کے دو غلاموں کو (جو چشمے سے پانی بھرنے آئے تھے) مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔ اس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان غلاموں سے سچ اگلوانے کے لیے انہیں مارا پیٹا۔ آپؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرامؓ کو نہایت خوبصورت انداز سے انہیں مارنے پیٹنے سے منع فرمایا اور پھر غلاموں سے پوچھا کہ کفار مکہ کی صحیح تعداد کتنی ہے؟ غلاموں نے کہا کہ وہ بہت زیادہ ہیں مگر انہیں صحیح تعداد کا علم نہیں۔ اس پر آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ لشکر کے کھانے کے لیے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ایک دن 9 اور اگلے دن 10۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا پھر تو کفار کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ آپ غور کریں کہ نو سو اور ایک ہزار کا درمیان 950 بنتا ہے اور کفار مکہ کی تعداد 950 ہی تھی۔ اکثر کتابوں میں یہ تعداد ایک ہزار درج ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ دراصل شروع میں تو کفار کی تعداد تیرہ سو تھی۔ مگر جب لوگوں کو علم ہو گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا ہے تو کچھ لوگوں نے لڑائی میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا اور واپس مکہ چلے گئے مثلاً بنی زہرہ قبیلہ۔ یوں کفار کی تعداد جو بدر میں موجود تھے 950 ہی تھی۔ جنگی ہتھیاروں کی پوزیشن یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ یہ گھوڑے حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت مقدادؓ بن اسود کندی کے پاس تھے۔ چونکہ اونٹ بہت کم تھے اس لیے باری باری لوگ ان

پر سواری کرتے تھے مثلاً ایک اونٹ آپؐ، حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ کے حصے میں آیا جس پر باری باری سواری کی جاتی تھی جبکہ کفار کے لشکر کے پاس جنگی سازوسامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ جب کفار کے لشکر کی تعداد تیرہ سو تھی تو ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ زِرَہ (لوہے کا لباس) کی تعداد 600 تھی اور اونٹوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

ابو سفیان نے مکہ میں یہ پیغام بھیجا تھا کہ چونکہ تجارتی قافلہ حفاظت سے مکہ پہنچ گیا ہے لہٰذا جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی مشورہ ایک کافر سردار اخنس بن شُرَیق نے بھی دیا مگر ابو جہل نے ضد کی کہ جنگ ہر حال میں ہو گی اور اگر مسلمان مقابلے پر نہ بھی آئے تو وہ تین دن بدر میں قیام کریں گے اور خوب موج مستی کریں گے جس سے پورے عرب پر ان کا رعب طاری ہو جائے گا۔ اس پر اخنس بنو زہرہ قبیلے کے لوگوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اسی طرح حکیم بن حزام اور مشہور کافر سردار عتبہ بن ربیعہ بھی جنگ کے حق میں نہیں تھے۔ اس پر ابو جہل بولا کہ کیونکہ عتبہ کا بیٹا مسلمان ہو چکا ہے اور وہ مسلمانوں کے لشکر میں ہے اس لیے عتبہ جنگ سے کترا رہا ہے۔ اس پر عتبہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے ابو جہل کو "حنظلیہ کے بیٹے" کہہ کر پکارا (حنظلیہ ابو جہل کی والدہ کا نام تھا)۔ بنو ہاشم بھی لڑائی نہیں چاہتے تھے۔

جنگ سے پہلے کفار مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ خفیہ طور پر تشریف لے گئے اور ایک بوڑھے عربی سے کافی مفید معلومات حاصل کیں۔ وہ بوڑھا بضد تھا کہ پہلے آپ اپنا تعارف کرائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پہلے آپ معلومات دیں بعد میں ہم تعارف کرا دیں گے۔ چونکہ جنگی اعتبار سے آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ اپنا تعارف نہیں کرا سکتے تھے لہٰذا آپؐ نے نہایت حکمت اور دانائی سے ایسے الفاظ میں اپنا تعارف کرایا جس سے اس بوڑھے کو کچھ سمجھ نہیں آئی کہ آپؐ کون ہیں لیکن ان الفاظ میں جھوٹ بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک اور جاسوسی دستہ بھی بھیجا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

جنگ کے دوران دشمن کی جاسوسی کرنا جائز ہے نیز عربی بوڑھے والے واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آپؐ نے کمال حکمت والے الفاظ استعمال کر کے اپنا تعارف بھی نہ کرایا اور جھوٹ بھی نہ بولا۔

جنگ کے واقعات

کفار کی طرف سے سب سے پہلے اسود بن عبد الاسد قتل ہوا۔ یہ ایک بد اخلاق اور ضدی شخص تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حوض سے لازمی پانی پیئے گا ورنہ حوض کو نقصان پہنچائے گا۔ اس کی قسم پوری ہونے سے پہلے ہی حضرت حمزہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق سریہ نخلہ میں جو کافر قتل ہوا تھا یعنی عمرو بن الحضرمی، اس کا بھائی عامر میدان میں نکلا۔ وہ انتقام کے جوش میں مست تھا مگر حضرت عمرؓ کے ایک غلام نے اسے قتل کر دیا۔

اس وقت کے عرب کے رواج کے مطابق عام جنگ سے پہلے انفرادی مقابلے ہوتے تھے اور عرب جنگ میں بھی اپنی روایات کو زندہ رکھتے تھے۔ کفار کی طرف سے قریش کے اعلیٰ ترین سردار عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا (ولید) میدان میں آئے اور اپنے مد مقابل لوگ طلب کیے۔ ان کے مقابلے میں تین انصاری صحابہ حضرت عوفؓ، ان کے بھائی حضرت مُعوِذؓ[1] اور حضرت عبد اللہؓ بن رَوَاحَہ نکلے۔ کفار نے ان کا تعارف پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ تینوں انصاری صحابہؓ ہیں۔ اس پر کفار کے سرداروں نے تکبر کے انداز میں کہا کہ یہ لوگ ان کے رتبے اور مقام کے برابر کے نہیں لہٰذا ان کے مقابلے میں ان کے ہم پلہ یعنی قریشی مسلمان بھیجے جائیں۔ اس پر آپؐ نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو

① ان دونوں بھائیوں کی والدہ کا نام حضرت عَفراؓ تھا جو اسلامی تاریخ میں بہت مشہور خاتون ہیں اور ان کے والد کا نام حارث تھا۔

مقابلے کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو چند لمحوں کے اندر ہی قتل کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ کیونکہ کافی بوڑھے تھے لہٰذا لڑائی میں عتبہ کو گہرے زخم لگانے کے ساتھ وہ خود بھی شدید زخمی ہو گئے۔ اب حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اپنے اپنے دشمنوں کو قتل کر چکے تھے لہٰذا انہوں نے عتبہ کو بھی فوراً قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں اٹھا کر مسلمانوں کے لشکر میں واپس لے آئے۔ اس لڑائی میں حضرت عبیدہؓ کا پاؤں کٹ گیا تھا اور آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ آپؓ اس جنگ کے چوتھے یا پانچویں دن انتقال فرما گئے۔

کفار کے ان تین سرداروں کا چند منٹوں میں یوں قتل ہو جانا کفار کے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھا لہٰذا کفار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی خصوصی مدد کے لیے فرشتوں کو جنگ میں اتار دیا۔ ان کی سربراہی خود حضرت جبریلؑ کر رہے تھے جنہیں دیکھ کر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت جبریلؑ ہیں، گرد و غبار میں اٹے ہوئے اور اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا۔

اس جنگ میں شیطان ایک کافر سراقہ بن مالک کی شکل میں کفار مکہ کے ساتھ موجود تھا۔ جب اس نے فرشتوں کو میدان جنگ میں دیکھا تو اسے اپنی جان کی فکر پڑ گئی اور وہ وہاں سے بھاگا۔ ایک صحابی حضرت حارثؓ بن ہشام نے اسے پکڑ لیا کیونکہ وہ اسے سراقہ ہی سمجھ رہے تھے لیکن شیطان نے اپنے آپ کو ان سے چھڑا لیا اور بھاگ گیا۔ کفار نے کہا کہ سراقہ تم ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ وہ بولا۔ ''میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے''۔

فرشتوں کے آنے سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑے۔ جنگ میں کفار کی شکست نظر آنے لگی۔ اس پر آپؐ نے مسلمانوں کو کفار پر جوابی حملے کا حکم دیا۔ آپؐ لشکر کو فرماتے '' شُدُّوا۔ شُدُّوا '' یعنی چڑھ دوڑو، چڑھ دوڑو۔ ساتھ ہی صحابہ کرامؓ کا حوصلہ بڑھاتے اور فرماتے کہ آج جو بھی ڈٹ کر لڑائی کرے گا

اگر وہ شہید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ سبحان اللہ ! جنت کی گارنٹی صرف اللہ کے رسول ﷺ ہی دے سکتے ہیں۔

ابو جہل کی ذلت آمیز موت

ابو جہل ابھی تک تکبر میں مبتلا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کفار کی ہمت بندھواتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر سراقہ (جو دراصل شیطان تھا) چلا گیا ہے تو کوئی بات نہیں کیونکہ اس نے یہ ساری سکیم پہلے سے ہی بنا رکھی تھی اور وہ تو دراصل مسلمانوں کا ساتھی تھا۔ اسی طرح عتبہ، شیبہ اور ولید اس لیے قتل ہو گئے کہ انہوں نے صحیح طرح سے لڑائی نہیں کی بلکہ بہت جلد بازی کی۔ اس لیے حوصلہ نہ ہارو فتح ہماری ہے۔

ابو جہل کے اردگرد کفار کی ایک کثیر تعداد نے گھیرا بنا رکھا تھا تا کہ ابو جہل تک کوئی نہ پہنچ سکے۔ دو نوعمر نوجوان مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے عرض کی کہ وہ انہیں ابو جہل دکھا دیں، انہوں نے سنا ہے کہ وہ آپؐ کو گالیاں بکتا ہے لہٰذا اسے ہر صورت میں قتل کرنا ہے۔ انہوں نے ابو جہل کی نشان دہی کر دی۔ اتنے سخت گھیرے کے باوجود یہ دونوں نوجوان ابو جہل تک پہنچ گئے۔ ان کے نام حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذؓ بن عفراءؓ تھے۔ ان دونوں نے ابو جہل پر حملہ کیا۔ حضرت معاذؓ بن عمرو نے ابو جہل کا پاؤں کاٹ دیا۔ اسی دوران ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذؓ پر حملہ کر کے ان کا بازو کندھے سے کاٹ دیا۔ وہ بازو کٹ تو گیا مگر جسم سے لٹک رہا تھا اور لڑائی میں شدید رکاوٹ کا باعث بن رہا تھا۔ لہٰذا معاذؓ بن عمرو نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اسے زور سے کھینچ کر جسم سے الگ کر دیا۔ یہ بات کہنا اور سننا بہت آسان ہے لیکن عملی طور پر کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ ہمیں ایک کانٹا یا ایک سوئی بھی چبھ جائے تو برداشت نہیں ہوتی۔ دراصل یہ ان صحابہ کرامؓ کے ایمانی جذبے، شوقِ شہادت اور آپؐ سے والہانہ عشق کی بدولت تھا۔ اسی اثنا میں

حضرت معاذؓ بن عفراءؓ کے بھائی حضرت معوذؓ① وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے ابو جہل② کو شدید زخمی کر کے ادھ موا کر دیا۔ صرف اس کی آخری سانسیں ہی چل رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود وہاں پہنچے اور انہوں نے ابو جہل کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسکی داڑھی پکڑی تا کہ اس کا سر قلم کیا جا سکے۔ اس موقع پر بھی ابو جہل نے تکبر کا مظاہرہ کیا اور حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے کہنے لگا "ارے بکری کے چرواہے! تو اتنی اونچی جگہ پر چڑھ گیا ہے"۔ ابو جہل نے دراصل تکبر کے ساتھ طعنہ بھی دیا کیونکہ حضرت عبد اللہؓ جب مکہ میں تھے تو وہاں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ اسلام میں تکبر کرنا اور طعنہ دینا دونوں ہی سخت گناہ ہیں۔ آپؐ نے جب ابو جہل کی لاش دیکھی تو فرمایا کہ یہ اس امت کا فرعون ہے۔

مسلمانوں کی فیصلہ کن فتح

اس جنگ میں کفار کے 70 لوگ قتل ہوئے اور 70 ہی گرفتار ہوئے۔ قتل اور قید ہونے والوں میں مکہ کے تقریباً چوبیس اہم ترین سردار بھی تھے۔ قتل ہونے والوں میں مشہور مکی سردار عتبہ اس کا بھائی شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید شامل تھے۔ (عتبہ، ابو سفیان کی بیوی ہند کا باپ تھا۔ شیبہ، ہند کا چچا تھا۔ ولید، ہند کا بھائی تھا۔ اس کے علاوہ ہند اور ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ بھی اسی جنگ میں قتل ہوا تھا۔ ہند کا دوسرا بیٹا عمرو قیدی بنا لیا گیا تھا)۔ ابو جہل، ابو البختری اور اُمیہ بن خلف جیسے سردار اور اہم لوگ بھی قتل ہونے والوں میں شامل

---

① حضرت معوذؓ نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے اسی جنگ میں شہید ہو گئے جبکہ حضرت معاذؓ بن عمرو حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔

② ابو جہل کا اصل نام عمرو بن ہشام بن المغیرہ تھا۔ مسلمان اسے ابو جہل یعنی "جہالت کا باپ" کہہ کر پکارتے تھے جبکہ کفار مکہ اسے ابو الحکم یعنی "حکمت و دانائی کا باپ" کے نام سے پکارتے تھے۔

تھے۔ امیہ بن خلف وہی ذلیل شخص تھا جو مکے میں حضرت بلال حبشیؓ پر انتہا درجے کا ظلم کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ نے جب اس کو دیکھا تو باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کے اور اس کے بیٹے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ جو کفار قتل ہوئے ان کی لاشیں بدر کے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ گرفتار ہونے والوں میں آپؐ کے چچا عباس، حضرت علیؓ کے بھائی عقیل، اسود بن عامر، سہیل بن عمرو اور آپؐ کے داماد ابو العاص (یہ حضرت زینبؓ کے خاوند تھے) جیسے سرکردہ لوگ شامل تھے۔

دوسری طرف چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصاری صحابہ کرامؓ تھے۔ مجھے ذاتی طور پر بدر جانے کا موقع ملا۔ بدر کے قبرستان کے قریب ایک بورڈ پر ان 14 شہدا کے نام تحریر ہیں۔ اسی بورڈ کی فوٹو کتاب میں لگائی جا رہی ہے۔ بدر آج کل ایک بڑا شہر بن چکا ہے اور نہایت خوبصورت ہے۔ مجھے بدر میں ہر طرف پھول ہی پھول نظر آئے خاص طور پر چمکتے ہوئے لال لال پھول۔ شاید ان پھولوں کی لالی میں شہدائے بدر کے خون کا عکس ہے۔ بدر میں مسجد العریش بھی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں غزوہ بدر والے دن آپؐ کا خیمہ تھا۔

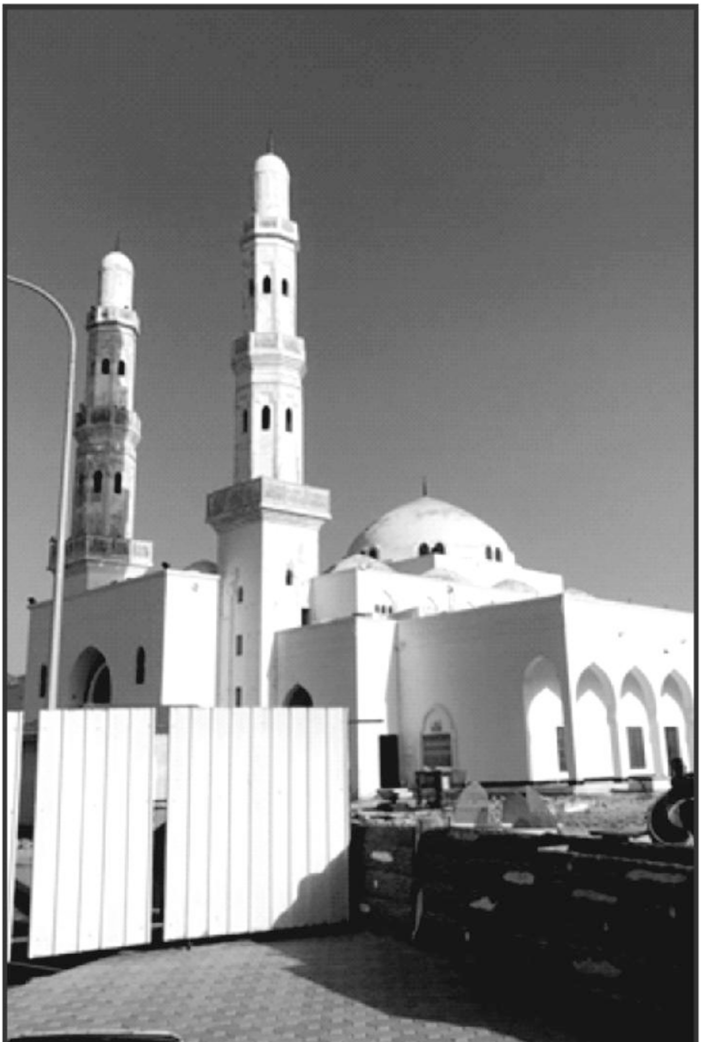
آپؐ نے فتح کے بعد حسب دستور بدر میں تین دن قیام فرمایا اور پھر مدینے کی طرف چل پڑے۔ مدینے میں جب مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچی تو مدینے کے مسلمانوں کے دل باغ باغ ہو گئے جبکہ مکہ میں یہ خبر کافروں پر بجلی بن کر گری۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انہیں تو اپنی فتح کا سو فیصد یقین تھا کیونکہ ان کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے تین گنا بڑا تھا اور جنگی ساز و سامان سے بھی لیس تھا۔ یہ صرف شکست نہیں تھی بلکہ شکست فاش تھی۔ کفار مکہ کے تقریباً سارے سرداروں کا قتل ہو جانا یا قید ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس شکست سے ان کی پورے عرب میں بے عزتی ہوئی اور بھرم جاتا رہا جبکہ مسلمانوں کی دور دور تک دھاک بیٹھ گئی۔

بدر کے مقام پر بورڈ جس پر 14 شہیدوں کے نام درج ہیں



مسجد العریش

(یہاں غزوہ بدر والے دن حضور ﷺ کا خیمہ نصب تھا)



مکہ والوں نے بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ جب ابولہب ① کو حضرت ابورافعؓ نے بتایا کہ بدر میں فرشتوں نے آکر کفار کے خلاف جنگ لڑی تو ابولہب نے آپؓ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت اُمّ الفضلؓ ② نے ابولہب کے سر پر زور سے ضرب لگائی اور اسے وہاں سے جانا پڑا۔ اس کے صرف سات دن بعد ابولہب کو طاعون یعنی عدسہ کی بیماری ہوگئی اور وہ مر گیا۔ اس بیماری سے لوگ بہت ڈرتے تھے لہٰذا کسی نے اس کی لاش کے قریب بھی آنا مناسب نہ سمجھا حتیٰ کہ اس کے بیٹے بھی اس کی لاش سے دور رہے۔ بالآخر ایک گڑھا کھود کر لمبی لکڑیوں سے دھکیل کر اس کی لاش اس گڑھے میں پھینک دی گئی۔

قیدیوں کا مسئلہ

مدینہ اس وقت ایک گاؤں ہی تھا۔ کفار کے 70 قیدی جب مدینہ میں لائے گئے تو وہاں کوئی جیل نہیں تھی لہٰذا مسئلہ پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کو کہاں رکھا جائے اور کہاں سے کھلایا پلایا جائے۔ آپؐ نے اس کا بھی بہترین حل نکالا۔ آپؐ نے ان قیدیوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس حکم کی اس حد تک

---

① ابولہب حضور ﷺ کا سگا چچا تھا لیکن اس بدبخت نے حضور ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت کی۔ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں تھا۔ اس کے بارے میں قرآن پاک کی سورۃ اللّھَب میں ذکر ہے۔

② حضرت اُمّ الفضلؓ کا اصل نام لبابہؓ تھا۔ آپؓ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ان کی گہری دوستی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی تبلیغ سے آپؓ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام لانے والی یہ دوسری خاتون تھیں۔ آپؓ کی والدہ کا نام ہند تھا۔ ان کی چاروں بیٹیوں کو صحابیاتؓ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ام الفضلؓ کی ایک بہن حضرت میمونہؓ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں۔ آپؓ کی دوسری بہن حضرت سلمیٰؓ آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی زوجہ تھیں جبکہ تیسری بہن حضرت اسماءؓ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ تھیں۔ یوں حضور ﷺ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت جعفر طیارؓ آپس میں ہم زلف بھی تھے۔

تعمیل کی کہ وہ خود کھجوریں کھا لیتے یا بھوکے رہتے مگر اپنے قیدیوں کو حتی المقدور نہایت اچھا کھانا کھلاتے۔ قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں فدیہ مقرر کیا گیا۔ جو قیدی امیر تھے ان کا فدیہ 4 ہزار درہم تھا اور جو غریب تھے ان کا فدیہ ایک ہزار درہم تھا۔ یعنی ان کی حیثیت کے مطابق فدیہ مقرر کیا گیا۔ ان قیدیوں پر آپؐ کا یہ ایک اور احسان عظیم تھا کہ فدیہ کی ادائیگی میں ان کو مشکلات نہ ہوں۔ اہل مکہ میں کافی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جبکہ مدینے کے لوگ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ اس پر پوری دنیا کے استاد حضرت محمد ﷺ نے ایک انوکھا قدم اٹھایا جس کا آج سے چودہ سو سال پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ جو قیدی پڑھے لکھے ہیں اور فدیے کی رقم نہیں دے سکتے، وہ دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے ان قیدیوں سے ہی لکھنا پڑھنا سیکھا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نہ صرف کاتب وحی تھے بلکہ قرآن مجید کی تدوین کرنے والی کمیٹی کے سربراہ بھی تھے۔

اب یہاں پر ذرا رکیے! اس صورتحال میں استاد کون ہے؟ ایک قیدی جو کافر ہے اور اسلام کا سخت دشمن ہے۔ طالب علم کون ہے؟ مسلمان بچہ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر استاد اس بچے کو اسلام کی تعلیم تو نہیں دے گا بلکہ یقیناً وہ دنیاوی تعلیم ہی ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ نے مسلمانوں کو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے پر بھی بھرپور توجہ فرمائی اور یہی ماڈل آجکل کے اسلامی مدرسوں کو بھی اپنانا چاہیے۔ آپؐ نے کئی قیدیوں کو بغیر فدیے کے بھی رہا کر دیا جن میں صیفی، ابو عزہ اور مطلب کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

ایمان کو تازہ کرنے والے چند واقعات

(1) آپؐ جنگ سے ایک رات پہلے میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ کل فلاں کافر یہاں قتل ہو گا اور فلاں کافر یہاں قتل ہو گا۔ اگلے دن جنگ میں بالکل ایسا ہی ہوا۔

(2) جنگ شروع ہونے سے پہلے جب آپؐ صفیں درست فرمارہے تھے تو آپؐ نے دیکھا کہ حضرت سَوَادؓ بن غزیہ صف سے تھوڑا آگے کھڑے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں تیر تھا۔ آپؐ نے اس تیر سے حضرت سوادؓ کے پیٹ کو ہلکا سا دبایا اور حکم دیا کہ وہ تھوڑا پیچھے ہو جائیں تاکہ صف برابر ہو جائے۔ (نماز کی صفیں بالکل اسی طرح کی تیاری کا ایک نمونہ ہوتی ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی صفوں میں جگہ خالی رہ جاتی ہے اور لوگ پچھلی صفوں پر ہی نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں تاکہ مسجد سے نکلتے وقت آسانی ہو۔ اسلام میں یہ عمل سخت ناپسندیدہ ہے) اس پر حضرت سوادؓ پیچھے ہو گئے لیکن ساتھ ہی شکایت کر دی کہ آپؐ نے انہیں تیر سے تکلیف پہنچائی ہے۔ آپؐ نے اپنا پیٹ آگے کر دیا اور فرمایا کہ آپ بدلہ لے لو۔ حضرت سوادؓ آپؐ کے پیٹ سے لپٹ گئے اور آپؐ کے پیٹ مبارک کو چوم لیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ کچھ معلوم نہیں کہ میں شہید ہو جاؤں اس لیے سوچا کہ میرا جسم آپؐ کے جسم کو چھو لے۔ اس پر آپؐ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت سوادؓ کے لیے دعا فرمائی۔

(3) اس جنگ میں ایک پہلو انتہائی حساس تھا وہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے قبائل اور اپنے ہی قریب ترین رشتے داروں سے لڑائی کرنا تھی مثلاً:۔

- آپؐ کے مد مقابل آپؐ کے پیارے چچا عباس، آپؐ کے داماد ابو العاص اور آپؐ کے چچازاد بھائی عقیل موجود تھے۔
- حضرت ابو عبیدہ الجراحؓ کا مقابلہ اپنے سگے باپ عبد اللہ سے تھا۔ اس جنگ میں آپؓ نے اپنے سگے باپ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔
- حضرت ابو حذیفہؓ کا مقابلہ اپنے سگے باپ (عتبہ)، اپنے سگے بھائی (ولید) اور سگے

چچا(شیبہ) سے تھا کیونکہ یہ سب کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ (یہ تینوں قتل ہوئے۔ عتبہ کفار کے اس لشکر کا سردار تھا)۔

❖ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ماموں سے کتنا پیار ہوتا ہے۔

❖ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے مقابلے میں کفار کے لشکر میں ان کا بھائی ابو عزیز تھا جو گرفتار ہوا اور قیدی بنایا گیا۔

❖ حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کا بھائی عقیل تھا جو گرفتار ہوا اور قیدی بنایا گیا۔

❖ حضرت ابو بکرؓ کے مقابلے میں ان کا بیٹا عبدالرحمٰن تلوار لیے کھڑا تھا۔ بعد میں جب عبدالرحمٰنؓ نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بتایا کہ ابا جی! جنگ بدر میں ایک دفعہ آپ بالکل میری تلوار کی زد میں تھے لیکن میں نے آپ پر وار نہیں کیا کیونکہ آپ میرے باپ ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو میں ذرہ بھر بھی لحاظ نہ کرتا۔

(4) آپؐ کے داماد ابو العاص جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے قیدی بنائے گئے۔ اس وقت تک آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ جو ابو العاص کی زوجہ تھیں وہ مکہ میں تھیں۔ حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند کو چھڑانے کے لیے فدیے کے طور پر کچھ چیزیں بھیجیں جن میں وہ ہار بھی شامل تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے انہیں شادی کے وقت تحفے میں دیا تھا۔ آپؐ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپؐ پر گہری رقت طاری ہو گئی۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو ابو العاص سے فدیے کے طور پر مال اور یہ ہار نہ لیا جائے بلکہ فدیہ کے طور پر یہ وعدہ لیا جائے کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینے آنے سے نہیں روکیں گے۔ تمام

صحابہ کرامؓ نے دل وجان سے آمین کہا۔ ابو العاص رہا کر دیے گئے اور انہوں نے جا کر حضرت زینبؓ کو مدینے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ غم کی ایک طویل داستان ہے کہ حضرت زینبؓ کن مشکلات سے مدینہ پہنچیں۔

(5) اسی غزوے (بدر) میں لڑائی کرتے ہوئے ایک صحابیؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کا نام حضرت عکاشہؓ بن محصن تھا۔ وہ آپؐ کے پاس گئے اور عرض کی کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ اس پر آپؐ نے انہیں ایک لکڑی کا پھٹا دیا اور حکم دیا کہ آپ اس سے لڑیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لکڑی کا پھٹا ایک مضبوط اور بہترین تلوار میں تبدیل ہو گیا جس کا رنگ سفید تھا۔ حضرت عکاشہؓ نے باقی لڑائی اسی تلوار سے لڑی۔ اس تلوار کا نام عون رکھا گیا (عون کا معنی ہے مدد)۔ حضرت عکاشہؓ حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور عون مرتے دم تک ان کے ساتھ رہی۔

(6) جنگ ختم ہونے کے بعد ایک انصاری صحابیؓ ایک کافر ابو عزیز بن عُمیر کو قید کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں باندھ رہے تھے۔ وہاں سے حضرت مصعبؓ بن عمیر کا گزر ہوا۔ وہ انصاری صحابیؓ سے فرمانے لگے کہ اس کو یعنی ابو عزیز کو اچھی طرح باندھنا کیونکہ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ وہ اس کی رہائی کے لیے بہت زیادہ فدیے کی رقم دے دیں گی۔ اس پر ابو عزیز نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو کہا کہ تم تو میرے سگے بھائی ہو۔ اس پر حضرت مصعبؓ نے تاریخی جملہ فرمایا۔ "تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ میرا بھائی تو یہ ایمان والا صحابیؓ ہے"۔ یہ ہے اسلام کی اصل روح کہ پوری دنیا کے انسانوں کے دو ہی طبقے (Classes) ہیں اور وہ ہیں اہل ایمان (مسلمان) اور اہل کفر۔

(7) عتبہ کی لاش کو بدر کے کنویں میں پھینکنے کے لیے گھسیٹا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کے بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ رنجیدہ دکھائی دیے۔ آپؐ جو سب کے غمگسار تھے نے فرمایا کہ ابو حذیفہؓ! کیا تم اپنے باپ کے قتل پر پریشان ہو؟ اب جواب ملاحظہ فرمایئے! حضرت ابو حذیفہؓ اپنے سگے باپ کے قتل ہو جانے کے باوجود عرض کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ مجھے افسوس ہے کہ میرے والد ایک دانا آدمی تھے۔ کاش انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا۔ حضرت ابو حذیفہؓ کا ایمان ملاحظہ فرمائیں کہ باپ کے قتل ہو جانے کا غم نہیں ہے بلکہ دکھ ہے تو اس کے اسلام نہ لانے کا۔ ہم سب کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ کیا ہم بھی اسلام کو اتنی اہمیت دیتے ہیں یا یہ ایسی چیز ہے جو زمین، جائیداد کی طرح پیدائشی طور پر ہمیں مفت مل گئی ہے۔

(8) جنگ کے دوران آپؐ جہاد کی ترغیب دے رہے تھے اور ساتھ ہی جنت کی بشارت اور جنت کے بارے میں کچھ تفصیل بھی بتا رہے تھے۔ ایک صحابی حضرت عُمیرؓ بن حمام کھجوریں کھا رہے تھے۔ آپؐ کی باتوں نے ان پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ کھجوریں ان کی شہادت میں تاخیر کا باعث ہو سکتی ہیں لہٰذا انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور کفار سے زوردار لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(9) ایک صحابی حضرت عوفؓ بن حارث ① نے آپؐ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کی کس بات سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ وہ مسکراتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب کوئی مسلمان بغیر ہتھیاروں کے بھی دشمن کی فوج میں گھس کر جہاد کرے۔ اس پر حضرت عوفؓ کے ایمان نے ایسا جوش مارا کہ انہوں نے اپنے جسم

---

① حضرت عوفؓ عرب کی مشہور خاتون حضرت عَفراءؓ کے بیٹے تھے۔ حضرت عفراءؓ کے سات بیٹے تھے۔ غزوہ بدر میں وہ سب شریک ہوئے اور تین نے شہادت پائی۔ آپؓ کو سات مجاہدوں کی ماں بھی کہتے ہیں۔

پر پہنا ہوا لوہے کا لباس (زرہ) اتار پھینکا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بالآخر انہیں شہادت نصیب ہوئی۔

(10) جنگ کے دوران فرشتوں نے کفار کی گردنیں کاٹیں۔ حضرت ابو داؤد مازنیؓ بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایک کافر کو قتل کرنے کے لیے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے تلوار بھی نہیں چلائی اور اس کافر کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اسی طرح کئی کافروں کو فرشتوں نے کوڑوں سے پیٹا جس سے وہ بری طرح زخمی ہو گئے۔ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ (جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا) اس جنگ کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ اس دن کفار کے لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹ رہے تھے لیکن یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ ایسا کون کر رہا ہے ؟

(11) اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت زیادہ مال غنیمت آیا جس کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا کیونکہ کچھ لوگوں نے کہا کہ جس کے ہاتھ جو آیا ہے وہ اس کا ہے۔ اس پر آپؐ نے تمام صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ سارا مال آپؐ کے پاس جمع کرائیں۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت خوش دلی سے فوری طور پر آپؐ کے حکم کی اطاعت کی۔ یہ واقعہ بھی صحابہ کرامؓ کے روشن ایمان کی ایک مثال ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال غنیمت تقسیم فرمایا۔

اس غزوہ سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

اس غزوہ سے ہم بے شمار چیزیں سیکھ سکتے ہیں۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(1) آپؐ نے جنگ سے پہلے انصاریوں کے لیے علیحدہ علمبر دار مقرر فرمایا اور مہاجرین کے لیے علیحدہ۔ اس حکمت عملی سے صحابہ کرامؓ کے تمام گروہ مطمئن رہے اور

کسی کی دل آزاری نہیں ہوئی۔

(2) آپؐ نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کو مدینے کا سربراہ مقرر فرمایااور یہ بھی حکم دیا کہ نماز کی امامت بھی وہی کرائیں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم نابینا تھے۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نابینا (جنہیں سپیشل لوگ "Special Persons" کہاجاتاہے) شخص کو بھی اتنا بڑاعہدہ اور رتبہ دیاجاسکتاہے۔

(3) آپؐ نے کفار کے لشکر کے بارے میں خفیہ معلومات حاصل کیں (تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہے) گویا جنگ میں جاسوسی کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ نہایت مفید ہے۔

(4) آپؐ کی ذہانت کا اندازہ لگایئے کہ آپؐ نے کفار کے غلاموں سے صرف یہ معلوم کر کے کہ کفار روزانہ 9 یا 10 اونٹ ذبح کرتے ہیں اس بات کا حساب لگالیا کہ کفار کی تعداد 950 ہے اور وہ اتنے ہی تھے۔اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں دنیاوی علوم پر بھی عبور حاصل کرنا چاہیے۔

(5) آپؐ نے اپنے لشکر کو ریت والی زمین پر ٹھہرایا جبکہ کفار کا لشکر جمی ہوئی مٹی والی زمین پر ٹھہرا۔ جنگ سے پہلے والی رات اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی۔اس سے مسلمانوں والی زمین سخت ہوگئی جبکہ کفار والی جگہ کیچڑ میں تبدیل ہوگئی۔ ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ مستقبل کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ سازی(Planning) کرنی چاہیے۔

(6) اسی طرح سے آپؐ نے حالات کو اس طرح سے ترتیب فرمایا کہ جب جنگ ہوئی تو سورج کی وجہ سے مسلمانوں کی تلواروں کی چمک کافروں کی آنکھوں میں پڑتی تھی

جس سے انہیں لڑائی میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

(7) آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ جب تک آپؐ جنگ شروع کرنے کا حکم نہ دیں کوئی جنگ شروع نہیں کرے گا۔ فوجی نقطہ نظر سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ آخری حکم سپہ سالار اعلیٰ کا مانا جائے گا۔

(8) آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ حکم فرمایا کہ دشمن جب ان پر حملہ کرے تو وہ تیروں سے مقابلہ کریں لیکن تیروں کو ہرگز ضائع نہ کریں۔ یہ تھوڑے اسلحے سے جنگ جیتنے کی بہترین حکمت عملی ہے۔ مسلمانوں نے یہی طریقہ بعد میں بہت سی جنگوں میں استعمال کیا۔

(9) آپؐ نے جن تین صحابہؓ کو سب سے پہلے جنگ کے لیے بھیجا ان میں حضرت عبیدہؓ بن حارث بھی شامل تھے۔ وہ کافی بوڑھے تھے۔ اس وقت ان کی عمر 63 سال تھی اور ان کے مقابلے میں کفار کے چوٹی کے شہسوار اور جنگجو تھے مگر جب آپؐ نے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے کوئی بہانہ نہیں بنایا بلکہ آپؐ کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اس سے ہمیں بھی اتباع رسول ﷺ کا درس ملتا ہے۔

(10) جنگ سے پہلے والی ساری رات آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے گزاری جبکہ کفار نے شراب پی اور خوب موج مستی کی۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بھی معرکے یا مشکل میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کی جائیں۔

(11) حضور ﷺ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور آپؐ اونچائی پر بنائے گئے چھپر (Command Post) میں تشریف فرما تھے تاکہ ساری جنگ پر نظر رکھی جاسکے۔ اس جگہ پر صحابہ کرامؓ خاص طور پر آپؐ کی حفاظت بھی فرما رہے تھے۔ عین اسی جگہ مسجد العریش تعمیر کی گئی ہے۔

(12) آپؐ پوری جنگ کے دوران مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ کبھی فرماتے کہ شُدّوا (ان پر چڑھ دوڑو) اور کبھی فرماتے کہ آج کے دن جو مسلمان بھی ڈٹ کر لڑے گا اور شہید ہو جائے گا تو اسے یقینی طور پر جنت ملے گی یعنی جنت کی گارنٹی دیتے۔ کبھی جنت کا نقشہ کھینچتے کہ جنت کی وسعت زمین اور آسمانوں کے برابر ہے۔

(13) تکبر اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔ ابو جہل کو اس کے تکبر نے ہی ذلیل کرایا۔ اس نے قتل ہوتے ہوئے بھی حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کو چرواہا کہا۔ اسی طرح سے جنگ ٹالنے کے لیے کچھ لوگوں نے کوشش کی مگر ابو جہل نہ مانا اور بالآخر قتل ہوا۔

(14) جنگ سے پہلے آپؐ نے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے ان کے ساتھ مشورہ فرمایا اور یوں انصاری صحابہ کرامؓ سے مدینے سے باہر بھی لڑائی کا وعدہ لے لیا۔ اس سے پورے لشکر میں مزید اتحاد پیدا ہو گیا اور اس کا اظہار بھی ایسے ہوا کہ عام جنگ شروع ہونے سے پہلے جو تین صحابہ کرامؓ کفار کے تین لوگوں کے مقابلے میں نکلے وہ تینوں انصاری صحابہؓ تھے۔ اسی طرح سے آپؐ نے اپنے لشکر کو بدر کے نزدیک ترین ایک چشمے پر اتارا تو ایک صحابی حضرت حبابؓ بن منذر نے جنگی اعتبار سے مفید مشورہ دیا کہ لشکر کفار کے قریب ترین والے پانی کے چشمے پر مسلمانوں کا لشکر ٹھہرے تاکہ تمام پانی کا کنٹرول مسلمانوں کے پاس رہے۔ آپؐ نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور لشکر کو آگے لے گئے۔ اسلام میں مشاورت (مشورہ کرنا) کی بہت فضیلت ہے بلکہ حکم ہے۔ آپؐ نے ہر اہم موقع پر صحابہ کرامؓ سے نہ صرف مشورہ فرمایا بلکہ اچھے مشورے کو قبول بھی فرمایا۔ ہماری بدقسمتی دیکھیے کہ ہم اپنے گھروں میں، دفتروں میں اور کاروباری مقامات پر اپنے متعلقہ لوگوں سے مشورہ کرنا گوارا ہی نہیں کرتے۔ جو جہاں سربراہ ہے وہ دوسروں سے مشورہ کرنا اپنی شان کے

خلاف سمجھتا ہے۔ میں اپنی ہر میٹنگ میں ایک بات اکثر دہراتا ہوں کہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر وحی آتی تھی۔ اس کے باوجود آپؐ مشورہ فرماتے تھے لیکن ہم عموماً مشورہ نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے ہمارے ذاتی، دفتری، کاروباری اور ملکی معاملات میں برکت نہیں ہوتی۔

(15) دونو عمر صحابہ کرامؓ نے ابوجہل کو قتل کرنے کی ٹھانی۔ وجہ؟ وجہ یہ تھی کہ انہیں معلوم ہوا کہ یہ ذلیل شخص آپؐ کو گالیاں بکتا ہے۔ دیکھیں! ابوجہل کو چاروں طرف سے کفار کے فوجیوں نے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ اسے قتل کرنا تو دور کی بات، اسے چھونا بھی بظاہر ممکن نہ تھا مگر اللہ کے ان شیروں نے ایک ہدف (Target) چنا اور اسے پورا کر کے رہے۔ یہ ہے جذبہ ایمانی، مستقل مزاجی اور ناممکن کام کو ممکن بنا دینے والا عزم و حوصلہ۔ اس میں ہمارے لیے کئی سبق موجود ہیں۔

(16) کفار مکہ کے لشکر میں ابوالبختری بھی شامل تھا۔ گو یہ دارلندوہ میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شہید کرنے کے مشورے میں شامل تھا تاہم اس نے مکہ میں آپؐ کو براہ راست کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی نیز شعب ابی طالب میں قید کے بعد معاہدہ پھاڑنے والوں میں یہ شامل تھا لہٰذا آپؐ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ کتنی بڑی بات ہے کہ جو شخص کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف تلوار لے کر کھڑا ہوا ہے۔ آپؐ نے اس کے تھوڑے سے اچھے کردار کی وجہ سے واضح طور پر اسے قتل نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[1] اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ

---

[1] یہ اسی جنگ میں قتل ہو گیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ خود بنا۔ ایک صحابی حضرت مجذرؓ جب ابوالبختری کے ساتھی کو قتل کرنے لگے تو اس نے کہا کہ میں اپنے ساتھی کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔ اس پر حضرت مجذرؓ نے اسے بتایا کہ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے (ابوالبختری) کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ اپنے ساتھی کو کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار نہیں تھا لہٰذا مجبوراً اسے بھی قتل کرنا پڑا۔

اگر کسی کافر نے بھی آپ کے ساتھ کوئی چھوٹی سی بھلائی کی ہو تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ یہ آپؐ کے اخلاق کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

(17) کفار کے لشکر میں دو ایسے شخص تھے جنہوں نے مکہ میں آپؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام نضر بن حارث تھا اور یہ کفار کے لشکر کا علمبردار بھی تھا۔ دوسرے شخص کا نام عُقبہ بن اَبی مُعیط تھا۔ عقبہ نے آپؐ کے اوپر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی تھی جب آپؐ حالت نماز میں تھے نیز اسی لعین نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر آپؐ کو (نعوذ باللہ) شہید کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور حضرت ابو بکرؓ نے بڑی مشکل سے آپؐ کی جان بچائی تھی۔ یہ دونوں آپؐ کے پڑوسی بھی تھے اور ہر طرح سے آپؐ کو ستاتے تھے۔ ہجرت کی رات یہ بد بخت لعین تلواریں لے کر آپؐ کو شہید کرنے کی غرض سے آپؐ کے گھر کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ جنگ میں یہ دونوں قیدی بنا لیے گئے۔ آپؐ نے بدر سے مدینہ جاتے ہوئے راستے میں انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ دونوں قتل کر دیے گئے۔ گویا ایسے مجرم کو قیدی بنانے کے بعد بھی قتل کرنا جائز ہے۔

(18) آپؐ نے جب اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کا ہار (تفصیل گزر چکی ہے) واپس کرنا چاہا تو صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا بلکہ اجازت طلب کی کہ اگر تم سب اس بات پر راضی ہو تو؟ کون ایسا سربراہ حکومت ہو گا جو اللہ کا رسول ﷺ بھی ہو اور پھر وہ اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اپنے جان نثار صحابہؓ سے اجازت طلب کرے۔ یہ بات بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اگر آپؐ بغیر مشورے اور اجازت کے ایسا کرتے تو منافقین کو طرح طرح کی باتیں بنانے کا موقع مل جاتا۔

(19) اسی واقعے میں آپؐ نے اپنے داماد ابو العاص (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو فدیہ معاف کر دیا مگر ان سے وعدہ لیا کہ وہ اپنی بیوی یعنی آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ آنے کی اجازت دے دیں گے۔ مکہ پہنچ کر ابو العاص نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اب ذرا غور کریں کہ اس وقت تک ابو العاص مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر انہوں نے پھر بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ کیا ہم مسلمان ہو کر بھی اپنے وعدے پورے کرتے ہیں؟

(20) ایک کافر تقریر کرنے میں بڑا ماہر تھا۔ اس کا نام سُہیل بن عمرو تھا۔ ایک صحابیؓ نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ اس کے سامنے کے دو دانت تڑوا دیے جائیں تاکہ یہ آپؐ اور اسلام کے خلاف تقریر نہ کر سکے لیکن آپؐ نے یہ مشورہ نہ مانا کیونکہ ایسا کرنے کو مُثلہ کہتے ہیں اور اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔ اس کے برعکس کافروں نے جنگ احد میں مسلمان شہدا کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ یہ ہے اسلام اور کفر میں فرق۔

(21) آپؐ نے جنگی قیدیوں کا تبادلہ (Exchange of Prisoners of War) بھی فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن نعمان جو مکہ میں قید تھے کی رہائی کے بعد بدر کے ایک کافر قیدی عمرو کو رہا کیا گیا۔ عمرو بیٹا تھا ابو سفیان کا۔

(22) جنگ بدر کے وقت آپؐ کی عمر 55 سال تھی۔ حضرت ابو بکرؓ آپؐ سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے۔ حضرت حمزہؓ عمر میں آپؐ سے تقریباً دو سال بڑے تھے مگر ان سب لوگوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ حضرت حمزہؓ نے تو کافروں کو بے پناہ نقصان پہنچایا۔ اس عمر میں ان حضرات کی صحت کا اندازہ لگائیں جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ 35 یا 40 سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی پیٹ باہر

نکل آتا ہے اور اب تو خیر سے زیرو سائز کے نوجوان آگئے ہیں جن کو ایک مکا پڑے تو شاید اٹھ بھی نہ سکیں۔ یہاں سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی صحت کا ہر صورت خیال رکھا جائے۔ اس کا بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ رات کو جلدی سونا، صبح جلدی اٹھنا، کم کھانا، صحت مند کھیلوں میں حصہ لینا، سادہ طرز زندگی اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔

(23) حضرت عثمان غنیؓ نے بدر میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ کی بیوی حضرت رُقَیہؓ (جو آپؐ کی بیٹی تھیں) سخت بیمار تھیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے حضرت عثمانؓ کا مدینے میں رہنا ضروری تھا۔ جنگ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خاندان (Family) کا ہم پر کتنا زیادہ حق ہے۔ حضرت عثمانؓ بہت امیر شخص تھے۔ ان کے پاس نوکروں، غلاموں اور لونڈیوں کی کوئی کمی نہیں تھی مگر انہوں نے بیماری میں اپنی زوجہ محترمہ کا خود خیال رکھا۔

(24) سب سے اہم سبق جو ہمیں اس غزوہ سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے لشکر شام کے وقت بدر کے مقام پر پہنچ چکے تھے اور شام کو (اونٹ ذبح کرنے والے واقعے سے) مسلمانوں کو آپؐ کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ کفار کے لشکر کی تعداد 950 ہے جبکہ اپنے لشکر کی تعداد تو انہیں پہلے سے ہی معلوم تھی کہ وہ کل 313 ہیں۔ اب ذرا توجہ فرمائیے کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں تین کافر تھے لہٰذا اگلی صبح موت یقینی تھی کیونکہ یہ ہاتھوں سے لڑی جانے والی جنگ تھی۔ آج کل کی طرح کوئی بندوق، میزائل یا توپ تو نہیں تھی جس سے تھوڑے لوگ بھی زیادہ لوگوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ پھر اس لڑائی میں گھوڑوں،

اونٹوں اور جنگی اسلحے سے جو لشکر لیس تھا وہ کافروں کا تھا اور ان کے پاس کھانے پینے کا سامان اور راشن بھی وافر مقدار میں موجود تھا اور اگر صحابہ کرامؓ کے قد کاٹھ اور صحت اچھی تھی تو آگے مقابلہ کرنے والے ان کے اپنے ہی قبیلے کے لوگ تھے۔ گویا اس نازک ترین صورتحال میں رات کے اندھیرے میں چپکے سے مسلمانوں کو وہاں سے کھسک جانا چاہیے تھا۔ جب اگلی صبح آپؐ دیکھتے تو وہ اکیلے ہی میدان میں ہوتے یا چند صحابہؓ ان کے ساتھ ہوتے۔ رات کو وہاں سے کھسکنا کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا کیونکہ لشکر ایک کھلے میدان میں تھا۔ آج کل کی طرح کوئی فوجی بیرک نہیں تھی اور نہ لشکر کے ارد گرد کوئی خار دار تار تھی لیکن تاریخ نے اگلی صبح ایک عجیب منظر دیکھا کہ اتنی گھمبیر صورتحال کے باوجود ایک صحابیؓ بھی آپؐ کو چھوڑ کر نہیں گیا۔ رات کو بھی 313 تھے اور صبح بھی 313 ہی تھے۔ یہ ہے جذبہ ایمانی، یہ ہے عشق رسول ﷺ اور یہ ہے بدری صحابہؓ کی شان جن کا ذکر آپؐ ہمیشہ اچھے کلمات میں کرتے تھے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(25) جن کفار نے ابو جہل کی بات نہیں مانی بلکہ اپنی عقل و دانش کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی وہ فائدے میں رہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی عقل کا بھی استعمال کرنا چاہیے۔

نتیجہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح فتح نصیب فرمائی اور کفار مکہ کے حصے میں ذلت آمیز شکست آئی۔ اس جنگ سے تمام عرب پر مسلمانوں کا رعب پڑ گیا اور عبداللہ بن ابی جیسا شخص جو اب تک اسلام کی کھلم کھلا دشمنی کرتا تھا اسلام لے آیا لیکن دل سے نہیں یعنی منافق کی حیثیت سے۔ دیگر منافقین بھی بظاہر اسلام لے آئے۔ اب تمام قبیلوں نے مسلمانوں کو ایک بڑی قوت کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا۔

پہلی عید الفطر اور متفرق واقعات

بدر کی جنگ 2 ہجری میں رمضان المبارک کی 17 تاریخ کو لڑی گئی۔ روزے بھی دو ہجری میں فرض ہوئے۔ اسی سال زکوٰۃ کی تفصیل کا حکم آیا اور اسی سال ہی فطرانہ فرض ہوا۔ مسلمانوں نے اسی سال یعنی دو ہجری میں پہلی عید الفطر منائی اور وہ بھی دہری خوشی کے ساتھ، ایک عید کی خوشی اور دوسری غزوہ بدر کی شاندار فتح کی خوشی۔ اسی سال حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ اُس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر 18 سال تھی۔ حضرت علیؓ کے پاس اپنا ذاتی گھر نہیں تھا۔ اس لیے وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھے۔ شادی کے بعد حضرت حارثؓ بن نعمان (جو ایک انصاری صحابی تھے) نے انہیں رہنے کے لیے اپنا ایک گھر دے دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت حارثؓ بن نعمان کئی مکانات کے مالک تھے جن میں وہ کافی مکانات پہلے ہی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر چکے تھے۔

یہ اسلام اور کفر کی پہلی بڑی لڑائی تھی اور نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے اسے قدرے تفصیل سے تحریر کیا گیا ہے۔

نقشہ برائے غزوہ بدر

- کفار جنگ کے لیے مکہ سے بدر گئے۔
- حضور ﷺ مدینہ سے بدر تشریف لے گئے۔
- بدر کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔
- بدر کے اور بھی کئی حوالے اس کتاب میں موجود ہیں لہٰذا یہ نقشہ ان تمام کے لیے بھی ہے۔



غزوہ کُدر

یہ غزوہ بدر سے واپسی کے صرف سات دن بعد پیش آیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو سُلَیم مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاری کر رہا ہے۔ ان کی سرکوبی کے لیے آپؐ نے 200 صحابہ کرامؓ کو ساتھ لیا اور اس قبیلے کی رہائش کی جگہ (جس کا نام کُدر تھا) پہنچ گئے۔ یہ سارے صحابہ کرامؓ سوار تھے (یعنی پیدل کوئی نہیں تھا)۔ بنو سلیم کے لوگ اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے۔ مسلمانوں کو 500- اونٹ بطور مال غنیمت حاصل ہوئے۔

کفار کی الٹی ہو گئیں سب تدبیریں

بدر کی جنگ نے مکہ کے کافروں کے دلوں میں انتقام کی آگ مزید بھڑکا دی تھی جس کے نتیجے میں ایک واقعہ رونما ہوا۔ واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ بدر کے قیدیوں میں سے ایک قیدی کا نام وہب بن عُمَیر تھا۔ اس کے والد عُمَیر جمحی نے صفوان بن امیہ سے مل کر آپؐ کو شہید کرنے کی سازش تیار کی۔ منصوبہ یہ بنایا گیا کہ عمیر اپنے قیدی بیٹے کا فدیہ ادا کرنے کے بہانے سے مدینہ جائے گا اور اس کی آمد پر مسلمانوں کو کوئی شک بھی نہیں ہو گا کیونکہ اس کے پاس ایک معقول وجہ ہو گی یعنی بیٹے کی رہائی۔ مدینہ پہنچ کر وہ آپؐ کو اپنی زہر آلود تلوار سے شہید کر دے گا۔ اس کے بدلے میں صفوان بن امیہ نے تا زندگی عمیر کے خاندان کی مکمل کفالت کی ذمہ داری لی نیز یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کا قرض بھی ادا کر دے گا۔ منصوبے کے مطابق عمیر مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ کو اس کی نیت پر شک ہو گیا۔ انہوں نے

اس کی تلوار کو قبضے میں لے لیا اور کچھ صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے پاس حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ یہ سب انتظامات کرنے کے بعد اسے آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے آنے کی وجہ پوچھی جس پر اس نے اپنے قیدی بیٹے کی رہائی کا بہانہ بنایا۔ اس پر آپؐ نے اسے پورا واقعہ بتا دیا کہ کس طرح اس نے اور صفوان بن امیہ نے حطیم ① میں بیٹھ کر آپؐ کے قتل کی سازش تیار کی۔ یہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا کیونکہ اس سازش کا ان دونوں سازشیوں کے علاوہ کسی اور کو ہرگز علم نہ تھا۔ بالآخر وہ پکار اٹھا کہ یہ غیب کی باتیں صرف اللہ کا سچا نبیؐ ہی بتا سکتا ہے اور اس نے اسلام قبول کر لیا (سبحان اللہ)۔ آپؐ نے اسے معاف فرما دیا اور اس کے قیدی بیٹے کو بھی رہا کر دیا۔ یہ دشمن رسول ﷺ چند ہی لمحوں میں آپؐ کے صحابیؓ بن چکے تھے۔ انہوں نے اسلام کی باتیں سیکھ کر مکہ جا کر خوب تبلیغ کی اور ان کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

یہودیوں سے پہلی جنگ

(غزوہ بنو قینقاع)

بنو قینقاع مدینے میں آباد یہودی قبیلوں میں سے ایک قبیلے کا نام تھا۔ اسی نسبت سے اس غزوے کا نام غزوہ بنو قینقاع پڑ گیا۔ یہ غزوہ 2 ہجری میں شوال کے مہینے میں پیش آیا۔ یہودیوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک دفعہ ایک نہایت بوڑھے یہودی (جس کا نام شاش بن قیس تھا) کا گزر ایک ایسے مجمع کے قریب سے ہوا

① حطیم خانہ کعبہ کے ساتھ جڑا ہوا حصہ ہے جس کی دیواریں چند فٹ اونچی ہیں۔ اس پر چھت نہیں ہے۔ اس میں نفل ادا کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے خانہ کعبہ کے اندر نفل ادا کرنا۔

جس میں قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے مسلمان آپس میں بیٹھ کر خوش گپیاں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ جل گیا اور اس نے سازش تیار کی۔ اس نے ایک یہودی نوجوان کو سمجھا کر اس مجمع میں بھیج دیا جس نے وہاں پہنچ کر قبیلوں کو ان کی پرانی دشمنی یاد دلائی۔ اس پر دونوں قبیلوں نے تلواریں اٹھا لیں اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ جیسے ہی یہ خبر آپؐ تک پہنچی آپؐ فوراً وہاں پہنچے اور انہیں سمجھایا اور ان کے درمیان صلح کرا دی۔

اس زمانے میں قلعے کی بہت اہمیت ہوتی تھی۔ مدینے میں کل 72 قلعے تھے جن میں سے 59 یہودیوں کی ملکیت تھے۔ یہ معاشی طور پر بھی بہت مضبوط تھے۔ ان کے تین بڑے قبیلے (بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ) مدینے میں آباد تھے۔ بنو قینقاع کا قبیلہ یہودیوں کے دوسرے قبیلوں سے زیادہ سرکش، ضدی، اکڑ باز اور بدمعاش تھا۔ ان میں سے کافی لوگ سونے (سنار) کا کاروبار کرتے تھے اور کچھ لوگ لوہے کا اور برتنوں کا۔ اس لیے یہ نہ صرف امیر تھے بلکہ جنگی ہتھیار وغیرہ بھی خود بنا لیتے تھے۔ اس قبیلے میں 700 جوان مرد تھے۔ اس لیے ان عوامل کی بنیاد پر انہیں بڑا ناز تھا۔ غزوہ بدر کے بعد انہوں نے مدینے کے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے مسلمان عورتوں سے بھی بدتمیزی شروع کر دی۔ اس پر بدر سے واپسی کے بعد آپؐ نے انہیں خود جا کر سمجھایا مگر انہوں نے اس کے جواب میں دھمکیاں دیں اور کہنے لگے کہ ہم مکہ کے اناڑی کفار نہیں جنہیں آپ نے بدر میں شکست دے دی ہے۔ جب ہم سے واسطہ پڑے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کتنے سخت جنگجو ہیں۔ بالآخر ایک واقعے نے جنگ کو جنم دیا۔ ایک مسلمان عورت ان کے بازار میں ایک یہودی سنار کے پاس گئی۔ یہودیوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنا چہرہ دکھائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر یہودیوں نے اس عورت کے کپڑوں کا پشت والا حصہ اس طرح باندھ دیا کہ اس عورت کو پتا ہی نہ چلا۔ وہ بے دھیانی میں جب اٹھی تو جسم کا کچھ حصہ بے پردہ ہو گیا۔

اس پر یہودیوں نے خوب قہقہے لگائے۔ عورت کی فریاد سن کر ایک مسلمان نے اس یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ موقع پر ہی یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اب آپؐ کے پاس کوئی اور راستہ بچا ہی نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس فتنے کی سرکوبی کی جائے۔ یہودیوں نے اپنے آپ کو قلعوں میں بند کر لیا۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ دن جاری رہا۔ بالآخر یہودیوں نے اپنے آپ کو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حوالے کر دیا۔ آپؐ ان سب کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر منافقوں کے سربراہ عبد اللہ بن ابی نے آپؐ کی منتیں کرنا شروع کر دیں کہ انہیں معافی دی جائے کیونکہ یہودی ان کے حلیف ہیں۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ شام کی طرف جلا وطن کر دیا جائے۔ اس قبیلے کے مال کو ضبط کر لیا گیا۔ ان کی عورتوں کی عصمت کی مکمل حفاظت کی گئی حالانکہ اس زمانے میں فاتح کا جو دل چاہتا تھا وہ کرتا تھا جس میں عورتوں کی بے حرمتی اور عصمت دری تو پہلی چیز تھی لیکن یہاں پر آپؐ کے جان نثاروں میں سے کسی نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس قبیلے کے سارے مال میں سے آپؐ نے اپنے لیے صرف جنگی سامان پسند فرمایا۔ اس جنگی سامان میں تین تلواریں، تین کمانیں، تین نیزے اور دو زرہیں تھیں۔ اس سے اس وقت کے حالات کا بھی پتہ چلتا ہے اور جہاد کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور یہ بھی کہ آپؐ کو سونے سمیت کسی دنیاوی چیز سے کوئی غرض نہیں تھی۔

غزوہ سَوِیق

غزوہ سَوِیق[1] غزوہ بدر کے دو ماہ بعد 2 ہجری ذی الحجہ کے مہینے میں پیش آیا۔ ابوسفیان نے 200 سواروں کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا مگر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ہمت نہ

---

① سَوِیق کا معنی ہے ستو

ہوئی۔ وہ اور اس کا جنگی قافلہ مدینہ سے تقریباً 19 کلو میٹر دور ایک پہاڑی پر اترا۔ اس پہاڑی کا نام نیب تھا۔ قافلے کو وہاں ٹھہرا کر وہ مدینے کے ایک یہودی سلام بن **مشکم** کے ہاں پہنچا جس نے شراب سمیت اس کی خوب خاطر تواضع کی اور اسے مدینے کے حالات کے بارے میں معلومات دیں۔ ابو سفیان واپس نیب پہنچا اور اپنے چند سپاہیوں کو لے کر دوبارہ مدینہ پہنچا اور مدینے کے نواح میں کھجور کے کچھ درختوں کو آگ لگا دی اور ایک انصاری صحابیؓ اور اس کے حلیف ایک شخص کو شہید کر کے فرار ہو گئے۔ جوں ہی یہ خبر آپؐ تک پہنچی آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو لے کر تیزی سے ان کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ کفار اپنی رفتار تیز کرنے کے لیے اپنے ساتھ لائے ہوئے خوراک کے سامان میں سے ستوؤں کے تھیلے گراتے چلے گئے تاکہ وزن کم ہو سکے۔ یہ سامان مسلمانوں نے اٹھالیا۔ ان سَتوؤں کی وجہ سے ہی اس کا نام غزوہ سَوِیق رکھا گیا ہے۔ یعنی سَتوؤں والا غزوہ۔

غزوہ ذی امر

یہ غزوہ 3 ہجری صَفر کے مہینے میں پیش آیا۔ آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور دیگر قبیلوں کی ایک بڑی فوج تیاری کر رہی ہے کہ وہ مدینے میں مسلمانوں پر حملہ کریں۔ آپؐ فوری طور پر 450 مسلمانوں کو لے کر اس چشمے تک پہنچ گئے جہاں کفار کی فوجوں نے اکٹھا ہونا تھا۔ اس چشمے کا نام ذی امر تھا۔ اسی نسبت سے اس غزوے کو ذی امر کہتے ہیں۔ کفار تو بھاگ گئے مگر آپؐ نے وہاں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا جس سے وہاں کے تمام قبیلوں پر مسلمانوں کا رعب پڑ گیا۔

یہودی سردار کعب کا قتل

اس شخص کو اسلام سے سخت دشمنی تھی۔ یہ بہت ہی امیر تھا اور انتہائی خوبصورت تھا۔ یہ اعلیٰ درجے کا شاعر بھی تھا۔ مدینے میں یہ ایک قلعے کا مالک تھا (اس قلعے کے آثار آج بھی موجود ہیں)۔ یہ مسلمانوں کے خلاف اور کافروں کے حق میں شعر کہتا تھا۔ اسلام دشمنی میں غزوہ بدر کے بعد یہ مکہ گیا۔ وہاں کے کافروں کو اپنے اشعار اور باتوں سے مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور انہیں مدینے پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اپنی بھرپور مدد کا بھی یقین دلایا۔ پھر اس نے مسلمان عورتوں کے بارے میں نازیبا شعر کہنے شروع کر دیے جس سے مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی۔ بالآخر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا۔ کون ہے جو اس بدبخت لعین کا سر قلم کرے؟ اس پر حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ان کے ساتھ چار صحابہؓ بھی تھے۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ ہی اس چھوٹے سے فوجی دستے کی قیادت فرما رہے تھے۔ انہوں نے نہایت عقلمندی سے اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

حضرت محمدؓ بن مسلمہ یہودی کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے کچھ غلّہ ① ادھار مانگا۔ اب اس یہودی کی کمینگی دیکھیے۔ اس نے غلے کے بدلے محمدؓ بن مسلمہ سے گارنٹی کے طور پر ان کی عورتیں طلب کیں۔ بالآخر آپؓ نے باربار درخواست کرکے اسے منا لیا کہ گارنٹی کے طور پر وہ اپنے جنگی ہتھیار اس کے پاس رکھ دیں گے۔ دراصل آپؓ نے ایسا

---

① غلہ بھی ایک یا دو وسق مانگا۔ جیسے پنجاب میں گندم ناپنے کا پیمانہ ٹوپہ ہے۔ ایسے ہی عرب میں وسق تھا جو غلہ ناپنے کا پیمانہ تھا۔ آج کل کے لحاظ سے ایک وسق میں تقریباً 130 کلو گرام ہوتے ہیں یعنی 3 من اور 10 کلو۔ حضور ﷺ کے دور میں صاع کا پیمانہ بھی استعمال ہوتا تھا۔ ایک وسق میں 60 صاع ہوتے تھے۔

اس لیے کیا کہ جب وہ جنگی ہتھیار ساتھ لے کر جائیں تو کعب کو بالکل شک نہ ہو۔ اس دستے کے دیگر مسلمان افراد نے بھی باری باری کعب کے پاس جا کر کچھ ایسی ہی باتیں کیں جس سے کعب کو ان پر مکمل اعتماد ہو گیا نیز اس دستے میں شامل ایک مسلمان جس کا نام حضرت سلکانؓ تھا۔ وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت سلکانؓ کو ابو نائلہ بھی کہتے تھے۔ بالآخر یہ مختصر قافلہ 3 ہجری ربیع الاول، چاند کی چودھویں رات کو روانہ ہوا اور کعب کے گھر پہنچ کر اسے آواز دی۔ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ تھا۔ اس دلہن نے اسے خبر دار کیا کہ یہ ایک خطرناک آواز ہے مگر اس نے اس کی بات پر توجہ نہ دی۔ کعب اور یہ قافلہ باتیں کرتے کرتے چلتا رہا۔ حضرت ابو نائلہؓ نے اس خوشبو کی تعریف کی جو کعب نے لگائی ہوئی تھی اور کہنے لگے کہ وہ اسے سونگھنا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا ضرور۔ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے کعب کا سر قابو کر لیا اور باقی مسلمانوں نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس قتل پر چپ سادھ لی اور وہ مسلمانوں سے بہت ڈر گئے۔ اس سریے میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے آپؐ نے ان کو دیکھ کر ان کے لیے یہ دعا فرمائی۔ ”یہ چہرے کامیاب رہیں“۔

غزوہ بحران

یہ غزوہ 3 ہجری میں ربیع الثانی کے مہینے میں ہوا۔ یہ ایک طرح کی فوجی مہم تھی۔ آپؐ کے ساتھ تین سو کا لشکر تھا۔ آپؐ اپنے صحابہ کرامؓ سمیت بحران (یہ علاقہ حجاز کے اندر واقع ہے) کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ وہاں پر تقریباً دو مہینے قیام فرمایا۔ عملی طور پر اس غزوے میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

سریہ قردہ

کفار مکہ کی معیشت کا زیادہ تر انحصار تجارت پر تھا۔ وہ گرمیوں کے موسم میں شام سے تجارت کرتے تھے اور سردیوں کے موسم میں حبشہ سے۔ غزوہ بدر کے بعد شام جانے والی تجارتی شاہراہ محفوظ نہ تھی لہٰذا کفار مکہ نے عراق کے راستے سے تجارتی قافلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس خبر کو نہایت خفیہ رکھا مگر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ ایک کافر نعیم بن مسعود (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر یہ ساری بات ایک مسلمان حضرت سلیطؓ کو بتا دی اور انہوں نے تیزی سے مدینہ پہنچ کر سارے واقعے کی خبر آپؐ کو دی۔ آپؐ نے 100 صحابہ کرامؓ کو قافلے پر حملے کے لیے بھیجا۔ کفار کا یہ تجارتی قافلہ ایک چشمے پر رکا (اس چشمے کا نام قردہ تھا جس کی نسبت سے یہ سریہ قردہ کہلاتا ہے)۔ مسلمانوں نے اسی وقت ان پر حملہ کر دیا۔ کافر بھاگ گئے اور تقریباً ایک لاکھ درہم کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا (اس زمانے کا ایک درہم خالص چاندی کے 2.97 گرام کے برابر تھا)۔ مسلمانوں کی اس کامیابی پر کافر تلملا کر رہ گئے کہ اتنی خفیہ خبر آپؐ تک پہنچ کیسے گئی؟

اس جنگ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارث کو فوجی دستے کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں حضرت زیدؓ غلام تھے جنہیں آپؐ نے آزاد کر دیا تھا۔ یہ اسلام ہی ہے جو ایک غلام کو بڑے بڑے امیروں اور سرداروں کا کمانڈر بنا دیتا ہے۔

غزوہ احد

یہ غزوہ 3 ہجری (624 عیسوی) میں پیش آیا۔

وجوہات

اس غزوہ کی بہت ساری وجوہات تھیں۔ ان میں سے چند اہم وجوہات درج ذیل ہیں:۔

(1) آپ پڑھ چکے ہیں کہ غزوہ بدر کی ایک وجہ ایک کافر کا قتل تھا جس کا نام عمرو بن الحضرمی تھا۔ بدر میں اس کا بدلہ لیتے لیتے کفار مکہ اپنے 70 لوگوں کو قتل کرا بیٹھے اور 70 ہی قیدی بنا لیے گئے۔ اب اس دردناک اور ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا ان کے نزدیک زندگی کا مقصد بن چکا تھا۔ کفار مکہ کے سرداروں نے مکہ والوں پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ اپنے مرنے والوں پر ماتم اور نوحہ نہیں کریں گے۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس سے مقتولین کے خاندانوں اور ان کے قبیلوں کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہیں پڑے گا کیونکہ جب بھی کوئی شخص رو دھو لیتا ہے تو وہ قدرے سکون میں آجاتا ہے نیز نوحہ کرنے سے مسلمانوں کو خوشی میسر آئے گی۔ اس کے علاوہ کفار مکہ نے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے طرح طرح کی قسمیں بھی کھائیں مثلاً ابو سفیان نے قسم کھائی کہ جب تک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہیں لے گا وہ نہ تو اپنے سر میں تیل لگائے گا (اس دور میں لوگ وہاں روزانہ سر میں تیل لگاتے تھے) اور نہ ہی اپنی بیوی سے ہم بستری کرے گا۔ اس سلسلے میں مختلف شاعروں اور کفار مکہ

کی خواتین نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یہ خواتین زیادہ تر اپنے مردوں کو بزدلی کے طعنے دیتی تھیں جو کہ کفارِ مکہ کے مردوں کی مردانگی کو چیلنج کرنے کے برابر تھا۔ شاعروں میں سب سے زیادہ کردار عمرو جمحی کا تھا۔ یہ وہی عمرو تھا جو بدر میں گرفتار ہوا لیکن آپؐ سے اپنی رہائی کی بھیک مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو ہرگز تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ آپؐ نے اس پر ترس کھاتے ہوئے اس سے فدیے کی رقم لیے بغیر رہا کر دیا تھا لیکن اس نے مکہ پہنچنے کے فوراً بعد ہی وعدہ خلافی کی انتہا کر دی۔

(2) کفارِ مکہ سے مدینے کے یہودیوں کے تعلقات بہت پرانے تھے۔ بدر میں کفارِ مکہ کو شکست کیا ہوئی، یہودیوں نے یوں محسوس کیا جیسے ان کو شکست ہو گئی ہو لہٰذا انہوں نے کفارِ مکہ سے مکمل اظہار ہمدردی کیا اور انہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ یہاں تک کہ ایک مشہور یہودی سردار کعب بن اشرف خود مکہ گیا اور وہاں جا کر اپنی شاعری کے ذریعے کفارِ مکہ کو خوب بھڑکایا۔ کفارِ مکہ کو یہودیوں کے اس تعاون سے حوصلہ ملا (اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہے)۔

(3) کفارِ مکہ کا وہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کے زیرِ نگرانی شام گیا ہوا تھا محفوظ حالت میں مکہ پہنچ گیا تھا مگر کفار کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی تجارت کو مسلمان کسی بھی وقت نقصان پہنچا سکتے ہیں اور سریہ قردہ (تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہے) نے یہ بات ثابت کر دی۔

(4) جو تجارتی قافلہ ملک شام میں ابوسفیان کی سربراہی میں گیا تھا اس کا سارا منافع مسلمانوں کے خلاف جنگ میں استعمال ہونا تھا۔ کوشش کے باوجود یہ قافلہ مسلمانوں سے بچ کر بحفاظت مکہ پہنچ گیا تھا جس نے بے پناہ منافع کمایا تھا لہٰذا جنگی

اخراجات کے لیے وافر رقم موجود تھی۔

(5) ابو جہل کی عبرتناک موت کے بعد کفار مکہ کی سرداری ابوسفیان کے حصے میں آئی تھی لہٰذا یہ اس کی فطری خواہش بھی تھی کہ وہ مسلمانوں سے بدلہ لے کر اپنے عظیم سردار ہونے کا ثبوت دے۔

جنگی تیاریاں

کفار مکہ نے جنگ کی بھرپور تیاری کی اور اپنے علاوہ دیگر قبیلوں سے بھی مدد حاصل کی۔ یوں کفار کے لشکر کی تعداد 3000 ہو گئی۔ ان کے پاس 3000 ہی اونٹ تھے۔ 200 گھوڑے ان کے علاوہ تھے۔ 700 زرہیں تھیں۔ کفار کی پندرہ عورتیں بھی لشکر کے ساتھ تھیں تاکہ وہ اپنے فوجیوں کا لہو گرما سکیں۔ ابوسفیان اس قافلے کا سپہ سالار تھا۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو مکہ میں ہی مقیم تھے کو جب ان تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ایک آدمی کو خط دے کر مدینے روانہ کیا تاکہ آپؐ کو اس سب کی اطلاع دی جاسکے۔ آپؐ نے اسی وقت صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی اور کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یہ جنگ احد کے پہاڑ کے پاس لڑی جائے۔ احد پہاڑ کا مدینہ سے فاصلہ تقریباً 5 کلو میٹر ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن احد پہنچنے سے پہلے ہی ایک گھمبیر صورتحال پیدا ہو گئی۔ عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) نے بہانہ بنایا کہ وہ تو مدینہ کے اندر رہ کر جنگ لڑنا چاہتا تھا اور اس کی یہ رائے تسلیم نہیں کی گئی لہٰذا وہ جنگ نہیں لڑے گا۔ اس طرح وہ اپنے 300 منافق ساتھیوں کو لے کر راستے سے ہی مدینہ واپس آ گیا۔ یوں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 700 رہ گئی۔ مسلمانوں کے لشکر کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔

مسلمانوں کو شہادت کا اس قدر شوق تھا کہ لشکر میں بہت سے نوعمر لڑکے بھی

شامل ہو گئے۔ ان کی عمریں تیرہ چودہ سال تھیں۔ آپؐ نے راستے میں شیخان کے مقام پر لشکر کا جائزہ لیا تو انہیں واپس مدینے بھیج دیا۔ واپس بھیجے جانے والوں میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:۔ اسامہؓ بن زیدؓ، زیدؓ بن ثابت، عبد اللہؓ بن عمرؓ اور ابو سعید خدریؓ۔ ایک اور ایمان افروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت رافعؓ بن خَدِیجؓ پوری طرح جوان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایڑیاں اٹھا کر اپنے آپ کو لمبا ظاہر کر رہے تھے کہ کہیں انہیں واپس نہ بھیج دیا جائے۔ ان کے والد نے آپؐ سے عرض کی کہ رافعؓ زبردست تیر انداز ہے۔ للہذا مہربانی فرما کر اسے ساتھ جانے کی اجازت عطا فرمائیں۔ بیٹا تو بیٹا، باپ بھی اپنے نوجوان بیٹے کو جنگ پر بھیجنے کے لیے آپؐ سے درخواست کر رہا ہے۔ کیا جذبہ ایمانی ہے۔ سبحان اللہ۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اس پر حضرت سمرہؓ بن جُندُب نے عرض کی کہ رافعؓ کو آپؐ نے اجازت عطا فرمائی ہے لیکن وہ رافعؓ کو کُشتی میں ہرا سکتا ہے۔ دونوں کے درمیان کُشتی کرائی گئی اور حضرت سمرہؓ کی بات سچ ثابت ہوئی اور انہیں بھی لشکر میں شامل کر لیا گیا۔ یہ غالباً دنیا کی واحد کُشتی ہو گی جو اس لیے لڑی گئی کہ جہاد میں شرکت کی اجازت مل سکے اور جہاد بھی ایسا کہ جس میں جان جانے کے بہت زیادہ امکانات ہوں۔ یہ تھا صحابہ کرامؓ کا ایمان اور یہ تھی صحابہ کرامؓ کی تربیت جو انہوں نے اپنے نو عمر لڑکوں کی کر رکھی تھی۔ دراصل یہ اس تربیت کا نتیجہ تھی جو آپؐ نے صحابہؓ کی فرمائی تھی۔

آپؐ نے لشکر سمیت رات مدینے اور جبل احد کے درمیان گزاری۔ حضرت ذَکوانؓ بن عبد اللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس رات انہوں نے آپؐ کا پہرہ دیا جبکہ باقی لشکر کے لیے 50 پہرے دار مقرر کیے گئے جن کے سربراہ حضرت محمدؓ بن مسلمہ تھے۔ اگلی صبح آپؐ نے روانگی کا حکم فرمایا اور نماز فجر کے وقت یہ لشکر جبل احد کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے تو عین اس وقت عبد اللہ بن ابی

(جو منافقوں کا سردار تھا) اپنے 300 ساتھیوں کو لے کر واپس مدینہ چلا گیا۔ یہ دراصل گہری سازش تھی۔ اس سے کفار کے لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان میں جوش پیدا ہو گیا جبکہ مسلمانوں کے لشکر میں شامل کئی لوگوں کو بد دلی نے آگھیرا اور یہ بھی امکانات تھے کہ اس منافق کی دیکھا دیکھی کچھ مسلمان بھی مدینہ واپس چلے جائیں۔ اس نازک ترین صورتحال میں اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آئی اور اس نے ان سب تدبیروں پر پانی پھیر دیا۔ آپؐ کے ساتھی صحابہ کرامؓ ڈٹ گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے جہاں اپنے لشکر کو اتارا وہ جنگی اعتبار سے بہترین جگہ تھی۔ احد کا پہاڑ اسلامی لشکر کی پشت پر ایک ڈھال کی طرح تھا اور شہر مدینہ سامنے تھا۔

آپؐ نے پچاس بہترین تیر اندازوں کا انتخاب فرمایا اور انہیں ایک کم اونچی چھوٹی پہاڑی[1] پر تعینات فرمایا اور حضرت عبد اللہؓ بن جبیر کو ان تیر اندازوں کا کمانڈر مقرر فرمایا۔ دراصل احد کا پہاڑ اور اس پہاڑی کے درمیان ایک درہ سا بنتا ہے جہاں سے دشمن حملہ کر کے مسلمانوں کے لشکر میں گھس سکتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے وہاں تیر انداز مقرر فرما کر کفار کا یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ اب مسلمان ہر طرف سے محفوظ تھے۔ آپؐ نے ان تیر اندازوں کو نہایت واضح الفاظ میں حکم دیا کہ آپ لوگوں نے ہر گز اپنی جگہ نہیں چھوڑنی یعنی پہاڑی سے نیچے نہیں اترنا خواہ دشمن ہمیں نقصان ہی کیوں نہ پہنچا رہا ہو یا ہم دشمن کا مال غنیمت اکٹھا کر رہے ہوں حتٰی کہ اگر پرندے ہمارا گوشت بھی کھا رہے ہوں تب بھی آپ لوگوں نے یہاں سے نہیں ہلنا جب تک میں (محمد ﷺ) خود آپ سے نہ کہوں کہ نیچے آ جاؤ۔

---

① اس پہاڑی کا نام جبل رُماۃ ہے۔ اسے عینین بھی کہتے ہیں اور یہ احد پہاڑ سے ڈیڑھ سو میٹر دور ہے۔ یہ احد پہاڑ سے جڑی ہوئی نہیں ہے بلکہ احد اور اس کے درمیان خالی زمین ہے۔ کچھ کتابوں میں اس پہاڑی کو ٹیلہ لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کئی بار اس کی زیارت کی ہے۔ یہ پہاڑی ہی ہے ٹیلہ ہر گز نہیں ہے۔ اس کی اونچائی احد پہاڑ سے بہت کم ہے۔

جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کی واضح فتح

کفار مکہ کا پرچم ہمیشہ قبیلہ بنو عبد الدار کے پاس ہی ہوتا تھا۔ غزوہ بدر میں بھی کفار کا پرچم ان کے پاس تھا۔ ابو سفیان نے انہیں بدر کی ذلت آمیز شکست یاد دلائی بلکہ ایک طرح سے طعنہ مارا جس سے یہ بھڑک اٹھے۔ کفار کا علمبر دار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری تھا۔ وہ بہت بہادر اور مشہور شہسوار تھا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اسے حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ آپؐ نے حضرت زبیرؓ کی یہ بہادری دیکھ کر اسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا "ہر نبی کا ایک حواری (1) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیرؓ ہیں"۔ طلحہ کے قتل کے بعد کفار کا پرچم اس کے بھائی عثمان نے اٹھایا۔ اسے حضرت حمزہؓ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جھنڈا ابو سعد بن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ اسے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تیر مارا اور حضرت علیؓ نے اس کی گردن کاٹ دی۔ اب جھنڈا اٹھانے کی اگلی باری مسافع کی تھی اسے حضرت عاصمؓ بن ثابت نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جھنڈا اٹھانے کی باری اس کے بھائی کلاب کی آئی جسے حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ اب ان دونوں مقتولین کے تیسرے بھائی جلاس نے جھنڈا اٹھایا جسے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے قتل کر دیا۔ درج بالا سارے افراد کا تعلق ایک ہی گھرانے سے تھا۔ اس کے بعد اسی قبیلے کے اَرطاۃ نامی شخص نے جھنڈا اٹھایا اسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شُرَیح بن قارظ نے جھنڈا اٹھایا۔ اسے قُزمان (2) نے قتل کر دیا۔ اب جھنڈا ابو زید عمرو بن عبد مناف نے اٹھایا۔ اسے بھی قزمان نے قتل کر دیا۔ یوں کفار کے لشکر کے دس علمبر دار یکے بعد دیگرے

---

(1) حواری کا مطلب ہے ساتھی۔

(2) قزمان دراصل منافق تھا اور مسلمانوں کی فوج میں شامل تھا۔ اس نے جنگ میں اسلام کی وجہ سے حصہ نہیں لیا تھا بلکہ قبائلی عصبیت کے تحت لیا تھا جو اس زمانے میں ایک طاقت ور محرک تھا۔

قتل ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنو عبد الدار کا اس جنگ میں کوئی شخص زندہ نہ بچا جو جھنڈا اٹھاتا۔اس تفصیل سے مسلمانوں کی جنگ کے اس مرحلے میں واضح فتح دکھائی دیتی ہے۔ جبل رُماۃ والے درے سے خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے تین حملے کیے مگر وہاں پر تعینات تیر اندازوں نے وہ حملے ناکام بنادیے۔ بالآخر کفار کے لشکر نے میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا اور مسلمان ان کا مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے۔

حضور ﷺ کا حکم نہ ماننے کا نتیجہ

جبل رماۃ پر تعینات تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ کفار کو شکست ہو چکی ہے تو وہ آپؐ کے دیے گئے واضح حکم کو بھول گئے اور نیچے آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے۔ ان کی تعداد چالیس تھی۔ گویا جبل رماۃ پر صرف کمانڈر حضرت عبد اللہؓ بن جبیر اور ان کے 9 ساتھی موجود رہے۔ خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسی پہاڑی درے سے حملہ کر کے مسلمانوں کے لشکر میں گھس گئے۔ اس پر بھاگتے ہوئے کافر اکھٹے ہو گئے اور جنگ کی صورتحال بدل گئی۔ اب کافروں نے اسلامی لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی۔ کچھ احد کے پہاڑ پر چڑھ گئے، کچھ نے مدینہ کی طرف بھاگنا شروع کر دیا اور کچھ نے کفار سے لڑائی شروع کر دی۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ کچھ مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اسی دوران حضرت مُصعبؓ بن عمیر شہید ہو گئے۔ ان کی شکل آپؐ سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ لہٰذا یہ بات مشہور ہو گئی کہ (معاذاللہ) آپؐ شہید ہو گئے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے لشکر میں مزید افراتفری اور بد دلی پھیل گئی۔ کچھ صحابہ کرامؓ نے تو لڑائی ہی چھوڑ دی کہ آپؐ کے بعد اب وہ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟

حضور ﷺ اور صحابہؓ کی بے مثال بہادری

اس نازک ترین صورتحال میں آپؐ ثابت قدم رہے۔ آپؐ کے ساتھ صرف نو[1] صحابہؓ تھے۔ کفار نے آپؐ کو شہید کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ان 9 جان نثاروں نے نہایت بہادری سے آپؐ کا دفاع کیا لیکن ساتوں انصاری صحابہ کرامؓ باری باری شہید ہو گئے اور آپؐ کے ساتھ صرف دو صحابی (حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) رہ گئے۔ اسی موقع پر ایک کافر عتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ کو ایک پتھر مارا جس کے لگنے سے آپؐ کا دانت مبارک ٹوٹ گیا نیز آپؐ کا نچلا ہونٹ بھی زخمی ہو گیا۔ عبد اللہ بن شہاب نے آپؐ کی پیشانی پر زخم لگایا۔ ایک اور بد بخت کافر نے آپؐ کو تلوار ماری جس سے آپؐ کے لوہے کی ٹوپی جسے خود کہتے تھے کی دو کڑیاں آپؐ کے چہرے کے اندر دھنس گئی تھیں اور آپؐ کا چہرہ خون آلود ہو گیا۔ آپؐ کے سر پر بھی زخم آئے۔ ان دو صحابہؓ میں سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بہترین تیر اندازی کر کے کفار کو روکا جبکہ حضرت طلحہؓ نے بھی نہایت بہادری سے کفار کا مقابلہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت طلحہؓ نے اکیلے گیارہ لوگوں کے برابر لڑائی کی۔ اسی لیے حضرت ابو بکرؓ نے بعد میں فرمایا کہ جنگ احد ساری کی ساری تھی ہی حضرت طلحہؓ کے لیے۔ اس صورتحال میں کچھ مسلمان صحابہؓ آپؐ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان میں سے سب سے پہلے جو صحابیؓ پہنچے وہ حضرت ابو بکرؓ تھے۔ محافظوں کی اس جماعت میں جو صحابہ کرامؓ شامل تھے ان کے نام یہ ہیں: حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت سہلؓ بن حُنَیف، حضرت مالکؓ بن سنان، حضرت قتادہؓ بن نعمان، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ اور حضرت ابو طلحہؓ۔ ان کے علاوہ اس حفاظتی دستے میں ایک

---

① ان میں سے سات انصاری اور دو مہاجر تھے۔

خاتون بھی شامل تھیں اور وہ حضرت اُم عمارہؓ تھیں۔

کفار نے آپؐ کو شہید کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے وہ اپنے اس مذموم مقصد میں ناکام رہے۔ کافروں نے احد کی بلندی پر چڑھنے کی کوشش کی تا کہ مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کر سکیں مگر حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے ان کی یہ کوشش ناکام بنا دی۔ بالآخر جنگ ختم ہو گئی۔ کفار نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کا صفایا ہو گیا ہے۔ ابو سفیان نے بلند آواز میں کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں؟ کیا ابو بکرؓ زندہ ہیں؟ کیا عمرؓ بن خطاب زندہ ہیں؟ مسلمانوں نے آپؐ کے حکم کے مطابق خاموشی اختیار فرمائی۔ ابو سفیان نہایت خوش ہوا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جوش میں آکر فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن! ہم سب زندہ ہیں۔ ابو سفیان نے مشہور بت ہبل کا نعرہ لگایا جس پر مسلمانوں نے "اللہ اعلیٰ و برتر ہے" کا نعرہ لگایا۔ ابو سفیان نے کہا یہ بدر کا جواب ہے جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارے مقتولین تو شہدا ہیں اور وہ جنت میں ہیں جبکہ تمھارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ ابو سفیان نے اگلے سال بدر میں لڑنے کی دعوت دی جسے آپؐ نے قبول کر لیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد کفار کا لشکر واپس روانہ ہو گیا۔ آپؐ نے میدان جنگ میں شہدا اور زخمیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "اے اللہ تو جسے ہدایت فرمائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جس چیز کو تو چاہے عطا کر دے اور جس چیز کو چاہے روک دے"۔ اور پھر تمام مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد شہدا کو احد کے مقام پر ہی دفن کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کا تعاقب

غزوہ احد کے بعد آپؐ کو خدشہ تھا کہ کفار کہیں راستے سے واپس آکر مدینے پر حملہ نہ کر دیں لہٰذا آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ سے 13 کلومیٹر دور ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا

جبکہ کفار جس جگہ جا کر رکے وہ مدینہ سے 58 کلو میٹر دور تھی۔ اس مقام کا نام روحا تھا۔ وہاں انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ وہ جنگ جیت چکے تھے لیکن انہوں نے مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ کیوں نہیں کیا لہٰذا مدینہ جا کر ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔ کفار کے لشکر میں ابھی اسی بات پر بحث ہو رہی تھی کہ وہاں حضرت معبدؓ بن ابی معبد پہنچ گئے۔ یہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انہیں آپؐ نے بالخصوص کفار کے لشکر میں بددلی پھیلانے کے لیے بھیجا تھا مگر کفار مکہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ ابو سفیان نے ان سے مدینے اور مسلمانوں کے حالات معلوم کیے تو انہوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ ایک بہت بڑی فوج لے کر تمہارے تعاقب میں مدینہ سے نکل پڑے ہیں۔ فوج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تم لوگ ہرگز ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اس سے کفار کے لشکر کے حوصلے پست ہو گئے۔ کفار کے لشکر نے تو ڈر کے مارے مکہ کی طرف دوڑ لگا دی لیکن آپؐ نے حمراء الاسد کے مقام پر تین دن قیام فرمایا۔ اس سے مسلمانوں کے اندر ایک نئے جذبے نے جنم لیا۔ اس سے آپؐ کی کمال حکمت اور بہادری بھی جھلکتی ہے۔

غزوہ احد کے چند ایمان افروز واقعات

(1) اونٹ پر سوار شخص مکہ سے مدینہ تقریباً سات دنوں میں پہنچتا ہے لیکن جو قاصد حضرت عباسؓ نے اطلاع دینے کے لیے بھیجا تھا وہ صرف تین دنوں میں مدینہ پہنچ گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے ہی ممکن ہوا۔ جنگ جیسی صورتحال میں ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پورے چار دنوں کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچایا۔

(2) جنگ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی سگے رشتے دار تلواریں لیے ایک دوسرے کی

جان لینے کے لیے آمنے سامنے تھے۔ مثلاً ابو عامر فاسق اور اس کا مسلمان بیٹا حضرت حَنظَلہؓ۔ اسی طرح حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور ان کا بھائی عُتبَہ۔

(3) آپؐ نے اس جنگ میں دو زرہیں پہنیں۔ تلوار اور جنگی ہتھیاروں سے اپنے آپ کو خود مسلح کیا۔ عام طور پر مذہبی لوگ صرف باتوں کے دھنی ہوتے ہیں اور جنگ سے کتراتے ہیں لیکن آپؐ یہاں مکمل طور پر ایک فوجی سربراہ کے طور پر سامنے آئے۔

(4) خزرج قبیلہ جو مسلمان ہو گیا تھا کے اتحادی کچھ یہودی مسلمانوں سے مل کر لڑنا چاہتے تھے مگر آپؐ نے کفار کی مدد لینے سے انکار کر دیا۔ اس نازک موقع پر جہاں دشمن کی تعداد مسلمانوں کی فوج سے کئی گنا زیادہ ہو، ایک ایک شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود آپؐ نے کفار سے مدد لینا پسند نہیں فرمایا۔ یہ تھی ہمارے آقاؐ کی خود داری۔

(5) اسی طرح کم عمر لڑکوں کو آپؐ نے خود شیخان نامی جگہ سے واپس مدینہ بھیج دیا۔ آج کل کی ماڈرن دنیا، اقوام متحدہ اور دیگر ادارے ایسے لڑکوں (Child Warriors) کے حقوق کے بارے میں آواز اٹھاتے ہیں جنہیں جنگ میں جھونک دیا جاتا ہے لیکن آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے آپؐ نے عملی طور پر ایسا کر کے دکھا دیا۔

(6) منافق وہ ہوتا ہے جو اوپر سے تو مسلمان ہو لیکن اندر سے اسلام کا دشمن ہو۔ یہ سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے گروہ کے اندر ہی رہ رہا ہوتا ہے۔ اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کو واضح طور پر مسلمانوں سے الگ کر دیا۔ اس سے مستقبل میں مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔

(7) آپؐ نے ایک تلوار نیام سے نکالی اور صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کون ہے جو اس تلوار کو مجھ سے لے کر اس کا حق ادا کرے۔ سب صحابہؓ نے اس خواہش کا اظہار کیا

مگر آپؐ نے یہ تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو عطا فرمائی۔ احد کی لڑائی میں حضرت ابو دجانہؓ نے واقعی اس تلوار کا حق ادا کیا۔ انہوں نے سر پر سرخ پٹی باندھی اور پوری جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ بالخصوص آپؓ نے حضور ﷺ کی زبردست حفاظت فرمائی۔ حضرت ابو دجانہؓ کفار کے لشکر میں گھس گئے۔ وہاں ہند (ابو سفیان کی بیوی) لشکر کو مسلمانوں کے خلاف جوش دلا رہی تھی۔ ہند نے ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے کہ حضرت ابو دجانہؓ کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ جب انہوں نے اسے قتل کرنے کے لیے آپؐ کی عطا کردہ تلوار بلند کی تو ہند کی چیخیں نکل گئیں۔ اس پر حضرت ابو دجانہؓ کو معلوم ہوا کہ وہ تو عورت ہے۔ آپؓ نے عورت کو قتل نہیں کیا اور چھوڑ دیا۔ آج کل کئی ادارے اور NGOS عورتوں کے حقوق کی بات کرتے ہیں۔ عورت کی عزت و تکریم کا اس سے بڑا عملی ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے جو ایک مسلمان (حضرت ابو دجانہؓ) نے آج سے چودہ صدیاں پہلے دیا اور وہ بھی جنگ کے دوران۔

(8) کفار مکہ کے ساتھ قبیلہ اوس کا ایک شخص تھا جس کا نام عمرو بن صیفی تھا۔ یہ ابو عامر اور راہب کے ناموں سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہ اسلام کا کٹر مخالف تھا۔ اس لیے رسول ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا تھا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ میدان میں آیا اور قبیلہ اوس کو یاد دلایا کہ وہ بھی قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے اور کسی زمانے میں ان کا سردار بھی رہ چکا ہے۔ اس کی باتوں پر مسلمانوں نے کان نہ دھرا حالانکہ اس دور میں قبیلہ یا قبائلی نظام ایک مضبوط رشتہ ہوتا تھا۔ دراصل اسلام نے ان لوگوں کو قبیلوں سے اوپر کی سطح پر لے جا کر اسلام کی لڑی میں پرو دیا تھا۔

(9) آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بہت بہادر تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں کفار کا بہت نقصان کیا تھا لہٰذا کفار نے آپؓ کو شہید کرنے کا منصوبہ پہلے سے ہی بنالیا۔ اس مقصد کے لیے ایک غلام (جس کا نام وحشی بن حرب تھا) کو لالچ دیا کہ اگر اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ کسی بھی غلام کے لیے آزادی ایک خواب تھی۔ اس نے موقع پا کر اپنا نیزہ حضرت حمزہؓ کی ناف کے نیچے مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ بعد میں یہ وحشی بن حرب مسلمان ہو گیا۔ اسے بہت رنج تھا کہ اس نے آپؐ کے سگے چچا کو شہید کر کے بہت بڑا گناہ کیا تھا۔ وہ ہر وقت سوچتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے کوئی موقع دے تو وہ اس کی کسی حد تک تلافی کرے گا۔ بالآخر جب جھوٹے نبیوں کا فتنہ کھڑا ہوا تو ان میں سب سے خطرناک اور زیادہ فوج رکھنے والا جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والا مسیلمہ کذاب تھا۔ اس کذاب کو اسی وحشیؓ بن حرب نے قتل کیا۔

(10) حضرت حنظلہؓ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے حقوق زوجین ادا کر رہے تھے کہ اتنے میں جہاد کا اعلان ہو گیا۔ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر فوراً مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے اور زور دار لڑائی کے بعد شہادت پائی۔ شہادت کے بعد ان کی لاش سے پانی ٹپک رہا تھا جسے دیکھ کر صحابہ کرامؓ حیران رہ گئے۔ اس پر آپؐ نے انہیں بتایا کہ حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ آپؓ کی بیوی نے بھی تصدیق کی کہ انہیں غسل کی حاجت تھی۔ اس فضیلت کی وجہ سے انہیں غَسِیل الملائکہ[1] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے جہاد کی خاطر اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ نے بھی فرشتوں کو بھیج کر انہیں غسل

---

① اس کا مطلب ہے وہ شخص جسے فرشتوں نے غسل دیا ہو۔

دلوایا۔ اسلام کی خاطر ان کی بیوی نے بھی بے مثال قربانی پیش کی۔ نئی دلہن کے لیے اپنے دولہا کو جہاد کے لیے خوشی خوشی رخصت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

(11) آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ جب شہید ہو گئے تو ہند (ابو سفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی جو بدر میں قتل ہوا تھا) نے ان کا کلیجہ نکال کر منہ میں چبایا۔ آپؐ نے بعد میں جب حضرت حمزہؓ کی مُثلہ ① شدہ لاش دیکھی تو بہت غمگین ہوئے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ حضرت حمزہؓ کی بہن حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی کی لاش کو دیکھنے کی خواہش کی تو آپؐ نے انہیں واپس جانے کا کہا کیونکہ وہ لاش دیکھ کر بہت دکھی ہوتیں۔ اس پر حضرت صفیہؓ نے تاریخی الفاظ کہے۔ "مجھے معلوم ہے کہ کافروں نے میرے بھائی کی لاش کو مُثلہ کیا ہے لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ ہم بھی اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ کی خوشنودی اور ثواب کے لیے صبر کرونگی"۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ عام طور پر عورتیں ایسے موقعوں پر بین کرتی ہیں اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتی ہیں وغیرہ۔ ایسے کمال صبر کا مظاہرہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

(12) مسلمانوں کے پاس وسائل کی اتنی کمی تھی کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کے اوپر ڈالنے کے لیے کفن دستیاب نہیں تھے لہٰذا ان کے اوپر چادریں ڈال دی گئیں۔ جو ان کے جسموں سے چھوٹی تھیں۔ اس لیے ٹانگوں کو ڈھکنے کے لیے ان پر گھاس ② ڈال دی گئی۔

(13) حضرت عبد اللہؓ بن عمرو اور حضرت عمرؓ بن جموح میں گہری دوستی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے

---

① مُثلہ کا مطلب ہے کسی انسان کے ناک وکان وغیرہ کاٹ کر صورت بگاڑ دینا۔ مثلہ کے لغوی معنٰی "عبرتناک سزا" کے ہیں۔

② عربی میں اس گھاس کو اِذخر کہتے ہیں۔ یہ خوشبودار ہوتی ہے۔

ان کی دوستی کو ہمیشہ کے لیے یوں زندہ کر دیا کہ انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

(14) مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور بد دلی پھیلانے کے لیے کیا کیا چالیں نہ چلی گئیں (تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے) لیکن ان سب کا کسی ایک مسلمان پر بھی اثر نہ ہوا۔

یہ ہے استقامتِ ایمان۔

(15) ایک کافر عبداللہ بن قمئہ نے آپؐ پر تلوار چلائی تھی جس سے آپؐ کے خود (لوہے کی ٹوپی) کی کڑیاں آپؐ کے رخسار میں بہت گہری پیوست ہو گئی تھیں۔ اس پر اس کم بخت نے تکبر کیا اور کہا کہ میں توڑنے والے کا بیٹا ہوں۔ عربی میں قمئہ کا معنی ہے توڑنے والا۔ آپؐ نے اس کے لیے بد دعا کی اور فرمایا۔ "اللہ تمہیں توڑ دے"۔ جب یہ بد بخت مکہ واپس گیا تو اپنی بکریاں چرانے کے لیے ایک اونچی پہاڑی کی چوٹی پر چلا گیا۔ وہاں ایک پہاڑی بکرے نے اسے سینگ مار مار کر اس کے ٹکڑے کر دیے۔ پہاڑی سے لُڑھکتے ہوئے اس کی لاش کے مزید ٹکڑے ہو گئے۔

(16) کفار کے ظلم کے باوجود آپؐ کے ان کے لیے یہ الفاظ تھے۔ "اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ وہ نہیں جانتی"۔ اس موقع پر ایسے دعائیہ الفاظ صرف رحمۃ للعالمینؐ ہی ادا فرما سکتے ہیں۔

(17) آپؐ کی حفاظت کے لیے جب صرف دو صحابہؓ رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سفید کپڑوں میں ملبوس اپنے دو خاص فرشتے بھیجے۔ یہ تھے حضرت جبریلؑ اور حضرت میکائیلؑ۔ حضرت سعدؓ نے ان دونوں کو آپؐ کی حفاظت کے لیے لڑائی کرتے ہوئے دیکھا۔ کچھ موقعوں پر کئی کفار نے آپؐ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپؐ ان کے سامنے تھے مگر آپؐ ان کو نظر ہی نہیں آئے۔

(18) لوہے کے خود کی جو دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں دھنس گئی تھیں انہیں حضرت

ابو عبیدہؓ نے بہت احتیاط سے نکالا کیونکہ یہ آنکھ سے نیچے والی جگہ میں چُبھی ہوئی تھیں جو انتہائی نازک جگہ ہوتی ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے بہت احتیاط اور محبت سے یہ کڑیاں نکالیں کہ آپؐ کو کم سے کم تکلیف ہوئی لیکن ان کے اپنے دو دانت شہید ہو گئے۔ یہ ہے عشق رسول ﷺ!

(19) عتبہ بن ابی وقاص نے آپؐ کے دانت مبارک شہید کیے تھے۔ یہ سعدؓ بن ابی وقاص کا بھائی تھا۔ جہاں اسلام آجائے گا وہاں باقی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ اس جذبے کے تحت حضرت سعدؓ کی بہت کوشش تھی کہ وہ اپنے بھائی کو خود قتل کریں لیکن یہ سعادت حضرت حاطبؓ کے حصے میں آئی۔

(20) لڑائی کے دوران حضرت قتادہؓ کی ایک آنکھ پر گہری چوٹ آئی اور آنکھ کا اندر والا سارا حصہ باہر آ گیا۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے دوبارہ آنکھ کے اندر ڈال دیا۔ زمانے نے دیکھا کہ ساری زندگی حضرت قتادہؓ کی وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور روشن تھی۔

(21) آپؐ کے چہرے پر زخموں کی وجہ سے خون تھا جسے ابو سعید خدریؓ کے والد نے چوس لیا تاکہ چہرہ صاف ہو جائے۔ آپؐ نے انہیں فرمایا کہ وہ خون کو تھوک دیں لیکن ان کا آپؐ سے عشق اتنا گہرا تھا کہ انہوں نے عرض کیا کہ وہ آقا کریم ﷺ کے خون کو زمین پر نہیں تھوک سکتے۔ ابو سعیدؓ کے والد اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔

(22) اس غزوہ میں آپؐ نے کمال بہادری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپؐ نے جم کر لڑائی لڑی۔ حضور ﷺ نے اتنے تیر چلائے کہ آپؐ کی کمان کا کنارہ ٹوٹ گیا۔

(23) ایک مسلمان صحابیہ حضرت اُمِّ عَمّارہؓ نے بھی اس جنگ میں بہت بہادری دکھائی۔ انہوں نے تلوار سے باقاعدہ لڑائی لڑی۔ عبداللہ بن قمئہ نے آپؐ پر تلوار چلائی

تھی۔ حضرت ام عمارہؓ نے اس پر شدید حملے کیے مگر اس ملعون نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اس لیے وہ بچ گیا۔ حضرت اُم عمارہؓ کی بہادری بھی تاریخ عالم میں یاد رکھی جائے گی۔ انہیں اس لڑائی میں بارہ زخم لگے۔

(24) قیام مکہ کے دوران ایک کافر جس کا نام اُبَی تھا۔ وہ جب بھی آپؐ سے ملتا تو کہتا کہ وہ عود نامی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپؐ کو (نعوذ باللہ) شہید کرے گا۔ جس کے جواب میں آپؐ فرماتے کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں تمہیں قتل کروں گا۔ اس بدبخت نے کفار کی طرف سے غزوہ احد میں حصہ لیا اور آپؐ کو شہید کرنے کے لیے آپؐ کی طرف آیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر آپؐ نے خود اسے نیزہ مارا جو اسے حلق کے قریب لگا۔ وہ واپس بھاگ گیا اور جا کر شور مچانے لگا کہ مجھے محمد ﷺ نے قتل کر دیا ہے۔ اسے دیکھ کر کفار نے کہا کہ نہ تو تمہارا خون بہہ رہا ہے اور نہ ہی کوئی زخم کا نشان ہے۔ یہ درد کی وجہ سے بیل کی طرح آواز نکال رہا تھا اور کہتا تھا کہ جتنا درد اسے ہے اگر اتنا درد ایک قبیلے کو بھی ہوتا تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ بالآخر یہ شخص مکہ پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی مر گیا۔

(25) کفار نے مسلمان شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کی اور ان کا مُثلہ کیا۔ انہوں نے شہیدوں کی شرم گاہیں، ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ ہند نے تو حضرت حمزہؓ کا کلیجہ تک چبایا اور اس نے کٹے ہوئے کانوں اور ناکوں کا ہار بنایا۔ یہ واقعہ کفار کی اخلاقی پستی کی گواہی دیتا ہے جبکہ مسلمانوں نے اسی جنگ میں اسی عورت (ہند) پر تلوار نہیں چلائی۔ بدر میں بھی فتح کے بعد مسلمانوں نے کفار کی لاشوں کا مُثلہ نہیں کیا تھا بلکہ کافر قیدیوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا۔

(26) جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ، حضرت اُمِ سلیمؓ، حضرت اُم سُلَیطؓ اور

حضرت اُمِ ایمنؓ احد پہنچیں۔ وہ مشکیزوں میں پانی بھر کر لائیں اور صحابہ کرامؓ کو پلایا۔ ایمر جنسی کی صورت میں اسلامی حکومت کے سربراہ اور پیغمبر ﷺ کی بیوی بھی مشقت والا کام کر رہی تھیں۔ ایسا ایثار اور ایسی مساوات صرف اسلام میں ہی نظر آئے گی۔

(27) جب جنگ میں افراتفری مچ گئی تو کچھ صحابیؓ بھاگ کر مدینہ چلے گئے۔ بہادر خاتون حضرت اُمِّ ایمنؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے ان پر مٹی پھینکی اور انہیں طعنہ دیا کہ تم سوت کاتو اور ہم (عورتیں) تلوار سے لڑائی کرتی ہیں۔ اس سے وہ واپس جنگ میں شریک ہو گئے۔

(28) آپؐ کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ ایک پہاڑی گڑھے سے آپؐ کے لیے پانی لایا گیا۔ اس میں تھوڑی سی بدبو محسوس ہوئی تو آپؐ نے وہ پانی نہیں پیا۔ بعد میں صاف پانی لایا گیا تو آپؐ نے پیا۔ یہ آپؐ کی نفاست کی دلیل ہے۔

(29) آپؐ کے زخموں سے خون رک نہیں رہا تھا۔ ان پر حضرت فاطمہؓ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔ اس سے حضرت فاطمہؓ کی دنیاوی امور میں بھی مہارت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ اس وقت ان کی عمر صرف 22 سال تھی۔

(30) آپؐ نے زخموں سے چُور چُور اور دانت شہید ہونے کے باوجود نماز نہیں چھوڑی۔ بس کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ سارے صحابہ کرامؓ نے بھی آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ یہ ہے اطاعت رسول ﷺ، یہ ہے اتباع رسول ﷺ، یہ ہے عشق رسول ﷺ کہ جو رسول ﷺ کریں اسی کی تقلید اور پیروی کی جائے۔

(31) آپؐ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جنگ کے بعد حکم دیا کہ وہ حضرت سعدؓ بن ربیع کو تلاش کریں اور اگر وہ انہیں مل جائیں تو انہیں میرا (آپؐ کا) سلام کہنا۔ حضرت زیدؓ کو جب وہ ملے تو اس حال میں تھے کہ انہیں 70 سے زائد زخم لگ چکے تھے اور ان کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔ انہیں آپؐ کا سلام پہنچایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ کتنے خوش نصیب تھے حضرت سعدؓ کہ انتقال سے چند لمحے پہلے آپؐ انہیں سلام فرما رہے ہیں۔

(32) مسلمان زخمیوں میں عمرو بن ثابت بھی تھا جسے اُصَیرِم کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ کافر تھا۔ اس لیے مسلمان اسے دیکھ کر حیران رہ گئے لیکن اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد اس جنگ میں شریک ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ انتقال فرما گئے۔ آپؐ نے حضرت اصیرمؓ کے لیے جنت کی بشارت دی۔ اسی جنگ میں قزمان (جس نے کفار کے تین علمبر داروں کو قتل کیا) بھی شدید زخمی ہوا۔ مگر اس نے بتایا کہ اس نے اسلام کی خاطر نہیں بلکہ اپنی قوم کی عزت کی خاطر لڑائی لڑی ہے۔ بعد میں اس نے خودکشی کر لی اور اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ اب یہاں ذرا رکیے اور غور کیجیے۔ حضرت اصیرمؓ اور قزمان دونوں نے مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا۔ دونوں نے نہایت بہادری سے لڑائی لڑی اور کفار کو بہت نقصان پہنچایا مگر ایک کے لیے آپؐ نے جنت کی خوشخبری سنائی اور دوسرے کے لیے دوزخ کی خبر۔ فرق کیا ہے؟ حضرت اصیرمؓ مسلمان ہو چکے تھے اور ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اسلام کی خاطر جنگ کریں جبکہ قزمان منافق تھا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس کی قوم کا وقار بلند ہو گویا تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

(33) حضرت حمنہؓ بنت جحش نے اپنے بھائی (حضرت عبداللہؓ) اپنے ماموں (حضرت حمزہؓ) اور اپنے شوہر (حضرت مصعبؓ بن عمیر) کی شہادت کی خبر سنی تو آپؓ نے نہایت صبر کا مظاہرہ کیا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

(34) ایک صحابیہؓ کو جب یہ خبر دی گئی کہ ان کا خاوند شہید ہو گیا ہے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خیریت سے ہیں؟ پھر انہیں بتایا گیا کہ ان کے بھائی بھی شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خیریت سے ہیں؟ اس کے بعد انہیں بتایا گیا کہ ان کے والد بھی شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے پھر وہی سوال پوچھا کہ کیا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خیریت سے ہیں؟ گویا انہیں اپنے خاوند، اپنے بھائی اور اپنے باپ سے بڑھ کر آپؐ سے محبت تھی۔ یہ ہے ایمان کی بلندی۔ بالآخر جب انہوں نے آپؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آپؐ خیریت سے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اسی طرح حضرت عمروؓ بن معاذ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ بھی اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر آپؐ کے بارے میں پریشان تھیں۔ پھر جب آپؐ کی زیارت ہو گئی تو انہوں نے بھی کلمہ شکر ادا فرمایا۔

کیا غزوہ احد غزوہ بدر کا بدلہ ثابت ہوئی؟

اس سوال کا سیدھا جواب یہ ہے کہ غزوہ احد کو کسی طور بھی غزوہ بدر کے برابر شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کے ثبوت میں درج ذیل سطور ملاحظہ فرمائیے:۔

(1) جنگ بدر میں 70 کافر قتل ہوئے اور جنگ احد میں اتنے ہی مسلمان شہید ہوئے لیکن اس کے برعکس بدر میں مسلمان شہدا کی تعداد 14 تھی جبکہ احد میں قتل

ہونے والے کفار کی تعداد 37 تھی۔

(2) بدر میں 70 کافروں کو قیدی بنایا گیا جبکہ احد میں کفار ایک بھی مسلمان کو قیدی نہ بنا سکے۔

(3) بدر میں کفار کے لشکر کے سپہ سالار سمیت 24 سردار قتل ہوئے جبکہ احد میں مسلمان سپہ سالار (آپؐ) اللہ کے فضل سے زندہ سلامت رہے۔

(4) بدر کی فتح کے بعد آپؐ نے بدر میں تین دن قیام فرمایا جو اس زمانے میں کسی بھی فاتح فوج کا رواج ہوتا تھا لیکن احد میں جزوی کامیابی کے بعد کفار مکہ نے مکہ کی طرف دوڑ لگا دی۔

(5) بدر میں کفار جان بچا کر بھاگ گئے تھے جبکہ احد میں اگلے ہی دن آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو لے کر لشکر کفار کا تعاقب فرمایا۔

(6) بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ بے پناہ مال غنیمت لگا جبکہ احد میں کافروں کو کچھ بھی مال غنیمت حاصل نہ ہوا کیونکہ انہیں جنگ میں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

نتیجہ

اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کچھ سبق سکھائے مثلاً منافقین پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا کیونکہ وہ کسی وقت بھی دھوکہ دے سکتے ہیں۔ دوسرا اہم ترین سبق یہ سکھایا کہ اگر تم حضور ﷺ کی حکم عدولی کرو گے تو اس کی سخت سزا دی جائے گی۔ یہ حکم عدولی جبل رماۃ پر تعینات چالیس تیر اندازوں نے کی اور اس کا نتیجہ مسلمانوں نے دیکھ لیا۔ جیتی ہوئی جنگ کے بعد وہ عظیم نقصان کرا بیٹھے۔ دراصل آپؐ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی

اطاعت ہے اور اس میں ذرّہ برابر کوتاہی بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں۔

ایک دردمندانہ گزارش

آج کل احد کے پہاڑ پر تھوڑی سی اونچائی پر ایک سیر گاہ سی بنا دی گئی ہے۔ احد چونکہ مدینہ کے بالکل قریب ہے اس لیے لوگ شام کے بعد اس جگہ جاتے ہیں، گپ شپ کرتے ہیں، کھانا وغیرہ کھاتے ہیں اور ان کے بچے وہاں کھیلتے کودتے ہیں۔ چند گز کے فاصلے پر حضرت حمزہؓ اور دیگر شہدائے احد کی قبریں ہیں لہٰذا سعودی عرب کی حکومت سے میری استدعا ہے کہ اس پارک نما تفریحی جگہ کو ختم کیا جائے۔ جس جگہ پر ہمارے نبی ﷺ پر تلواریں چلی ہوں اور آپؐ کا چہرہ خون آلود ہو گیا ہو اور آپؐ کے دانت مبارک شہید کر دیے گئے ہوں اور ستر صحابہ کرامؓ کو شہید کر دیا گیا ہو۔ وہاں بھلا کیسے ہم یا ہمارے بچے قہقہے لگا سکتے ہیں؟ حکومت پاکستان سے بھی میری گزارش ہے کہ وہ اس حساس معاملے کی طرف سعودی عرب کی حکومت کی توجہ مبذول کرائے۔

یہودیوں سے دوسری جنگ

(غزوہ بنو نضیر)

یہ غزوہ 4 ہجری ربیع الاول (625 عیسوی اگست) کے مہینے میں پیش آیا۔ یہودی جنگ سے گھبراتے تھے البتہ وہ پرلے درجے کے سازشی تھے۔ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا لیکن غزوہ احد میں جب مسلمانوں کا نقصان ہوا تو یہ بہت خوش ہوئے اور کفار مکہ کے ساتھ

خوب ہمدردی کی اور عملی تعاون بھی کیا۔ ایک واقعہ میں حضرت عمروؓ بن امیہ نے غلطی سے دولوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ آپؐ ان دونوں کی دیت [1] کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے بنو نضیر (یہودی قبیلہ) کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور کچھ دیگر صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ یہودیوں نے خلاف توقع حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور آپؐ کو زیادہ عزت دیتے ہوئے "ابو القاسم" کہہ کر مخاطب ہوئے اور اپنے حصے کی دیت کی رقم دینے پر بھی فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ انہوں نے حضور ﷺ کو ایک دیوار کے ساتھ بٹھادیا۔ آپؐ نے اس دیوار سے ٹیک لگالی۔ دراصل یہودیوں کی سازش یہ تھی کہ حضور ﷺ کو اعتماد میں لے کر (نعوذ باللہ) شہید کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ان کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک انتہائی بھاری پتھر کی چکی کو اوپر لے جائیں اور اسے حضور ﷺ پر گرادیں۔ اس زمانے میں اس ترکیب سے لوگوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ ایک سمجھدار یہودی سلام بن مشکم نے انہیں سمجھایا کہ تم ایسا نہ کرسکو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو تمہارے ارادوں کی خبر کر دے گا مگر وہ باز نہ آئے۔ منصوبہ تکمیل کے آخری مراحل میں تھا کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کو اس ناپاک منصوبے کی اطلاع مل گئی۔ اس پر آپؐ وہاں سے نہایت تیزی سے اٹھے اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ آپؐ اتنی تیزی سے اٹھے کہ ساتھ والے صحابہ کرامؓ آپؐ کو مدینہ کے راستے میں آ کر ملے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو راستے میں پوری بات بتائی۔

---

(1) اگر مقتول کے وارث قصاص (بدلہ) نہ لینا چاہیں تو انہیں دیت ادا کی جاتی ہے۔ پاکستانی قانون پاکستان پینل کوڈ (PPC) کے سیکشن 323 میں درج ہے کہ دیت کی کم از کم مالیت 30 کلو اور 630 گرام چاندی کے برابر ہوگی۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان ہر سال یکم جولائی کو چاندی کی قیمت کا نوٹیفکیشن جاری کرتا ہے اور اس قیمت کے لحاظ سے دیت کی رقم کا حساب کیا جاتا ہے۔

اس واقعے کے بعد یہودیوں نے اپنے لیے سارے راستے خود ہی بند کر لیے۔ آپؐ نے انہیں مدینہ سے دس دن کے اندر نکلنے کا حکم دیا جسے تسلیم کرنے کے سوا یہودیوں کے پاس کوئی چارہ نہ تھا لہٰذا انہوں نے کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس موقع پر بھی رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے اپنا غلیظ کردار ادا کیا۔ اس نے یہودیوں سے کہا کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے پاس لڑائی کے لیے 2000 لوگ ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو وہ ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا نیز بنو غطفان اور بنو قریظہ کے قبیلے بھی تمہاری مدد کریں گے۔ یہ سن کر یہودیوں نے آپؐ کو پیغام بھیجا کہ وہ کہیں نہیں جا رہے۔ مسلمانوں نے جو کرنا ہے کر لیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی نازک صورتحال تھی کیونکہ احد میں ان کا سخت نقصان ہو چکا تھا اور بعد میں بھی دو موقعوں پر دھوکے سے 80 صحابہ کرامؓ کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اس صورتحال میں یہودیوں سے ایک اور جنگ لڑنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ خاص طور پر جب منافقین سمیت ان کو بہت سے قبیلوں کا تعاون بھی حاصل تھا لیکن یہ حساب کتاب تو دنیاوی تھا۔ چونکہ یہودیوں نے آپؐ کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی اس لیے صحابہ کرامؓ کے عشق رسول ﷺ کا یہ تقاضا تھا کہ ان سے لازمی نپٹا جائے خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں لہٰذا بنو نضیر کا گھیراؤ کر لیا گیا۔ یہودیوں نے اپنے آپ کو قلعوں کے اندر بند کر لیا اور چھ دن تک قلعوں سے تیر برسا کر اور پتھر پھینک کر اپنا دفاع کیا مگر انہیں کسی طرف سے کوئی امداد نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر دہشت طاری کر دی۔ انہوں نے آپؐ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ چھوڑنے کے لیے راضی ہیں۔ آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور ان کے کسی ایک فرد کو بھی قتل نہیں کیا حالانکہ جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کے بدلے اگر ان سب کو قتل کر کے ان کی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا جاتا تو یہ عین انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا۔ مگر قربان جائیں حضور ﷺ کے رحم و کرم پر۔ آپؐ نے ان سب

کو با حفاظت جانے دیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ اپنا سارا سامان اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں البتہ جنگی سامان لے جانے کی اجازت نہیں۔ اس پر یہودیوں نے 600-اونٹوں پر اپنا سامان لادا۔ کچھ نے تو اپنے مکانوں کے دروازے اور چھتوں میں ڈالی جانے والی لکڑیوں تک کو اکھاڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ ان میں سے صرف دو لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے نام حضرت یامینؓ اور حضرت ابو سعیدؓ تھے۔ اس طرح اس فتنے سے مسلمانوں کو آزادی ملی نیز بنو نضیر کے باغات، زمین، گھر اور جنگی سامان بھی ان کو حاصل ہوا۔ جنگی سامان میں 50 زرہیں (لوہے کا لباس) 50 خود (لوہے یا پتھر کی ٹوپی جسے جنگ کی حالت میں سر پر پہنا جاتا تھا) اور 340 تلواریں شامل تھیں۔

ہمارے لیے سبق

1۔ سازش اور شر پسندی اچھی نہیں۔ بنو نضیر کا قبیلہ مدینہ میں بہت آرام اور عزت سے رہ رہا تھا مگر اپنی سازشوں کی وجہ سے دربدر ہوا۔

2۔ دنیاوی حساب سے مسلمان جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے لیکن معاملہ تھا عشق رسول ﷺ کا۔ یہودیوں نے رسول ﷺ کو براہ راست شہید کرنے کی کوشش کی تھی لہٰذا صحابہ کرامؓ نے نتائج کی پرواہ نہ کی اور جنگ میں کود پڑے۔ پھر دیکھیں کیسے اللہ کی مدد آئی۔ نہ تو منافقین ان کی مدد کو آئے اور نہ ہی بنو غطفان اور بنی قریظہ کے قبیلے اور صرف چھ دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف اور رعب ڈال دیا۔ حضور ﷺ سے عشق کا ہمارا بھی یہی معیار ہونا چاہیے۔

3۔ جب یہودیوں نے بالآخر آپؐ کا حکم مان لیا تو اتنی دشمنی کے باوجود آپؐ نے ان سے

رحم کا معاملہ فرمایا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کریں۔ ہمارے اندر اتنی انا اور ضد ہے کہ اگر کوئی ہمیں چھوٹی سی بات کہہ دے جو ہمیں پسند نہ ہو تو ہم سالوں تک اس کے ساتھ دشمنی پالتے ہیں اور اسے ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

4۔ یہودی سلام بن **مشکم** نے بنو نضیر کو اچھا مشورہ دیا تھا جو انہوں نے تسلیم نہیں کیا اور اپنا بڑا نقصان کرا لیا لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اچھا مشورہ کوئی بھی دے تو اسے ضرور مان لینا چاہیے۔

غزوہ بنی مصطلق

یہ غزوہ 5 ہجری شعبان کے مہینے میں پیش آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپؐ نے ایک صحابی حضرت بریدہؓ کو بھیج کر اس کی تصدیق کرائی تو یہ اطلاع سچ ثابت ہوئی لہٰذا مسلمانوں نے وہاں کا رخ کیا۔ سب سے پہلے اس قبیلے والوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جنگ چھڑ گئی۔ جیسے ہی کفار کے لشکر کا علمبردار قتل ہوا۔ ان کی پوری فوج بد دل ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فتح نصیب فرمائی۔ کفار کے سو لوگ قیدی بنا لیے گئے۔ ان میں قبیلے کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔ یہ پہلے ایک صحابی حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصے میں بطور قیدی آئیں مگر انہوں نے حضرت ثابتؓ سے یہ طے کر لیا کہ وہ مخصوص رقم لے کر انہیں آزاد کر دیں گے۔ حضرت ثابتؓ کو یہ رقم حضرت جویریہؓ کی طرف سے آپؐ نے ادا کی۔ حضرت جویریہؓ نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا اور آپؐ کی ان سے شادی ہو گئی۔ آپؐ سے شادی کی وجہ سے چونکہ اس

قبیلے سے رشتے داری ہو چکی تھی لٰہذا مسلمانوں نے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ وہ مسلمانوں کے حسن سلوک سے انتہائی متاثر ہوئے اور ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔

اس غزوہ میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا۔ وہ اس بد نیتی سے شامل ہوا تھا کہ انصاری اور مہاجر صحابہ کرامؓ کے درمیان پھوٹ ڈلوائے گا مگر آپؐ نے اس کے سب ارادوں پر خاک ڈال دی۔ جب مسلمانوں پر اس کا بھیانک چہرہ مزید واضح ہوا تو انہوں نے اسے قتل کرنا چاہا مگر آپؐ نے اجازت نہ دی حتٰی کہ اس منافق کے سگے بیٹے (جو مسلمان ہو چکے تھے اور سچے عاشق رسول ﷺ بھی تھے) نے آپؐ سے عرض کی کہ اگر آپؐ حکم دیں تو وہ اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر دے گا لیکن آپؐ جو رحمۃ للعالمین ہیں نے اس کی اجازت نہ دی۔

غزوہ خندق (غزوہ احزاب)

یہ غزوہ 5 ہجری ذیقعدہ کے مہینے میں پیش آیا۔ اس کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں گروہ۔ اس جنگ میں کفار مکہ کے ساتھ دیگر کئی قبیلوں نے اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اسی نسبت سے اس غزوہ کو غزوہ احزاب کہتے ہیں۔

وجوہات

اس غزوہ کی اہم ترین وجوہات درج ذیل ہیں:۔

(1) ابو سفیان نے جو چیلنج احد میں اگلے سال بدر کے مقام پر لڑائی کا دیا تھا اور جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا تھا، اسی عہد کے تحت آپؐ 1400 صحابہ کرامؓ کا

لشکر لے کر بدر پہنچے۔ ابو سفیان کا لشکر 2000 سواروں پر مشتمل تھا۔ کفار مکہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ جنگ ہار جائیں گے لہٰذا ابو سفیان لڑائی کیے بغیر واپس چلا گیا اور بہانہ یہ بنایا کہ اس سال قحط اور خشک سالی ہے اور جانوروں کا چارہ تک مشکل ہے۔ اس لیے وہ اس سال جنگ کو مؤخر کر رہا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ بدر اور احد کے بعد بھی اسلام اور کفار کے درمیان کشمکش عروج پر تھی جس کا نتیجہ غزوہ خندق کی صورت میں ظاہر ہوا۔

(2) کفار مکہ نے مسلمانوں کی تجارت کو نقصان پہچانے کے لیے عراق جانے والی شاہراہ اپنے کنٹرول میں کر لی اور یہی حال یمن اور خیبر والے راستوں کا تھا۔ مسلمانوں نے بھی کفار کے تجارتی راستوں کی ہر ممکن ناکہ بندی کی۔ یوں پہلے سے جاری کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

(3) کفار کے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں تھیں مثلاً بتوں کی پوجا کرنا، ڈاکہ زنی، فحاشی اور بے حیائی، تکبر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگ چھڑ جانا وغیرہ۔ اسلام نے ان سب برائیوں کی جڑ کاٹ دی۔ اس سے غیر مسلم قبیلوں کو محسوس ہوا کہ ان کا صدیوں پرانا کلچر اور تہذیب اسلام کی وجہ سے سخت خطرے میں ہے۔

(4) مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے آباد تھے۔ ان میں سے دو قبیلے بنو قینقاع اور بنو نضیر اپنے کرتوتوں کی وجہ سے (تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے) مدینہ سے نکال دیے گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنی دشمنی میں مزید تیزی پیدا کر دی۔ وہ 20 سرداروں کا وفد لے کر مکہ گئے اور نہ صرف کفار مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا بلکہ انہیں ہر طرح کے عملی تعاون کی بھی پیشکش کی۔ ابو سفیان مکہ سے 4000 کا لشکر لے کر چلا۔ دیگر قبیلوں سے

یہودیوں اور ابو سفیان کا پہلے سے رابطہ تھا۔ انہوں نے بھی مدینے کا رخ کیا اور سب کی تعداد ملا کر دس ہزار ہو گئی۔ یہ تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مدینہ کی کل آبادی (بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو شامل کر کے) بھی اس سے کم تھی۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 3000 تھی۔

واقعات

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو جیسے ہی ان لشکروں کی اطلاع ملی، آپؐ نے فوراً حسبِ سابق تمام صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا۔ مدینہ قدرتی طور پر تین اطراف سے مکانات، باغات اور پہاڑوں کی وجہ سے محفوظ تھا۔ صرف چوتھی طرف سے حملہ آور آسانی سے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ کافی غور و خوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ وہ ایران میں خندق کھود کر اپنا دفاع کیا کرتے تھے۔ اس جنگ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ آپؐ نے اس مشورے کو قبول فرمایا۔ چونکہ کفار کا لشکر مدینہ سے کچھ ہی فاصلے پر تھا اس لیے ہنگامی بنیادوں پر خندق کی کھدائی شروع کر دی گئی۔ یہ خندق 15 فٹ چوڑی اور 15 فٹ گہری تھی تاکہ کوئی اسے پیدل حتیٰ کہ گھڑ سوار بھی عبور نہ کر سکے۔ آپؐ نے خود بھی خندق کی کھدائی میں بھرپور حصہ لیا۔ یہ سخت سردی کا موسم تھا اور مسلمانوں کے پاس خوراک کی انتہائی قلت تھی۔ اس کے باوجود مطلوبہ خندق کفار مکہ کے پہنچنے سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ کفار خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ عرب میں خندق بطور جنگی ڈھال ایک نئی بات تھی۔ اسی دوران یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے بھی غداری کا ثبوت دیا حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا معاہدہ تھا۔ اس سے مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اس لیے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کا ایک فوجی دستہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا۔ لشکر کفار نے سر توڑ کوششیں کیں کہ کسی طرح وہ خندق عبور کر کے مسلمانوں پر

حملہ کر سکیں لیکن وہ جب بھی آگے بڑھتے مسلمان ان پر تیروں کی بارش کر دیتے۔ زیادہ جوش میں آکر ایک دفعہ عَمرو بن عبدِوُدّ (جو 2000 سواروں کے برابر لڑائی لڑنے کے لیے مشہور تھا)، عکرمہ بن ابو جہل اور ضرار بن خطاب نے خندق کو پار کر لیا۔ وہ صرف تین تھے اور سامنے مسلمانوں کی پوری فوج کھڑی تھی۔ ان تین کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ انفرادی مقابلہ کریں اور ان کے مقابلے میں تین مسلمان بھیجیں۔

مسلمان فوج ان تینوں کو چند لمحوں میں ختم کر سکتی تھی مگر مسلمانوں نے ایک بہادر فوج کی طرح کفار کی یہ درخواست قبول کی۔ یوں عمرو بن عبدوُدّ کے مقابلے پر حضرت علیؓ آئے۔ انہوں نے پہلے اسے اسلام کی دعوت دی جو اس نے رد کر دی۔ پھر آپؓ نے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اس نے انکار کر دیا۔ پھر فرمایا اب مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پہلا وار عمرو نے کیا مگر حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ زبردست مقابلہ ہوا اور بالآخر یہ کافر حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا جبکہ باقی دونوں کافر واپس بھاگ گئے۔

غیبی مدد

قبیلہ بنو غطفان کا ایک شخص حضرت نُعَیمؓ بن مسعود مسلمان ہو گیا اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ انہیں کچھ حکم دیں۔ آپؐ نے انہیں فرمایا کہ تم بنو غطفان، کفار مکہ اور بنو قریظہ کا اتحاد ختم کرا کے ان کے درمیان پھوٹ ڈلوا دو۔ حضرت نعیمؓ نے کمال حکمت سے منصوبہ بندی کی۔ سب سے پہلے وہ بنو قریظہ (یہودی قبیلہ) کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا کہ کفار مکہ اور بنو غطفان کے لوگ تو واپس چلے جائیں گے اور اس کے بعد تم لوگوں کو اکیلے ہی مسلمانوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے آپ ان دونوں سے مطالبہ کریں کہ گارنٹی کے طور پر وہ اپنے بیٹے آپ کے پاس یرغمال رکھیں۔ بنو قریظہ کے لوگوں کو یہ آئیڈیا بہت پسند آیا۔ اس کے بعد آپؓ کفار مکہ اور بنو غطفان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں سمجھایا کہ بنو

قریظہ پر بھروسہ مت کرنا۔ وہ تمھاری ہرگز مدد نہیں کریں گے کیونکہ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ ہے۔ اب وہ تمھارے بیٹے یرغمال کے طور پر مانگیں گے۔ اگر آپ نے ان کی بات مان لی تو وہ تمہارے بیٹوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔ اب بنو قریظہ نے کفار مکہ اور بنو غطفان سے بیٹے بطور یرغمال مانگے تو انہوں نے انکار کر دیا لہٰذا ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی۔

کفار کے لشکر کو وہاں ٹھہرے ہوئے 27 دن گزر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک رات زور دار آندھی چلی۔ آندھی نے کفار کے خیمے اکھاڑ کر رکھ دیے اور کفار کے دل دہل گئے اور وہ میدان چھوڑ کر خود ہی بھاگ گئے۔ آپؐ کے حکم پر حضرت حذیفہؓ نے جاکر تصدیق فرمائی تو دیکھا کہ میدان خالی پڑا تھا۔ آندھی کے علاوہ کفار کی واپسی کی دو وجوہات اور بھی تھیں۔ ایک یہ کہ حرام یعنی حرمت والے مہینے کی آمد بالکل قریب تھی اور حرام مہینوں میں کفار سمیت کوئی بھی جنگ نہیں کرتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حرمت والے مہینوں میں کثیر تعداد میں لوگ مکہ آتے تھے جس سے کفار مکہ کو بہت زیادہ آمدن ہوتی تھی۔ اس لیے وہ اس آمدن کے لالچ میں بھی مکہ واپس لوٹ گئے۔ اس جنگ میں دس کافر ہلاک ہوئے جبکہ چھ مسلمانوں نے شہادت پائی۔ زیادہ تر اموات تیروں کی وجہ سے ہوئیں۔

غزوہ خندق کے چند اہم نکات

(1) کفار مکہ کی مسلمانوں کے خلاف یہ آخری جنگی کوشش تھی جو ناکام ہوئی۔ اس کے بعد کفار کبھی مدینہ پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ اس کی پیشین گوئی آپؐ نے کفار کے میدان جنگ خندق خالی کرنے کے اگلے ہی روز ان الفاظ میں فرما دی تھی۔ "اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔ وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے" (صحیح بخاری)۔

(2) کفار مکہ نے اپنے ساتھ سب قبائل کو بھی ملا کر دیکھ لیا اور نتیجہ صفر رہا بلکہ کفار اور ان کے ساتھیوں کی ذلت اور رسوائی ہوئی۔ اس سے ان کا پورے عرب میں رعب و دبدبہ ختم ہو گیا اور مسلمانوں کی عزت اور وقار میں اضافہ ہوا۔

ہمارے لیے سبق

- ❖ حضرت نعیمؓ بن مسعود کے واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ جنگ میں اس طرح کی چال چلنا جائز ہے۔
- ❖ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے نہ صرف مشورہ فرمایا بلکہ حضرت سلمان فارسیؓ کا خندق کھودنے کا مشورہ قبول بھی فرمایا۔ یہ ہمارے لیے بھی سبق ہے کہ ہم مشاورت ضرور کریں۔
- ❖ آپؐ نے صرف صحابہ کرامؓ کو حکم نہیں دیا کہ وہ خندق کی کھدائی کریں بلکہ خود بھی اس کام میں حصہ لیا اور وہ بھی صحابہ کرامؓ سے بڑھ چڑھ کر۔ اس کا موازنہ آج کل کے حکمرانوں اور لیڈروں سے کریں تو آپؐ کی عظمت ہمارے سامنے مزید عیاں ہو جاتی ہے۔
- ❖ کھدائی کے دوران ایک سخت پتھر آ گیا جو صحابہ کرامؓ کی کوشش کے باوجود نہ ٹوٹا۔ بالآخر انہوں نے یہ مسئلہ آپؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ خود اپنا کدال لے کر خندق میں اترے اور اس پتھر پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ جس سے روشنی نکلی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے شام کے ملک کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ دوسری چوٹ پر بھی روشنی نکلی تو فرمایا مجھے ایران دے دیا گیا ہے۔ تیسری چوٹ پر بھی روشنی نکلی تو فرمایا مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ ایسی نازک صورتحال میں اتنی بڑی

خوشخبریاں صرف ایک سچا رسول ﷺ ہی دے سکتا ہے۔ پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جو پتھر سارے صحابہ کرامؓ نہ توڑ سکے اسے آپؐ کی صرف تین چوٹوں نے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس سے آپؐ کی جسمانی طاقت کا اندازہ بھی ہوتا ہے جبکہ اس وقت آپؐ کی عمر تقریباً 58 سال ہو چکی تھی۔

❖ کچھ صحابہ کرامؓ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ جب بھوک کی شدت زیادہ ہوئی تو انہوں نے آپؐ کو اپنا پیٹ دکھایا۔ اس پر آپؐ نے انہیں اپنے پیٹ سے کپڑا اہٹا کر دکھایا تو صحابہ کرامؓ حیران رہ گئے کیونکہ آپؐ نے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے یعنی ان سے دگنی بھوک برداشت کر رہے تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے تین دنوں تک کچھ نہ کھایا تھا۔

❖ آپؐ کی اسی بھوک سے پریشان ہو کر ایک صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے آپؐ کی دعوت کی۔ کھانے کا کل سامان تقریباً اڑھائی کلو جو اور بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا لہٰذا حضرت جابرؓ نے آپؐ سے عرض کی کہ آپؐ اور چند صحابہ کرامؓ کھانے کے لیے تشریف لے آئیں مگر آپؐ نے ایک ہزار صحابہ کرامؓ کو دعوت دے دی۔ آپؐ کی برکت سے ان سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر نہ سالن ختم ہوا اور نہ ہی روٹیاں۔ یہ معجزہ سب اہل ایمان نے دیکھا جس سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہوا۔

❖ اسی طرح سے حضرت نعمانؓ بن بشیر اور ان کے ماموں بھی بھوکے پیاسے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے کہ حضرت نعمانؓ کی بہن صرف دو مٹھی (یہ زیادہ سے زیادہ آدھا کلو بنتی ہیں) کھجوریں لے کر آئیں۔ آپؐ نے اس سے یہ کھجوریں

لے کر ایک کپڑے پر پھیلا دیں اور خندق کھودنے والے تمام مسلمانوں کو دعوت دی۔سب کا پیٹ بھر گیا لیکن کھجوریں ابھی بھی اتنی زیادہ پڑی تھیں کہ اس کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔

❖ ایک یہودی (جس سے مسلمان عورتوں کو خطرہ محسوس ہوا) کو آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک لکڑی سے مار مار کر قتل کر دیا۔اس سے یہودیوں کے اندر خوف پھیل گیا کہ شاید کتنے مسلمان عورتوں کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔یہ آج کل کی عورتوں کے لیے ایک سبق بھی ہے کہ بوقت ضرورت انہیں اتنا بہادر ہونا چاہیے کہ وہ دشمن کا سر بھی کچل سکیں۔ہر خاتون سے گزارش ہے کہ وہ یہاں رک کر اپنے آپ سے سوال ضرور کرے کہ اس کے اندر کتنی بہادری ہے؟

یہ جنگ دراصل اعصاب کی جنگ تھی۔یہودیوں کی سازشوں اور کفار کی کھلی جنگ کے باوجود آپؐ کی قیادت میں صحابہؓ متحد رہ کر ڈٹے رہے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان سے تین گنا بڑے لشکر کو ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا۔

یہودیوں سے تیسری جنگ

(غزوہ بنو قریظہ)

یہ غزوہ 5 ہجری ذیقعدہ کے مہینے میں پیش آیا۔بنو قریظہ مدینے میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ان پر آپؐ کے بہت احسانات تھے۔آپؐ کی مدینہ آمد سے پہلے اس قبیلے کی

عزت باقی یہودی قبیلوں سے کم تھی حتیٰ کہ ان کے قانونی حقوق بھی باقی قبیلوں کے برابر نہ تھے۔ مثال کے طور پر ان کی دیت (مقتول کا معاوضہ) باقی یہودی قبیلوں سے آدھی تھی۔ آپؐ نے ان کی دیت باقی یہودی قبیلوں کے برابر کر دی۔ ان کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ فرمایا اور ان کی عزت و وقار میں اضافہ فرمایا لیکن جنگ خندق کے دوران انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کفار مکہ کا ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی (تفصیل غزوہ خندق میں آچکی ہے)۔

غزوہ خندق سے واپسی والے دن ہی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ وہ بنو قریظہ کے فتنے کا خاتمہ فرمائیں۔ اس پر آپؐ نے فوراً جہاد کا اعلان فرمایا۔ حضرت علیؓ اور کچھ صحابہ کرامؓ جب بنو قریظہ کے علاقے میں پہنچے تو ان بدبختوں نے آپؐ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یوں ان کے پچھلے جرائم میں ایک اور بڑے جرم کا اضافہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 3000 تھی۔ یہودیوں کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ہمیں اسلام قبول کر لینا چاہیے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے نبیؐ ہیں یا پھر پوری شدت سے مسلمانوں سے لڑائی کرنی چاہیے یا ہفتے کے روز دھوکے سے اچانک ان پر حملہ کر دینا چاہیے کیونکہ اس دن یہودی صرف عبادت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ان سے جنگ کی ہرگز توقع نہیں ہوگی۔ ان کی قوم نے ان میں سے کوئی بھی تجویز قبول نہ کی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا۔ بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ بنو قریظہ کا حلیف قبیلہ بنو اوس تھا جو مسلمان ہو چکا تھا۔ حلیف ہونے کا مطلب قریبی دوستی اور گہرا تعلق تھا لہٰذا بنو اوس کے صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے بنو قریظہ کے لیے جان کی امان کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا! کیوں نہ اس کا فیصلہ بنو اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ سے کروا لیا جائے۔ اس پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ جب حضرت سعدؓ وہاں

تشریف لے آئے تو بنو اوس کے لوگوں نے ان سے بھی یہی درخواست کی کہ بنو قریظہ کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں۔ اس پر حضرت سعدؓ نے پوچھا کہ کیا ان کا فیصلہ سب لوگ تسلیم کریں گے؟ اس پر سب لوگوں (بنو قریظہ، بنو اوس اور خود آپؐ نے بھی) نے کہا کہ ان کا فیصلہ قبول کیا جائے گا۔ حضرت سعدؓ نے یہودیوں کی مقدس کتاب تورات کے مطابق فیصلہ دیا کہ ان کے سب مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے مال کو مالِ غنیمت کے طور پر قبضے میں لے لیا جائے۔ حضرت سعدؓ کے فیصلے پر مکمل عمل کیا گیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں تقریباً 700 یہودی قتل ہوئے۔ یوں اس فتنے کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

اہم نکات

(1) اس غزوہ میں شرکت مسلمانوں کے لیے ایک بڑا امتحان تھی۔ وہ اسی روز جنگ خندق سے فارغ ہوئے تھے۔ تھکاوٹ سے چُور چُور، اوپر سے غضب کی سردی اور بدترین بھوک۔ مگر سب صحابہؓ نے حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ دراصل اطاعت رسولؐ ہی اسلام کی بنیاد ہے۔ ہم سے بھی اسی کا تقاضا کیا گیا ہے۔

(2) اس غزوہ سے پہلے حضرت ابو لبابہؓ سے ایک معمولی سی غلطی ہو گئی تھی لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے باندھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ قبول فرمائی۔ اس کی اطلاع آپؐ کو وحی کے ذریعے دی گئی۔ حضرت ابو لبابہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ یہ جان کر نہایت خوش ہوئے۔ صحابہ کرامؓ انہیں کھولنے لگے لیکن انہوں نے کہا کہ انہیں جب تک خود حضور ﷺ نہیں کھولیں گے وہ اسی ستون کے ساتھ بندھے رہیں گے بالآخر آپؐ

نے اپنے ہاتھوں سے انہیں آزاد کیا۔ حضرت ابولبابہؓ چھ دنوں تک اس ستون کے ساتھ بندھے رہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی غلطی، کوئی کوتاہی یا کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے اور سچے دل سے مانگی جائے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ توبہ فوراً قبول ہو جائے کیونکہ یہ تو پوری کائنات کے مالک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ قبول کرے یا نہ کرے یا کب کرے۔ حضرت ابولبابہؓ صحابیِ رسولؐ تھے، اپنے آپ کو باندھا بھی مسجد نبویؐ میں اور سچے دل سے توبہ بھی کی مگر توبہ چھ دن بعد قبول ہوئی۔

(3) حُیی بن اخطب یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کا سردار تھا۔ یہ پوری طرح سے بنو قریظہ کی مدد کرتا رہا اور اس غزوہ کے دوران یہ ان کے قلعے میں موجود تھا۔ جب اسے گرفتار کرکے حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "جو اللہ سے لڑتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے"۔ اس نے کہا کہ اسے آپؐ سے جو دشمنی ہے، اسے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اسے باقی یہودیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت صفیہؓ جو حضور ﷺ کی بیوی تھیں یہ ان کا باپ تھا۔ دراصل ساری بات ایمان کی ہے۔ حضرت صفیہؓ آپؐ کے نکاح میں آئیں اور تمام مسلمانوں کی ماں (ام المؤمنینؓ) قرار پائیں جبکہ ان کا باپ آپؐ سے دشمنی اور کفر کی بنا پر ذلت کی موت مرا اور اگلے جہان میں بھی دوزخ اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

(4) حضرت سعدؓ بن معاذ نے اپنے قبیلے کی غلط سفارش کی کوئی پرواہ نہ کی اور صحیح فیصلہ صادر فرمایا۔ انہوں نے فیصلہ کرنے سے پہلے فرمایا کہ انہیں صحیح فیصلہ کرتے ہوئے کسی کے برا بھلا کہنے کی کوئی پرواہ نہیں۔ فیصلہ کرتے ہوئے ہمیں بھی یہی

کرنا چاہیے۔ اس واقعے کے کچھ ہی روز بعد حضرت سعدؓ کا زخم پھٹ گیا جو انہیں غزوہ خندق میں لگا تھا جس سے وہ انتقال فرما گئے۔ ان کی شان ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے انتقال پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ سعدؓ کی موت سے رحمٰن کا عرش ہل گیا ہے۔ پھر آپؐ نے بتایا کہ لوگوں کے ساتھ فرشتوں نے بھی ان کا جنازہ اٹھایا۔ ایسی ہوتی ہے ایمان والوں کی شان۔ سبحان اللہ

(5) اس غزوہ کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیات نازل ہوئیں۔

صلح حدیبیہ

6 ہجری ذیقعدہ کے مہینے میں حضور ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تو تمام صحابہ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فوری طور پر 1400 صحابہ کرامؓ آپؐ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے احرام باندھ لیے اور قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے۔ تھوڑی ہی دور جا کر حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ کفار مکہ پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا مسلمانوں کے پاس ہتھیار ہونے چاہئیں۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کا یہ مشورہ قبول فرمایا اور مدینے سے ہتھیار منگوا لیے۔

مکہ کے قریب پہنچ کر حضور ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ مکہ کے حالات معلوم کرے۔ اس نے آ کر بتایا کہ کفار مکہ کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں اور انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ حضور ﷺ نے اس موقع پر حسب عادت صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سب نے عرض کی کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو بھرپور لڑائی

کریں گے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے حرمت والے مہینوں کے تقدس کے پیش نظر صلح کو ترجیح دی۔

کفار کے تین قاصد

1۔ کفار کی طرف سے پہلا قاصد بدیل بن ورقا آیا۔ آپؐ نے اسے بتایا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ ہم نے تو احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے جانور بھی ہمارے ہمراہ ہیں۔ بدیل نے مکہ جا کر کفار مکہ کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ آپؐ کو عمرے سے نہیں روکنا چاہیے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا بالخصوص کفار مکہ کے نوجوانوں نے کہا کہ اس میں ان کی بڑی بے عزتی ہے لہٰذا وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔

2۔ کفار کا دوسرا قاصد حلیس بن علقمہ تھا۔ یہ انتہائی اثر و رسوخ والا آدمی تھا اور مکہ کے ارد گرد رہنے والے تمام قبیلوں کا سردار تھا۔ اس نے بھی جا کر کفار مکہ کو سمجھایا کہ آپؐ کو عمرے سے نہیں روکنا چاہیے۔ اس پر کفار کے نوجوانوں نے اسے طعنہ مارا کہ تم جنگلی آدمی ہو اور تمہیں ان معاملات کی سرے سے کوئی سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ اس پر حلیس نے کفار مکہ سے لڑائی کا فیصلہ کر لیا۔ کفار مکہ کو اس کی طاقت کا اندازہ تھا لہٰذا انہوں نے اس کی منت سماجت کر کے بڑی مشکل سے اسے ٹھنڈا کیا۔

3۔ عروہ بن مسعود ثقفی کفار کا تیسرا قاصد تھا۔ اس نے مسلمانوں کو کفار مکہ کی طاقت سے ڈرانے کی کوشش کی۔ اس دھمکی کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عروہ کو آپؐ نے یہ بات واضح الفاظ میں سمجھا دی کہ وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر کفار نے مجبور کیا تو مسلمان آخری دم تک لڑیں گے۔ عروہ نے واپس جا کر اپنے

تاثرات کفار کو ان الفاظ میں بیان کیے۔ "اے میری قوم کے لوگو! میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ میں نے کسی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی عزت و تعظیم کرتے ہوں جتنی حضرت محمد ﷺ کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمدؐ تھوکتے بھی ہیں تو لوگ اپنا ہاتھ آگے کر دیتے ہیں اور اپنے جسم اور چہرے پر مل لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ تک زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ایسے لگتا ہے کہ وہ ایک ایک قطرے کے حصول کے لیے آپس میں لڑ پڑیں گے۔ جب آپؐ ان کو کوئی حکم دیتے ہیں تو سب اطاعت کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور جب آپؐ ان سے بات کرتے ہیں تو سب اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں۔ ادب کی حد یہ ہے کہ وہ تعظیم کی وجہ سے آپؐ کو نظر بھر کے نہیں دیکھتے۔ جس لشکر کا اپنے قائد کے ساتھ محبت و عقیدت کا یہ عالم ہو تم اس لشکر کو ہرگز شکست نہیں دے سکتے"۔

مسلمانوں کے قاصد

1۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت خراشؓ بن امیہ کو روانہ کیا گیا۔ کفار مکہ نے سفارت کاری کے آداب کی خلاف ورزی کی اور ان کے اونٹ کو ذبح کر دیا اور انہیں بھی قتل کرنا چاہا۔ بڑی مشکل سے حلیس (جو مکہ کے ارد گرد رہنے والے قبیلوں کا سردار تھا) نے ان کی جان بچائی۔

2۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ کو سفیر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مکہ میں میرا قبیلہ اور میرے ہمدرد نہیں ہیں جبکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قبیلہ (بنو امیہ) کے وہاں کافی لوگ ہیں اور وہ

اثر و رسوخ والے لوگ ہیں جن کی وجہ سے کفار مکہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آپؐ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ حضرت عثمانؓ مکہ میں صلح کا پیغام لے کر گئے۔ ان کے بااثر خاندان کی وجہ سے کفار مکہ نے کہا کہ اگر آپ عمرہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن ہم حضرت محمد ﷺ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو اس کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ یہ حضرت عثمانؓ کے ایمان کا امتحان تھا۔ آپؓ کو عمرہ کرنے کی اجازت دی جا رہی تھی مگر انہوں نے آپؐ کے بغیر ایسا کرنا پسند نہیں فرمایا۔ کفار مکہ کا خیال تھا کہ ان کی پیش کش کو حضرت عثمانؓ نہایت خوشی سے قبول فرمائیں گے۔ حضرت عثمانؓ کے انکار پر انہیں سخت غصہ آیا لیکن وہ ان کے مضبوط قبیلے کی وجہ سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مکہ میں روک لیا تاکہ اچھی طرح مشورہ کر کے انہیں کوئی جواب دے سکیں۔

بیعت رضوان

حضرت عثمان غنیؓ کی واپسی میں جب کافی تاخیر ہو گئی تو مسلمانوں کو لگا کہ کہیں کفار مکہ نے ان کو شہید نہ کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں ان کا بدلہ لینے کے لیے تمام مسلمانوں سے حضور ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت لی۔ آپؐ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ بیعت کا مقصد یہ تھا کہ آخری سانس تک لڑائی کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ خیریت سے واپس آ گئے مگر اس بیعت سے کفار کے حوصلے پست ہو گئے۔ بالآخر صلح کی نوبت آ گئی۔ کفار کی طرف سے صلح کی شرائط طے کرنے والا شخص سہیل بن عمرو تھا۔ حضرت علیؓ نے اس معاہدے کو تحریر فرمایا۔

معاہدے کی شرائط

1۔ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس مدینے چلے جائیں گے۔ اگلے سال وہ عمرہ ادا کر سکیں گے لیکن مکہ میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے اور اگلے سال جب مسلمان مکہ آئیں گے تو وہ اپنے ساتھ صرف تلواریں لاسکتے ہیں اور وہ بھی نیام میں ہونگی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہو گی۔

2۔ مکہ میں جو مسلمان رہائش پذیر ہیں، مسلمان انہیں اپنے ساتھ مدینے نہیں لے جائیں گے لیکن اگر مدینے میں رہنے والا کوئی مسلمان مکہ میں آکر قیام کرنا چاہے تو مسلمان اسے نہیں روکیں گے۔

3۔ اگر مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو مسلمان اسے وہاں رہنے کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ اسے مکہ واپس بھیج دیں گے لیکن اگر کوئی مدنی مسلمان دوبارہ سے کافر ہو کر مکہ آجائے تو مسلمان اسے مکہ آنے سے نہیں روکیں گے اور اسے مکہ میں رہنے کا بھی حق حاصل ہو گا۔

4۔ عرب کے باقی قبیلے اپنی مرضی سے مسلمانوں یا کافروں کے ساتھ معاہدہ کر سکتے ہیں۔

5۔ دس سال تک مسلمان اور کفار مکہ ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے حکمت بھرے موتی

1۔ ظاہری طور پر صلح حدیبیہ کی تمام شرائط مسلمانوں کے خلاف اور کفار کے حق میں

تھیں لیکن آپؐ نے انہیں منظور فرمایا۔ اس سے صحابہ کرامؓ کے اندر فطری بے چینی پیدا ہوئی لیکن آگے چل کے ثابت ہوا کہ دراصل یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے بہت فائدہ مند تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمتوں کو جتنا رسول ﷺ سمجھتے تھے دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

2۔ حضرت علیؓ نے معاہدہ لکھتے ہوئے جب بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○ لکھا تو کفار کے سفیر سہیل نے کہا کہ اس میں "رحمٰن" کا نام نہ لکھا جائے بلکہ اس کی جگہ پر عربوں کے رواج کے مطابق بِسۡمِكَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ تحریر کیے جائیں۔ آپؐ نے یہ قبول فرمالیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آپؐ کس قدر امن کے خواہش مند تھے۔ اسلام کا معنی ہی "امن و سلامتی" ہے۔

3۔ اسی طرح سے جب حضرت علیؓ نے "محمد رسول الله" کے الفاظ لکھے تو سہیل نے کہا کہ یہی تو جھگڑا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) کو اللہ کا رسول نہیں مانتے لہٰذا "رسول الله" کے الفاظ حذف کیے جائیں۔ آپؐ اس پر بھی راضی ہو گئے مگر حضرت علیؓ نے عشقِ رسول کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ کاٹنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا جس پر حضور ﷺ نے قلم اپنے ہاتھ میں لے کر خود یہ الفاظ کاٹ دیے اور ان کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" کے الفاظ لکھے گئے۔

4۔ معاہدے کی تحریر مکمل ہونے سے پہلے وہاں حضرت ابو جندلؓ پہنچ گئے۔ یہ اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جس نے کفار مکہ کی طرف سے آپؐ کے ساتھ یہ معاہدہ طے کیا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے حضرت ابو جندلؓ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے لہٰذا انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ وہ اس وقت بھی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ

نے ان کے باپ کو اس بات پر راضی کرنے کی بار بار کوشش کی مگر وہ کافر نہ مانا۔ صحابہ کرامؓ یہ سب دیکھ کر بہت غمگین ہو گئے۔ آپؐ نے ابو جندلؓ کو صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان سب تکلیفوں کو اپنے لیے باعث ثواب سمجھو۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ ہم نے اور کفار نے صلح کر لی ہے اور ہم نے ایک دوسرے کو اللہ کا عہد دے رکھا ہے لہٰذا ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اس سے ہمیں یہ سیکھنا چاہیے کہ وعدے کی پابندی کتنی ضروری ہوتی ہے۔

5۔ معاہدہ مکمل ہونے کے بعد کچھ مسلمان عورتیں وہاں پہنچ گئیں۔ ان کے وارثوں نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ انہیں بھی معاہدے کی رو سے واپس کیا جائے۔ اس پر مسلمانوں نے ایک زبردست قانونی نکتہ اٹھایا اور وہ یہ کہ معاہدے کے اندر لفظ "رجل" یعنی آدمی استعمال ہوا ہے لہٰذا یہ معاہدہ عورتوں پر لاگو ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے آپؐ نے ان کا یہ مطالبہ خلاف قانون قرار دے کر رد کر دیا جسے کفار کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ عرب والوں کو اپنی زبان دانی پر اتنا فخر تھا کہ وہ غیر عربوں کو عجمی (گونگا) کہتے تھے لیکن معاہدہ لکھتے وقت سہیل کے ذہن میں یہ بات ہی نہ آئی کہ رجل لکھ کر وہ ایک سنگین قانونی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے وہ ہر حال میں ایسا کر کے رہتا ہے۔ معاہدے کی ایک حکمت تو فوری طور پر صحابہؓ کی سمجھ میں آ گئی۔

6۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ **الممتحنہ** کی آیت نمبر 10 میں حکم فرمایا کہ مسلمان عورت کا کسی کافر مرد کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور نہ ہی مسلمان مرد کا نکاح کسی کافر عورت سے جائز ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کی دو بیویاں مسلمان نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد حضرت عمرؓ نے فوراً دونوں کو طلاق دے دی۔

7۔ ادھر حدیبیہ میں ہی صلح نامہ ہونے کے بعد حضور ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کر دیا اور اپنا سر منڈوالیا۔ آپؐ کی پیروی کرتے ہوئے تمام صحابہ کرامؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ کچھ نے مکمل طور پر سر منڈوالیے جبکہ کچھ نے قینچی سے سر کے تھوڑے سے بال کٹوائے۔ اسی موقع پر حضور ﷺ نے ان لوگوں کے لیے تین دفعہ دعا فرمائی جنہوں نے اپنے سر مکمل طور پر منڈوا دیے تھے اور ان کے لیے ایک دفعہ دعا فرمائی جنہوں نے قینچی سے بال کٹوائے تھے۔

8۔ کفار کے تقریباً 80 آدمیوں نے مسلمانوں پر حملے کی کوشش کی۔ وہ سب گرفتار کر لیے گئے مگر حضور ﷺ نے انہیں امن کی خاطر معاف فرما دیا۔

صلح حدیبیہ کا بغور جائزہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ظاہری طور پر اس معاہدے کی ساری شرطیں مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس صلح نامہ کو سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں مسلمانوں کی واضح فتح قرار دیا۔ "(اے پیغمبرؐ) بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک روشن (واضح) فتح عطا کی"۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس معاہدے کے درج ذیل نکات پر دوبارہ غور کریں:۔

(1) سب سے پہلے تو اس معاہدے کے ذریعے کفار مکہ نے پہلی دفعہ مسلمانوں کو اپنے برابر کا ایک فریق تسلیم کر لیا اور وہ بھی تحریری طور پر۔ یہ مسلمانوں کی بڑی فتح تھی۔

(2) کفار مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی فتنہ انگیزی اور جنگیں کر کے دیکھ لی تھیں حتٰی کہ اپنے ساتھ سارے عرب قبیلے ملا کر اور دس ہزار کے لشکر سے مدینہ پر حملہ کر کے بھی وہ مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے تھے لہٰذا انہوں نے ذہنی طور پر تسلیم کر لیا کہ وہ مسلمانوں سے کسی طور بھی جنگ نہیں جیت سکتے۔ اس لیے وہ دس

سال تک جنگ نہ کرنے پر راضی ہو گئے۔ یہ بھی مسلمانوں کی بڑی فتح تھی۔

(3) ”عورتوں“ کا لفظ معاہدے میں شامل نہ ہو سکا۔ اس سے ان مسلمان عورتوں کو فائدہ ہوا جنہیں واپس نہیں کیا گیا اور وہ مدینہ آ گئیں۔ ان میں حضرت اُمِّ کُلثومؓ بھی شامل تھیں۔ یہ مشہور مکی سردار عتبہ کی بیٹی تھیں جو غزوہ بدر میں قتل ہو گیا تھا لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے مالامال کیا۔

(4) کفارِ مکہ نے اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا گویا مکہ والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ بت پرستی اور شرک پر قائم ان کا معاشرہ اب مزید قائم نہیں رہ سکے گا اور لوگ کفر کو چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیں گے۔ صلح حدیبیہ کے ذریعے انہوں نے اپنے اس خوف کو تحریری طور پر تسلیم کر لیا۔ بعد میں ان کا یہ خوف سچ ثابت ہوا جبکہ اس کے برعکس یہ شرط تھی کہ اگر کوئی مدینہ سے مکہ آ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ آپؐ نے اس شرط کو قبول فرمایا تھا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جس کے دل میں ایک بار اسلام کی شمع روشن ہو جائے وہ پھر کفر کے اندھیروں میں نہیں جاتا اور اگر کوئی ایک آدھ بدبخت ایسا کر لیتا ہے تو اس مرتد کو مسلمانوں کے ساتھ ویسے بھی نہیں رہنا چاہیے۔

(5) کفار نے اپنی دانست میں مسلمانوں کو اس سال عمرے کی اجازت نہ دے کر اپنے لیے بڑی فتح حاصل کر لی تھی لیکن اس سے پورے عرب میں ان کا مذہبی پیشوا کا جو تصور بنا ہوا تھا وہ چکنا چور ہو گیا۔ اہلِ بصیرت نے دل کی گہرائیوں سے اس واقعہ پر غور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت محمد ﷺ نے تو ہر ممکن صلح کی کوشش کی حتیٰ کہ جن 80 کفار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی انہیں گرفتار کرنے کے باوجود چھوڑ دیا۔ دوسری طرف یہ کہ کفارِ مکہ کیسے مذہبی پیشوا ہیں جو لوگوں کو اللہ

کے گھر (خانہ کعبہ) کی زیارت سے محروم کررہے ہیں؟ یہاں ایک اور نفیس نکتہ یہ بھی ہے کہ کفار مکہ نے اگلے سال مسلمانوں کے عمرہ کرنے کے حق کو تحریری طور پر تسلیم کرلیا گویا انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ عمرہ کرنا مسلمانوں کا "حق" ہے۔ گویا انہوں نے مسلمانوں سے ان کا حق چھینا اور ایسا صرف ظالم کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف خطوط

حضرت محمد ﷺ چونکہ پوری دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپؐ نے اسلام کا پیغام مختلف بادشاہوں اور سرداروں تک خطوط کے ذریعے پہنچایا۔ آپؐ نے خطوط پہنچانے کے لیے جن قاصدوں کا انتخاب فرمایا وہ سب اس ضمن میں تجربہ کار لوگ تھے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق سرکاری خط پر مہر لگانا ضروری ہوتا تھا لہٰذا آپؐ نے اپنے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جو مہر کا کام بھی دیتی تھی۔ اس مہر کی شکل اور الفاظ یہ تھے۔



ان الفاظ کی بناوٹ پر غور فرمائیں۔ اس مہر میں یہ الفاظ عربی زبان کی طرح ایک دوسرے کے برابر نہیں لکھے گئے تھے بلکہ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام اوپر اور اپنا

نام نیچے لکھوایا۔ آج کل اسی مہر مبارک کا عکس فریم کروا کر لوگوں نے اپنے دفتروں اور گھروں کی دیواروں پر سجایا ہوتا ہے۔

مہر نبوت کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مہر نبوت کے بارے میں بہت سے حلقوں میں ایک غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ ایک مہر نبوت وہ تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے جسم مبارک پر نشانی کے طور پر موجود تھی جو ظاہر کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ یہ گوشت کا ایک ٹکڑا تھا جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی (کُرّی) کے پاس سیب کی طرح کا تھا۔ اسی مہر نبوت سے شام کے عیسائی راہب بحیرا نے پہچانا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک 12 سال تھی۔

دوسری مہر نبوت وہ تھی جو سرکاری خطوط کے اوپر لگائی جاتی تھی (جس کی تصویر اوپر دی گئی ہے)۔ اس خطوط والی مہر کو عام طور پر وہ مہر نبوت سمجھا جاتا ہے جو آپؐ کے جسم مبارک پر موجود تھی۔

ان خطوط کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

روم کے بادشاہ کی طرف خط

اس زمانے میں دو نہایت ہی طاقتور ملک (Super Powers) تھے۔ ایک روم[1] اور دوسرا ایران جیسے آج کل امریکہ اور روس ہیں۔

---

① روم اٹلی کا دارالحکومت اور ایک مشہور شہر ہے۔ اٹلی برّاعظم یورپ میں ہے۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام بھی سورۂ روم ہے۔

روم کے بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ حضور ﷺ نے جس قیصر روم کو خط بھیجا اس کا نام ہر قل تھا۔ یہ خط حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی نے قبیلہ بنو غسان کے سردار حارث کو دیا جس نے خط اور حضرت دحیہؓ کلبی کو ہر قل تک پہنچایا (اس وقت شام میں بنو غسان کی حکومت تھی اور ان کے دارالحکومت کا نام بصریٰ① تھا)۔ قیصر روم نے انہی دنوں ایرانی مجوسیوں سے بدلہ لیا تھا اور انہیں شکست دی تھی لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اس وقت بیت المقدس (فلسطین) کے قریب موجود تھا۔ یہیں اسے حضور ﷺ کا خط پہنچا۔ اس نے حکم دیا کہ مکہ یا اس علاقے کا کوئی قافلہ مل جائے تو اسے پیش کیا جائے۔ اتفاق سے ابو سفیان (وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا) اور اس کے کچھ ساتھی اس وقت تجارت کی غرض سے وہاں موجود تھے۔ انہیں قیصر روم کے سامنے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر نے ابو سفیان سے کافی سوال کیے اور آخر میں کہا کہ تم نے جو کچھ بتایا ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر یہ شخص (حضرت محمد ﷺ) بہت جلد میرے ان دونوں قدموں والی جگہ کا مالک بن جائے گا (یعنی آپؐ میرا سارا علاقہ فتح کر لیں گے)۔ اس کے بعد اس نے مزید کہا کہ اگر وہ آپؐ کے پاس ہوتا تو آپؐ کے دونوں پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد ہر قل نے آپؐ کا خط منگوا کر پڑھوایا۔ خط کی تحریر یوں تھی۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے یہ خط ہر قل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیروکار ہے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر، تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو رعایا کا گناہ بھی تیرے اوپر ہو گا"۔ ہر قل نے آپؐ کے سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کی عزت کی اور انہیں قیمتی تحفے بھی دیے۔ ہر قل کے دل میں اسلام کی روشنی داخل ہو چکی تھی۔ عین ممکن تھا کہ وہ اسلام بھی

① یہ شام کا وہی شہر تھا جہاں بچپن میں حضور ﷺ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ گئے تھے۔

قبول کر لیتا لیکن وہاں موجود عیسائی پادریوں نے بہت احتجاج کیا اور اپنی بادشاہت چھن جانے کے خوف سے ہرقل نے اسلام قبول نہ کیا۔

قیمتی موتی

(1) ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس نے ہرقل کے سارے سوالوں کے جواب درست دیے۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شان اس بندے سے بیان کروائی جو اس وقت تک انہیں نبی نہیں مانتا تھا بلکہ ان سے خون ریز جنگیں لڑ چکا تھا۔ یہ سوال جواب کافی زیادہ تھے۔ حوالے کے طور پر کچھ سوال وجواب درج ذیل ہیں:۔

ہرقل کا سوال۔ کیا اس (حضرت محمد ﷺ) نے کبھی آپ لوگوں سے جھوٹ بولا؟

ابوسفیان کا جواب۔ نہیں

سوال۔ کیا کبھی اس (حضرت محمد ﷺ) نے وعدہ خلافی کی؟

جواب۔ نہیں

ملاحظہ فرمائیے کہ آپؐ کے بے مثال کردار کی گواہی دشمن کی طرف سے دی جا رہی ہے۔

(2) جب ہرقل نے آپؐ کے بارے میں کہا کہ آپؐ اس کی جگہ کے مالک بن جائیں گے اور اگر وہ آپؐ کے پاس ہوتا تو وہ آپؐ کے دونوں پاؤں دھوتا۔ ان باتوں کا ابو سفیان پر بھی گہرا اثر ہوا کہ اگر اتنا بڑا بادشاہ بھی آپؐ کی تعریف کر رہا ہے تو اس پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ ابوسفیان بتاتے ہیں کہ اس وقت انہیں یقین ہو گیا کہ آپؐ کا یہ دین (یعنی اسلام) غالب ہو کر رہے گا گویا ابوسفیان کے اسلام قبول کرنے میں کسی حد تک اس واقعے کا بھی عمل دخل نظر آتا ہے۔

(3) آپؐ کے سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ واپس مدینہ تشریف لارہے تھے کہ راستے میں قبیلہ جذام کے لوگوں نے انہیں لوٹ لیا۔ وہ مدینہ پہنچے تو سیدھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فوری طور پر حضرت زیدؓ بن حارث کی قیادت میں 500 صحابہ کرامؓ کا لشکر روانہ کیا۔ انہوں نے قبیلہ جذام کے کافی لوگوں کو قتل کر دیا۔ 100 عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا اور 1000- اونٹ اور 5000 بکریاں بطور مال غنیمت حاصل ہوئیں۔ اس قبیلے کے ایک سردار حضرت زیدؓ بن رفاعہ (جو مسلمان ہو چکے تھے) آپؐ کی خدمت میں معافی کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ان کی سفارش قبول فرماتے ہوئے آپؐ نے سارا مال غنیمت اور قیدی واپس کر دیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈکیتی کے وقت حضرت زیدؓ بن رفاعہ نے حضرت دحیہؓ کلبی کی ممکنہ حد تک مدد بھی کی تھی۔

اس سریہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور ﷺ کو دنیاوی مال سے کوئی غرض نہیں تھی ورنہ 1000- اونٹ اور 5000 بکریاں [1] ہر گز واپس نہ فرماتے اور نہ ہی 100 عورتیں اور بچے واپس فرماتے کیونکہ انہیں لونڈی و غلام بنانے کا جواز بھی موجود تھا۔

حبشہ کے بادشاہ کی طرف خط

حبشہ کے بادشاہ کا اصل نام آصحمہ بن ابجر تھا۔ نجاشی اس کا لقب تھا اور تاریخ میں وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ وہی نجاشی ہے جس نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ ان کی طرف 6 ہجری کے آخر میں حضرت عَمروؓ بن امیہ آپؐ کا خط لے کر گئے۔ نجاشی کیونکہ عیسائی تھا اس لیے آپؐ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بالخصوص خط

① سعودی عرب میں آج کل ان اونٹوں اور بکریوں کی کم از کم مالیت 60 کروڑ روپے بنتی ہے (بلحاظ 5 لاکھ روپے کا ایک اونٹ اور بیس ہزار روپے کی ایک بکری)

میں تحریر کروایا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ پاکیزہ مریمؑ سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے جیسا کہ حضرت آدمؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ نجاشی نے آپؐ کے خط کو آنکھوں پر لگایا اور خط کی عزت و تکریم کرتے ہوئے اپنے شاہی تخت سے نیچے زمین پر اتر آیا۔ نجاشی مسلمان ہو گیا لیکن اس نے اپنی عوام کے خوف سے فوری طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کیا بلکہ اس نے آپؐ کی طرف ایک خط بھیجا جس میں اس نے آپؐ کی بہت عزت کی اور اقرار کیا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

مصر کے بادشاہ کی طرف خط

حضور ﷺ نے ایک خط مصر کے بادشاہ کے نام بھی بھیجا۔ اس بادشاہ کا اصل نام جریج بن متی تھا اور مقوقس اس کا لقب تھا۔ اس خط کی عبارت بھی ان خطوط سے ملتی جلتی تھی جو حضور ﷺ نے حبشہ اور روم کے بادشاہوں کی طرف بھیجے تھے یہ خط حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ لے کر گئے۔ بادشاہ اس وقت ایک جزیرے پر موجود تھا۔ اس لیے حضرت حاطبؓ کو اس سے ملاقات کے لیے وہاں کشتی پر جانا پڑا۔ بادشاہ نے حضور ﷺ کے پیغام پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ قاصد کا ادب و احترام کیا۔ آپؐ کی خدمت میں ایک خچر (جس کا نام دُلدُل تھا)، کچھ تحائف اور دو لونڈیاں روانہ کیں۔ ان کا نام ماریہ اور سیرین تھا۔ ان دونوں نے راستے میں ہی حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ماریہؓ سے حضور ﷺ نے نکاح فرمایا۔ آپؐ کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا اصل نام ماریہ تھا۔ ان کا تعلق مصر سے تھا۔ مصر کے مشہور دریائے نیل کے نزدیک ایک علاقہ ہے جس کا نام الصعید ہے۔ اس علاقے میں حفن نامی ایک قصبہ ہے وہیں حضرت ماریہؓ کی پیدائش ہوئی۔ آپؓ کا تعلق مصر کے مشہور قبطی قبیلے سے تھا اس وجہ سے آپؓ تاریخ اسلام میں ماریہ قبطیہؓ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضور ﷺ کا مصر کے بادشاہ کی طرف خط

- مدینہ (سعودی عرب) سے حضور ﷺ نے مصر کے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کیلئے خط بھیجا تھا۔
- مصر میں حفن کا مقام بھی دکھایا گیا ہے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کی جائے پیدائش ہے۔



حضرت سیرینؓ سے حضرت حسانؓ بن ثابت نے نکاح کرلیا۔ یہ دونوں بہت معزز خواتین تھیں۔ مقوقس نے اپنے خط میں جو اس نے آپؐ کو بھیجا تھا ان کے بارے میں لکھا کہ اپنی قوم میں ان خواتین کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ کچھ تاریخ دانوں کے مطابق یہ دونوں بہنیں تھیں۔

ایران کے بادشاہ کی طرف خط

حضور ﷺ نے ایران کے بادشاہ جس کا نام خسرو تھا کے نام بھی ایک خط ارسال فرمایا۔ اس وقت ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ خط کی عبارت کچھ اس طرح سے تھی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کی جانب۔

اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا پیغمبر ہوں تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے (یعنی حجت تمام ہو جائے)۔ پس تم اسلام لاؤ، سلامتی میں رہو گے اور اگر تم نے اس سے انکار کیا تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تم پر ہو گا"۔

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ اس خط کو لے کر گئے۔ انہوں نے یہ خط بحرین کے حاکم کے حوالے کر دیا اور بالآخر یہ خط بادشاہ تک پہنچ گیا۔ بادشاہ کو جب یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے انتہائی تکبر میں آ کر حضور ﷺ کے خط کو پھاڑ دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے نیز اس بد بخت نے آپؐ کی شان میں گستاخانہ الفاظ بھی استعمال کیے اور اس نے اپنے یمن کے گورنر جس کا نام باذان تھا کو حکم دیا کہ وہ اپنے آدمی بھیجے جو

حضور ﷺ کا ایران کے بادشاہ کی طرف خط

- مدینہ سے حضور ﷺ نے ایران کے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کیلئے خط بھیجا تھا۔



جا کر حضور ﷺ کو ایک طرح سے گرفتار کر کے کسریٰ کے سامنے پیش کریں۔ یمن کے گورنر نے اس کی تعمیل کی اور دو طاقت ور آدمی مدینہ بھیجے۔ جب وہ دونوں مدینہ پہنچے تو انہوں نے آپؐ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور کافی دھمکی آمیز باتیں بھی کیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اس مسئلے پر کل بات کریں گے۔

اگلی صبح جب ان کی ملاقات آپؐ سے ہوئی تو آپؐ نے انہیں بتایا کہ تمھارے بادشاہ خسرو پرویز کو اس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے گزشتہ رات قتل کر دیا ہے اور وہ خود بادشاہ بن گیا ہے۔ یہ بالکل اسی رات کا واقعہ تھا جس رات آپؐ نے ایرانی قاصدوں کو مدینے میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اور یہ تھی دس جمادی الاول، سات ہجری، منگل کی رات۔ یہ سن کر وہ دونوں قاصد بہت پریشان ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ یہ ایک طرح سے بادشاہ کی گستاخی ہے اور ہم یہ بادشاہ کو لکھ کر بھیجیں گے کہ آپؐ نے ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے الفاظ بھی اس کو لکھ کر بھیجو اور یہ بھی بتاؤ کہ اس کی جتنی بادشاہی ہے بلکہ اس سے آگے بھی جو کچھ ہے وہ ساری ہم فتح کرلیں گے بلکہ ہم اس مقام تک جائیں گے جہاں تک گھوڑے یا اونٹ کے قدم جاسکتے ہیں (یعنی سمندر تک)۔ یہ سن کر دونوں قاصد واپس چلے گئے اور یمن کے گورنر باذان کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ کچھ ہی دنوں بعد شیرویہ (جو نیا بادشاہ بنا تھا) کا خط باذان کو ملا جس میں اس نے لکھا ''میں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے''۔ اس واقعے کے بارے میں باذان نے سوچا کہ آپؐ ایران سے ہزاروں کلو میٹر دور مدینہ میں تھے تو انہیں کیسے علم ہو گیا کہ شیرویہ نے اپنے باپ خسرو کو قتل کر دیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ سچے نبی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس بات کی خبر کی ہے۔ اس پر وہ اور اس کے ساتھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت باذانؓ نے بذریعہ خط آپؐ سے عرض کی کہ انہیں اسلام سکھانے کے لیے آپؐ کوئی معلم بھیجیں۔ آپؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔

عمان کے بادشاہ کی طرف خط

عمان کے بادشاہ کا نام جیفر تھا۔ اس کا بڑا بھائی عبد بڑا سمجھدار تھا۔ بادشاہ اپنے بھائی عبد کے مشوروں کو نہایت اہمیت دیتا تھا۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے ان دونوں بھائیوں کو ایک ہی خط لکھا۔ ان دونوں کے باپ کا نام جلندی تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص آپؐ کا خط لے کر ان دونوں بھائیوں کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پہلے عبد سے ملاقات کی۔ پھر بادشاہ اور ان کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں اور سوال وجواب ہوئے۔ بالآخر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا ذکر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ اس نے کیا فیصلہ کیا؟ حضرت عمروؓ نے بتایا کہ انہوں نے اسلام بھی قبول کر لیا ہے اور روم کے بادشاہ ہرقل کو خراج دینا بھی بند کر دیا ہے۔ یہ جان کر دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ وعشر وصول کرنے اور قاضی کے طور پر حضرت عمروؓ بن العاص نے کام کرنا شروع کر دیا اور بادشاہ نے ان کی بھرپور مدد کی۔

یمامہ کے حاکم کی طرف خط

یمامہ (سعودی عرب کا شہر) کے حاکم کا نام ہوذہ بن علی تھا۔ حضرت سلیطؓ بن عمرو اس کی طرف آپؐ کا خط لے کر گئے۔ اس نے حضرت سلیطؓ کی خوب مہمان نوازی کی اور انہیں تحفے بھی دیے۔ اس نے آپؐ کی دعوت کی تعریف کی مگر دھیمے الفاظ میں یہ مطالبہ بھی کیا کہ اسے حکومت میں حصہ دیا جائے۔ چونکہ آپؐ کی دعوت خالصتاً اللہ کے دین کی دعوت تھی اور اس کا کسی بھی دنیاوی فائدے یا نقصان سے کوئی تعلق نہیں تھا لہٰذا رسول کریم ﷺ نے اس کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا بلکہ فرمایا۔ "اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو میں اسے نہیں دوں گا"۔ ہوذہ نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد اسی علاقے میں مسیلمہ ① نے جھوٹا نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور یہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

---

① اسے مسیلمہ کذاب کہتے ہیں۔ کذاب کا معنی ہے جھوٹا۔

مدینہ اور یمامہ کا نقشہ

- حضور ﷺ نے مدینے سے یمامہ کے حاکم کو قبول اسلام کے لیے خط بھیجا تھا۔
- یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ جنگ یمامہ میں وہ اور اس کے 20ہزار ساتھی قتل ہوئے۔



دمشق کے حاکم کی طرف خط

دمشق، شام کا دارالخلافہ ہے۔ اس کے حاکم کا نام حارث بن ابی شمر تھا۔ اس کی طرف حضرت شجاعؓ بن وہب آپؐ کا خط لے کر گئے۔ اس نے خط پڑھ کر نہایت بد تمیزی کی اور کہا کہ میں تو عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والا ہوں۔

بحرین کے حاکم کی طرف خط

آپؐ کے زمانے میں جو علاقہ بحرین کہلاتا تھا آج کل کے دو ملک یعنی بحرین اور قطر اس میں شامل تھے۔ تب اس کا دارالحکومت دارین تھا جبکہ موجودہ بحرین کے ملک کا دارالحکومت منامہ ہے۔

اُس وقت بحرین کا حاکم مُنذِر بن ساوی تھا۔ آپؐ نے حضرت علاءؓ بن الحضرمی کو اپنا خط دے کر اس کی طرف بھیجا۔ اس نے حضرت علاءؓ کی خوب عزت کی اور آپؐ کا خط اپنی رعایا کو پڑھ کر سنایا۔ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ منذر نے حضور ﷺ کو جوابی خط لکھ کر سارے حالات سے آگاہ کیا اور دریافت کیا کہ اس کی رعایا میں یہودی اور مجوسی بھی ہیں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا ان سے جزیہ[1] وصول کیا جائے۔

---

[1] یہ ایک ٹیکس ہوتا ہے جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے بدلے لیا جاتا ہے کیونکہ غیر مسلم رعایا پر اسلامی حکومت کی فوج میں بھرتی ہونا لازمی نہیں تھا۔ بچوں اور بوڑھوں سے یہ ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کی شرح بھی نہایت کم ہوتی تھی۔ ایسے مواقع بھی آئے جب مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ مخصوص حالات کے پیش نظر غیر مسلموں کی حفاظت نہیں کر سکتے تو انہوں نے وصول کیا ہوا جزیہ بھی واپس کر دیا مثلاً جنگ یرموک کے موقع پر (جنگ یرموک حضرت عمرؓ کے دور میں لڑی گئی تھی)۔

خطوط پر تبصرہ

ان خطوط سے اسلام کا پیغام سرزمین عرب سے نکل کر کئی دوسرے ملکوں تک پہنچ گیا خصوصاً اس وقت کی سپر پاورز (ایران اور روم) کے بادشاہوں کو جو خطوط لکھے گئے وہ نہایت اہم تھے۔ ان خطوط کے نتیجے میں جن بادشاہوں یا حاکموں نے اسلام قبول کیا زیادہ تر ان کی رعایا نے بھی اسلام قبول کر لیا اور جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا مثلاً ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے آپؐ کا خط پھاڑ دیا تھا وہ نہ صرف قتل ہوا بلکہ اپنے سگے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہونا زیادہ دکھ اور ذلت کی بات ہے نیز اس کی سلطنت کے بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے جیسے اس نے آپؐ کے مبارک خط کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے۔

ان خطوط سے حضور ﷺ کی کامیاب سفارت کاری (Diplomacy) کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں کیا خوبصورت، واضح، سادہ اور تاثیر بھری زبان استعمال کی گئی ہے۔ دفتر خارجہ کو ان خطوط پر گہری تحقیق کرنی چاہیے اور اسے سفارت کاری کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ میں نے اختصار کی خاطر اس پر زیادہ نہیں لکھا۔

یہودیوں سے فیصلہ کن جنگ

(غزوہ خیبر)

یہ غزوہ 7 ہجری میں پیش آیا۔ اس غزوہ کے لیے حضور ﷺ محرم کے مہینے میں مدینہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے قلعہ۔ یہ مدینہ سے تقریباً 172 کلومیٹر دور شمال کی طرف واقع ہے۔ وہاں یہودی آباد تھے۔ پھر جو یہودی مدینہ سے جلاوطن کیے گئے ان میں سے کچھ تو شام چلے گئے لیکن زیادہ تر خیبر میں ہی آکر آباد ہوگئے۔ انہوں نے ہمیشہ آپؐ کی مخالفت کی اور کفار مکہ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا (تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہے)۔ ان کے تعاون کے باوجود بھی جب کفار مکہ مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے تو یہودیوں نے خود مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سلسلے میں ایک یہودی سردار سلام بن ابی الحُقیق زیادہ سرگرم عمل تھا۔ مسلمانوں کے علم میں جب یہ بات آئی تو حضرت عبداللہؓ بن عتیک نے آپؐ سے اجازت طلب کی کہ اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اجازت ملنے کے بعد انہوں نے سلام بن ابی الحُقیق کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اسیر بن زرام نے اس کی جگہ سنبھالی۔ یہ سلام کا بھتیجا تھا۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی زیر نگرانی تیس صحابہ کرامؓ کو اسیر کے پاس بھیجا کہ لڑائی کے بجائے بات چیت سے معاملات حل کیے جائیں۔ اسیر نے یہ بات تسلیم کر لی کہ وہ مدینہ جا کر آپؐ سے براہ راست بات چیت کرے گا۔ اسیر اور اس کے ساتھی اور صحابہ کرامؓ واپس مدینہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں اسیر نے ایک صحابیؓ کی تلوار چھیننے کی کوشش کی تو وہاں لڑائی شروع ہو گئی

اور سارے یہودی قتل ہو گئے صرف ایک زندہ بچا۔ مسلمانوں کی اس واقعہ میں قطعاً کوئی غلطی نہیں تھی لیکن اس سے یہودی بپھر گئے۔

7 ہجری کا سال جیسے ہی شروع ہوا بنو غطفان کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ ایک صحابیؓ جو وہاں اونٹنیاں چرا رہے تھے انہیں شہید کر دیا گیا۔ یہ حضرت ابو ذرؓ کے بیٹے تھے۔ حملہ آور جاتے ہوئے بیس اونٹنیاں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا تو بجائے معافی تلافی کے قبیلہ غطفان کا سردار خود لڑائی کے لیے سامنے آ گیا۔ مسلمانوں نے زبردست تیر اندازی کی خصوصاً حضرت سلمہؓ نے۔ غطفان والوں کو اونٹنیاں چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس کی وجہ سے پہلے سے موجود کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ یہ تھیں چند وجوہات جن کی بنیاد پر یہ غزوہ وقوع پذیر ہوا۔

واقعات

حضور ﷺ کے لشکر کی تعداد چودہ سو تھی اور ان کے لیے دو سو گھوڑے میسر تھے۔ باقی سب لوگ پیدل تھے۔ آپؐ نے کمال حکمت سے اپنے لشکر کو بنو غطفان [1] اور خیبر کے درمیان اتارا۔ اس سے یہ دونوں یعنی یہودی اور بنو غطفان آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ خیبر میں یہودیوں کے آٹھ بڑے قلعے تھے۔ سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا لیکن اس معرکے کے سپہ سالار حضرت محمودؓ بن مسلمہ تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے قلعے کی دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے تو یہودیوں نے اوپر سے پتھر کی چکی کا پاٹ گرا کر انہیں شہید کر دیا۔ اس قلعے کے بعد باقی قلعے بھی باری باری فتح ہوتے چلے گئے لیکن قموص کے قلعے پر سخت مقابلہ

---

① یہ قبیلہ خیبر کے یہودیوں کا حلیف (دوست) تھا اور مسلمانوں کے خلاف یہ یہودیوں کی مدد کرتا تھا۔

ہوا۔ محاصرہ کئی دنوں تک جاری رہا مگر فتح حاصل نہ ہو سکی۔ بالآخر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''کل میں اس شخص کے ہاتھ میں عَلَم (لشکر کا جھنڈا) دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عطا فرمائے گا۔ اور وہ شخص خدا اور خدا کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ بھی اس سے محبت کرتے ہیں''۔ ہر صحابیؓ کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کے حصے میں آئے۔

اگلے دن آپؐ نے پوچھا کہ حضرت علیؓ کہاں ہیں؟ وہ تشریف لائے تو ان کی آنکھوں میں شدید درد اور بیماری تھی اور وہ جنگ لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن (منہ کا تھوک) حضرت علیؓ کی آنکھوں پر لگایا اور دعا بھی فرمائی۔ یہ معجزہ سب کے سامنے ہوا کہ فوری طور پر حضرت علیؓ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو گئیں۔ انہوں نے علم سنبھالا اور مقابلے کے لیے چل پڑے۔ اس قلعہ کے سربراہ کا نام مرحب تھا جو عرب میں ایک ہزار جنگجوؤں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ وہ خود حضرت علیؓ کے مقابلے میں آیا اور تکبر بھرے انداز سے کہنے لگا۔ ''خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش، بہادر اور تجربہ کار''۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر یعنی شیر رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح بہادر اور خوفناک''۔ مرحب نے سر پر پتھر کا خود (ٹوپی) پہن رکھا تھا مگر حضرت علیؓ کی تلوار نے خود کو بھی کاٹ دیا اور مرحب کو بھی۔ مرحب کے قتل کے بعد گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور یوں آپؐ کی یہ پیشین گوئی بھی سب کے سامنے پوری ہوئی جو آپؐ نے ایک دن پہلے فرمائی تھی کہ کل میں عَلَم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائے گا۔ کچھ قبیلے بغیر لڑائی کے بھی فتح ہوئے۔ انہوں نے گفت و شنید کر کے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے لیے پناہ حاصل کر لی۔

یہودیوں کی درخواست پر ان کی زمینیں ان کے پاس ہی رہنے دی گئیں لیکن اس شرط پر کہ وہ آدھی پیداوار بطور خراج مسلمانوں کو ادا کریں گے۔ اس جنگ میں مشہور یہودی سردار حُیی بن اخطب (جو غزوہ بنو قریظہ میں قتل ہو گیا تھا) کی بیٹی صفیہ بھی گرفتار ہوئی۔ اس کا خاوند کنانہ اپنی بدعہدی اور مال غنیمت چھپانے کی وجہ سے غزوہ خیبر میں قتل ہو چکا تھا۔ آپؐ نے انہیں آزاد فرما دیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ مسلمان ہو گئیں اور حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں اور یوں آپ صفیہ سے اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ بن گئیں۔ کتنی خوش قسمت خاتون تھیں یہ!

جنگ میں شکست کے بعد بھی یہودی اپنی سازشوں سے باز نہ آئے۔ ایک یہودی عورت زینب نے آپؐ کو گوشت میں زہر ملا کر کھلانے کی کوشش کی۔ آپؐ کو اللہ نے وحی کے ذریعے مطلع فرمادیا لیکن حضرت بشرؓ بن براء اس زہر کا شکار ہو کر شہید ہو گئے تھے یہ یہودی عورت مرحب کی بھابھی تھی اور سلام بن مَشکم کی بیوی۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا لہٰذا اسے قصاص کے قانون کے تحت قتل کر دیا گیا۔ اس غزوہ میں 16 مسلمان شہید ہوئے جبکہ 93 یہودی قتل ہوئے۔ اس غزوہ کے بعد حضرت ابوہریرہؓ مسلمان ہو کر خیبر میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خیبر کی جنگ میں شرکت نہیں کی تھی اس کے باوجود صحابہ کرامؓ سے بات چیت کر کے آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مال غنیمت عطا فرمایا۔

اسی دوران کچھ صحابہ کرامؓ جو حبشہ میں موجود تھے وہ بھی خیبر میں آکر آپؐ سے مل گئے۔ ان میں حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے جنہیں دیکھ کر آپؐ نے انہیں بوسہ دیا اور فرمایا۔ واللہ! مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے؟ خیبر کی فتح کی یا جعفرؓ کی

آمد کی۔ ان الفاظ سے آپؐ کی اپنے صحابہ کرامؓ سے گہری محبت بھی جھلکتی ہے۔ اسی موقع پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ [1] اور ان کے ساتھی بھی آکر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

کچھ ایمان افروز باتیں

1۔ آپؐ نے تمام جنگی تیاریاں، لشکر کی روانگی اور سفر کو نہایت خفیہ رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی خیبر کے یہودی صبح صبح کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو اچانک آپؐ کو لشکر سمیت دیکھ کر چیختے ہوئے واپس گھروں کو بھاگے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جنگی منصوبوں میں جتنی رازداری رکھی جائے اتنی ہی بہتر ہوتی ہے۔ معیشت دان بھی رازداری کو ہر کاروبار کی کامیابی کی کنجی قرار دیتے ہیں۔

2۔ خیبر میں مسلمانوں کا جس جگہ لشکر اترا وہ کئی اعتبار سے مناسب جگہ نہ تھی۔ اس پر ایک صحابی حضرت حبابؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا یہ جگہ وحی کے مطابق منتخب کی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ حضرت حبابؓ نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ یہ جگہ تبدیل کرلی جائے تو جنگی اعتبار سے بہتر ہوگا۔ آپؐ نے مشورہ قبول فرمایا۔ اس سے مشاورت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

---

[1] یہ لوگ یمن سے چلے تو مدینہ منورہ کی طرف تھے لیکن ان کی کشتی غلطی سے حبشہ چلی گئی۔ وہاں انہوں نے حبشہ میں مقیم مسلمانوں سے ملاقات کی اور پھر یہ حبشہ سے خیبر پہنچے۔ ان کی کل تعداد 52 تھی۔

نقشہ برائے غزوہ خیبر

- حضور ﷺ مدینہ سے خیبر تشریف لے گئے اور خیبر فتح ہو گیا۔



اردن میں دنیا کی انوکھی جنگ

(جنگ مُوتہ)

یہ جنگ 8 ہجری، جمادی الاول (629 عیسوی اگست یا ستمبر) کے مہینے میں ہوئی۔ کچھ کتابوں میں درج ہے کہ موتہ کا شہر ملک شام میں واقع ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ موتہ کا شہر اردن میں واقع ہے۔

جنگ کی وجہ

حضور ﷺ نے جس طرح باقی بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط بھیجے تھے ایسا ہی ایک خط حضرت حارثؓ بن عمیر کو دے کر بصریٰ کے حاکم کی طرف بھیجا تھا مگر انہیں روم کے بادشاہ ہرقل کے گورنر شرجیل بن عمرو (یہ عیسائی تھا اور بلقاء کے علاقے کا حکمران تھا) نے گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ اُس زمانے میں (اور آج کل بھی) کسی سفیر یا قاصد کو قتل کرنا عالمی قوانین کی خلاف ورزی تصور ہوتا تھا لہٰذا یہ ایک بدترین جرم تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے آپؐ نے تین ہزار صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار کیا۔ اس سے پہلے اتنا بڑا اسلامی لشکر صرف غزوہ خندق میں موجود تھا۔ باقی سب جنگوں میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 3000 سے کم تھی۔

نقشہ برائے جنگ موتہ

- مدینہ (سعودی عرب) سے مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا تھا۔
- موتہ (اردن) کے مقام پر مسلمانوں کی رومی فوج سے جنگ ہوئی تھی۔



واقعات

آپؐ نے اس لشکر کا سپہ سالار حضرت زیدؓ بن حارث کو مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ اگر حضرت زیدؓ شہید ہو جائیں تو پھر لشکر کے سربراہ حضرت جعفر طیارؓ ہوں گے اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ۔ حضور ﷺ نے لشکر کو درج ذیل ہدایات دیں:۔

1۔ جس مقام پر حضرت حارثؓ بن عمیر شہید کیے گئے تھے وہاں پہنچ کر پہلے وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو صلح کرلینا اور اگر وہ انکاری ہوں تو پھر جنگ کرنا۔

2۔ وعدہ خلافی نہ کرنا

3۔ خیانت نہ کرنا

4۔ عیسائیوں کے کسی بچے، عورت، بوڑھے اور تارک الدنیا(جس نے دنیا چھوڑ دی ہو اور وہ صرف عبادت کرتا ہو۔ ایسے شخص کو راہب کہتے ہیں) کو قتل نہ کرنا۔

5۔ کھجور اور دوسرے درختوں کو نہ کاٹنا۔

6۔ کسی عمارت کو تباہ نہ کرنا

ان جنگی ہدایات کا یہیں رک کر ذرا جائزہ لیتے ہیں۔ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ان اصولوں کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ فاتح فوج وہاں کے لوگوں کی جان اور مال سے جو سلوک کرے وہ اس کی مرضی ہوتی تھی۔ مسلمان سفیر کا ناجائز قتل ایک ظلم کے برابر تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہاں کے لوگوں پر اچانک حملہ کر کے انہیں ختم کر دیا جاتا مگر آپؐ نے حکم دیا کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ قبول کرلیں تو ان کے خلاف تلوار نہ

اٹھائی جائے۔ پھر اگر وہ انکار کریں تو جنگ کی جائے اور جنگ میں بھی ان کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور راہبوں (مذہبی رہنما جو گرجا میں رہ کر صرف عبادت کرتے ہوں) کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ ہیں وہ حقیقی انسانی حقوق جن کا حضور ﷺ نے جنگ کے دوران بھی حکم دیا۔ آج کل کچھ نام نہاد ادارے اور NGO^S ایسے بتا رہے ہوتے ہیں جیسے انسانی حقوق انہوں نے چند سال پہلے ہی متعارف کروائے ہیں بلکہ ایجاد کیے ہیں۔

اب ان جنگی ہدایات کا موازنہ آج کل کی مہذب دنیا سے کریں جن کا نعرہ یہ ہے کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے (All is fair in love and war)۔ اس کے علاوہ ان کی صرف ایک جنگی چال مثال کے طور پر درج کی جارہی ہے۔ اس جنگی چال کا نام Scorched earth Policy ہے یعنی اگر دشمن کی وجہ سے تمہیں کوئی شہر خالی کرنا پڑے تو وہاں کی ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دو تاکہ وہ دشمنوں کے کام نہ آسکے۔ روس نے دوسری عالمی جنگ میں یہی پالیسی جرمنی کے خلاف استعمال کی۔ ماڈرن دور میں سارا زور صرف اور صرف جنگ جیتنے پر ہے خواہ اس کے لیے لاکھوں انسانوں کا خون کرنا پڑے، خواہ اس کے لیے فصلوں، درختوں، عمارتوں اور دیگر قدرتی وسائل کو تباہ و برباد کرنا پڑے۔

اسلامی لشکر جب اس مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ اس علاقے میں روم کا بادشاہ اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ خود موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کے عرب قبیلوں کی ایک لاکھ فوج بھی اس کے ساتھ ہے۔

مسلمانوں کی مشاورت

مسلمانوں کے لیے دو لاکھ فوج سے مقابلہ کرنا بظاہر ناممکن تھا گویا ایک مسلمان کا 67 کافروں سے مقابلہ ہونا تھا پھر یہ مقام مدینہ سے 1000 کلو میٹر دور تھا اور پیچھے سے کسی

کمک (مدد) کے آنے کی بھی کوئی امید نہ تھی۔ اس کے علاوہ رومی فوج اسلحہ سے لیس تھی جبکہ مسلمان لشکر کے پاس ہتھیار اور جنگی ساز و سامان کم تھا۔ اس لیے مسلمان وہاں دو راتوں تک مشورہ کرتے رہے۔ بالآخر حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ نے فرمایا کہ ہم سب کا آخری مقصد تو شہادت حاصل کرنا ہے لہٰذا دشمن سے کیوں نہ ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

مسلمانوں کی ناقابل یقین بہادری

بہادری کی انتہا دیکھیے کہ اس فیصلے کے بعد اسلامی لشکر خود آگے بڑھا اور دشمن کے سامنے موتہ ① کے مقام پر جا پہنچا۔ جنگ کے چھٹے روز حضرت زیدؓ بن حارث شہید ہو گئے۔ لشکر کی کمان حضرت جعفرؓ (یہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے) کے پاس آ گئی۔ ان کا دایاں بازو جنگ میں کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور جب بایاں بازو بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو سینے اور آغوش سے تھامے رکھا بالآخر وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے دونوں بازو کٹ گئے تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل و کرم کرتے ہوئے انہیں جنت میں دو بازو عطا کر دیے جن سے وہ اڑ سکتے ہیں۔ اس لیے یہ جعفر طیارؓ (طیار کا معنی اڑنے والا) کے نام سے مشہور ہیں۔ اس لڑائی میں ان کے جسم پر 90 سے زیادہ زخموں کے نشانات تھے۔ ان کے بعد حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ کی باری آئی اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان تینوں صحابہ کرامؓ (حضرت زیدؓ بن حارث حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ) کے مزارات موتہ میں ہی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور صحابی حضرت ارقمؓ نے تھوڑی دیر جھنڈے کو تھاما۔

---

① موتہ ایک بڑا قصبہ ہے جو اردن میں واقع ہے۔ یہ اردن کے دارالحکومت عمان (Amman) سے تقریباً ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

اللہ کی تلوار کے ہاتھ میں اسلامی جھنڈا

پھر مسلمانوں نے مشورہ کر کے جھنڈا حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں دیا۔ حضرت خالدؓ نے کمان سنبھالنے کے بعد پوری فوج کو نئے سرے سے منظم کیا اور اگلے دن کچھ گھڑ سواروں کی ٹولیوں کو حکم دیا کہ وہ وقفے وقفے سے بہت دھول اڑاتے ہوئے اسلامی لشکر میں آ کر شامل ہوتے جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے رومی لشکر کو یہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو تازہ دم فوجی کمک (مدد) پہنچ رہی ہے۔ حضرت خالدؓ وہاں سے لشکر کو بچا کر لانا چاہتے تھے لیکن اگر وہ بھاگتے تو رومی یقیناً ان کا تعاقب کرتے اور مسلمانوں کو شدید نقصان ہوتا لہٰذا حضرت خالدؓ نے آہستہ آہستہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹایا۔ رومیوں نے اسے مسلمانوں کی جنگی چال سمجھا اور مسلمانوں کا پیچھا نہ کیا کہ کہیں وہ پھنس (Trap) نہ جائیں۔ آپؐ کو وحی کے ذریعے سارے واقعے کی اطلاع مل چکی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے اسلام کے تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کے بارے میں صحابہ کرامؓ کو آگاہ فرمایا۔ اس پر سب غمگین ہوئے۔ خود آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "پھر جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لیا اور اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی"۔ یوں آپؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اللہ کی تلوار (سیف اللہ۔ سیف کا معنی ہے تلوار) کے لقب سے نوازا۔

اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے جبکہ رومی لشکر کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس کا اندازہ یوں لگائیں کہ غزوہ موتہ میں دشمن سے لڑائی کرتے ہوئے صرف حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں میں 9 تلواریں ٹوٹی تھیں۔ اس جنگ میں مسلمان اپنے سفیر کا انتقام تو نہ لے سکے لیکن پھر بھی پورے عرب و عجم میں ان کی شہرت پھیل گئی کہ صرف تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر کے ساتھ سات دن مقابلہ کیا اور اپنے صرف بارہ لوگ

شہید کروا کر اور دشمنوں کے سیکڑوں لوگوں کو قتل کر کے خیریت سے مدینہ پہنچ گئے۔ اس سے مرعوب ہو کر کئی عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا مثال کے طور پر بنو سلیم، فزارہ، ذبیان اور غطفان① وغیرہ۔ اس سریے کی وجہ سے اس وقت کی سپر پاور کا رعب کافی حد تک کم ہو گیا۔

فتح مکہ

رمضان 8 ہجری بمطابق 630 عیسوی

صلح حدیبیہ میں تمام قبیلوں کو اختیار حاصل تھا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں کے حلیف (دوست یا اتحادی) بن جائیں اور چاہیں تو کفار مکہ کے۔ اسی کے تحت قبیلہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور قبیلہ بنو بکر نے کفار مکہ کے ساتھ۔ ان دونوں قبیلوں (یعنی بنو خزاعہ اور بنو بکر) کے درمیان پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے تحت مسلمانوں، کفار مکہ اور ان دونوں کے اتحادیوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہو سکتی تھی مگر بنو بکر قبیلے کے لوگوں نے نوفل بن معاویہ کی سربراہی میں شعبان 8 ہجری میں رات کے وقت مسلمانوں کے اتحادی قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ صلح حدیبیہ کی رو سے کفار مکہ کو قبیلہ بنو بکر کو ایسا کرنے سے روکنا چاہیے تھا مگر انہوں نے بنو بکر کی نہ صرف ہتھیاروں سے مدد کی بلکہ ان کے کچھ سرکردہ لوگ عملی طور پر بھی اس حملے میں شریک ہوئے مثلاً سہیل بن

① یہ وہی غطفان کا قبیلہ ہے جنہوں نے ہمیشہ یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا (تفصیلات پچھلے صفحات میں درج ہو چکی ہیں)۔

عمرو (جس نے کفار مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ پر دستخط کیے تھے)، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابو جہل۔ بنو خزاعہ کے کئی لوگ قتل کر دیے گئے۔ کچھ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے ان کو وہاں بھی قتل کیا۔ کچھ نے لوگوں کے گھروں میں پناہ لی۔ قبیلہ بنو خزاعہ کے عمرو بن سالم فوراً مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ کو دردناک الفاظ میں یہ سارا واقعہ بیان کیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ "انہوں نے ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا"۔ اس کے بعد قبیلہ بنو خزاعہ کے بدیل بن ورقاء نے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ جا کر آپؐ کو سارا واقعہ بیان کیا۔ صلح حدیبیہ کی رو سے بنو خزاعہ پر حملہ گویا مسلمانوں پر حملہ تھا۔ حضور ﷺ نے کفار کو درج ذیل تین مطالبات بھیجے کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کر لیا جائے:۔

1۔ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا (جس کو دیت بھی کہتے ہیں) کی رقم ادا کی جائے۔ یہ ایک طرح سے بنو بکر اور کفار کے لیے بڑی رعایت تھی۔ آپؐ نے یہ پیشکش امن قائم رکھنے کے لیے کی ورنہ اس واقعے کا بدلہ تو قصاص (قتل کے بدلے قتل تھا) ہی بنتا تھا۔

2۔ اگر وہ خون بہا ادا نہ کریں تو پھر کفار مکہ اپنا اتحاد بنو بکر سے ختم کر لیں۔

3۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔

کفار مکہ کی بد قسمتی دیکھیے کہ انہوں نے پہلی دو تجاویز کو قبول نہ کیا اور ایک کافر قرطہ بن عمر نے کفار مکہ کی طرف سے کہا کہ ہم صلح حدیبیہ توڑنے کا اعلان کرتے ہیں۔ آپؐ کے قاصد نے واپس آکر آپؐ کو صورتحال سے آگاہ کیا۔

ادھر کفار مکہ کو اندازہ ہو گیا کہ ان سے سنگین غلطی سرزد ہو گئی ہے لہٰذا آپس میں مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے ابو سفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کی تجدید کر آئے۔ ابو سفیان جب مدینے پہنچا تو سب سے پہلے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ (جو آپؐ

کی بیوی تھیں) کے گھر گیا۔ وہ جب حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا اور فرمایا کہ یہ آپؐ کا بستر ہے جبکہ تم مشرک اور ناپاک ہو لہٰذا تم اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس پر ابو سفیان سخت پریشان ہو گیا۔ پھر وہ آپؐ کے پاس گیا اور باتیں کیں لیکن آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس کی تجدید معاہدہ کے لیے حضور ﷺ کے پاس سفارش کریں لیکن حضرت ابو بکرؓ نے انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے اسے سخت جواب دیا کہ اگر میرے پاس ایک لکڑی یا ایک تنکا بھی ہو گا تو میں تمہارے (کافروں کے) خلاف لڑوں گا۔ پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم خود بنو کنانہ کے سردار ہو لہٰذا تم خود ہی تجدید معاہدہ کا اعلان کر دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور مکہ واپس لوٹ گیا۔ مکے جا کر جب اس نے سارا واقعہ کفار کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے اور ایسی گہری بات کی ہے جس سے نہ دوستی نظر آتی ہے اور نہ ہی دشمنی۔ انہوں نے ابو سفیان کو کافی کوسا۔

ان حالات میں حضور ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے حلیف قبیلے کی مدد کریں لہٰذا آپؐ نے مکہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تمام تیاریوں کو انتہائی خفیہ رکھا گیا لیکن ایک صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کے ہاتھ کفار مکہ کے لیے ایک خفیہ خط روانہ کر دیا۔ آپؐ کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے فوری طور پر چار صحابہ کرامؓ (حضرت مقدادؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو مرثدؓ) کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ جب وہ آپؐ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے تو وہ عورت مل گئی۔ اس کی تلاشی لی گئی لیکن خط نہ ملا۔ صحابہ کرامؓ کو یقین کامل تھا کہ حضور ﷺ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی لہٰذا انہوں نے اس عورت پر سختی کی۔ بالآخر اسے اپنے بالوں کی چوٹی کھولنی پڑی جس میں اس نے خط چھپا رکھا تھا۔ یوں یہ صحابہ کرامؓ خط لے کر واپس آ گئے اور خبر کفار مکہ تک نہ پہنچ

سکی۔ حضرت حاطبؓ نے حضور ﷺ سے معافی مانگی اور عرض کی کہ میرے بچے اور اہل خانہ مکہ میں ہی ہیں لہٰذا میں نے سوچا کہ شاید اس طرح سے ان کی حفاظت ہو سکے گی۔ آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا۔ یہ وہی حضرت حاطبؓ ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا نیز ان کی اسلام کے لیے اور بھی بے شمار خدمات تھیں۔

اسلامی لشکر دس ہزار لوگوں پر مشتمل تھا اور یہ 8 ہجری رمضان کے مہینے میں روانہ ہوا۔ راستے میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ (جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینے آ رہے تھے) لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ لشکر مکہ کے قریب مہر الظہران کے مقام پر اترا۔ حضور ﷺ نے لشکر کو حکم دیا کہ سب لوگ الگ الگ آگ جلائیں۔ جب کفار مکہ نے میلوں پھیلی ہوئی آگ کو دیکھا تو وہ ہکا بکارہ گئے اور سخت خوفزدہ ہو گئے۔ ابو سفیان حالات کا صحیح پتہ لگانے کے لیے نکلا تو اس کی ملاقات حضرت عباسؓ سے ہو گئی جنہوں نے اسے اپنے خچر کے پیچھے سوار کرا لیا۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ نے ابو سفیان کو دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنی تلوار نکال لی اور کہا کہ اے اللہ کے دشمن! آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت عباسؓ نے اپنے خچر کو پوری رفتار سے دوڑایا۔ حضرت عمرؓ ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ یوں یہ تینوں آپؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپؐ نے ابو سفیان کو اسلام کی دعوت دی۔ ابو سفیان توحید پر تو فوراً ایمان لے آیا لیکن آپؐ کی نبوت کے بارے میں تذبذب کا اظہار کیا۔ حضرت عباسؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے سمجھایا کہ اس سے پہلے کہ تجھے قتل کر دیا جائے تو فوراً کلمہ پڑھ لے۔ اس پر حضرت ابو سفیانؓ نے کلمہ پڑھ لیا۔ 17 رمضان 8 ہجری کو مسلمان مکہ میں بڑی شان مگر انتہائی عاجزی سے داخل ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ درج ذیل لوگوں کو امان ہے یعنی ان سے جنگ نہ کی جائے:۔

1- جو حرم میں پناہ لے لے

2- جو حضرت ابو سفیانؓ کے گھر میں پناہ لے لے

3- جو اپنے گھر کے دروازے بند کر کے گھر کے اندر رہے

4- جو ہتھیار پھینک دے

اہل مکہ نے کوئی مزاحمت نہ کی بس چند کفار مکہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں 12 کافر قتل ہوئے۔ فتح مکہ کے دوران دو مسلمان (حضرت کرزؓ بن جابر فہری اور حضرت خُنیسؓ) لشکر سے کہیں دور چلے گئے اور انہیں شہید کر دیا گیا۔

بتوں کا ٹوٹنا

خانہ کعبہ کے اندر، اس کے ارد گرد اور اس کی چھت پر سیکڑوں بت تھے۔ حضور ﷺ نے سب سے پہلے حجر اسود کو چوما پھر طواف فرمایا اور پھر بتوں کی طرف توجہ فرمائی۔ خانہ کعبہ کی چابی حضرت عثمان بن طلحہ کے پاس تھی آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ چابی سے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولیں۔ خانہ کعبہ کے اندر کفار نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصویریں آویزاں کر رکھی تھیں۔ آپؐ نے یہ تصویریں مٹوا دیں۔ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی تھی جسے حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا پھر آپؐ نے شکرانے کی نماز ادا کی۔

حضرت ابو سفیانؓ کے سمجھانے پر ان کی بیوی ہند نے بھی اسلام قبول کر لیا (عام طور پر ان کا نام ہندہ مشہور ہے جو کہ غلط ہے۔ ان کا صحیح نام ہند تھا) اور اپنے بت کو خود ہی توڑ ڈالا اور بت سے کہنے لگیں کہ تم نے ہمیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔

آپؐ نے مکہ میں 15 دن قیام فرمایا۔ اس دوران لوگوں کو مسلسل اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور بڑے بڑے بتوں کو بھی توڑا۔ اس کے مختصر واقعات کچھ یوں ہیں:۔

- لات۔ یہ بت طائف میں نصب تھا۔ طائف کا مشہور قبیلہ بنو ثقیف اس بت کی عبادت کرتا تھا۔ لات کے معنی ہیں (ستو گھولنے والا)۔ یہ سب سے مشہور بت تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر تو اس بت کو نہ توڑا جا سکا لیکن غزوہ حنین کے کچھ عرصے کے بعد جب طائف کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی زیر نگرانی چند صحابہ کرامؓ کو بھیج کر اس بت کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیے۔ گویا اس بت کا ٹوٹنا فتح مکہ کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔
- مَنَات ۔ یہ بت بحیرہ احمر (Red Sea) کے ساحل پر قُدَید کے قریب نصب تھا۔ آپؐ کے حکم پر حضرت سعدؓ بن زید اور ان کے 20 ساتھیوں نے اسے توڑ ڈالا۔
- عُزّیٰ۔ یہ کفار مکہ کا سب سے بڑا بت تھا۔ یہ وادی نخلہ میں نصب تھا۔ عزیٰ کا ایک بت حرم خانہ کعبہ میں بھی رکھا ہوا تھا جسے فتح مکہ کے وقت توڑ دیا گیا۔ حضور ﷺ کے حکم پر حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے 30 ساتھیوں نے جا کر نخلہ والے بت کو بھی توڑ ڈالا۔
- سُوَاع۔ یہ بت عورت کی شکل کا تھا اور یہ مکہ سے تقریباً 5 کلو میٹر کے فاصلے پر نصب تھا۔ آپؐ کے حکم پر حضرت عمروؓ بن العاص نے اسے توڑ ڈالا۔
- ھُبُل۔ یہ بت خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا اور ایک اور روایت کے مطابق یہ خانہ کعبہ کے اندر تھا۔ قریش جنگوں میں اسی بت کا نعرہ یوں لگاتے تھے (اُعْلُ ھُبُل۔ ہُبُل کی جے)۔ یہ بت انسانی شکل کا تھا جسے سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تو قریش نے وہ سونے کا بنوا کر لگوا دیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ نے اسے توڑ دیا۔

حضور ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر اور باہر تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور تصویریں مٹا دیں۔ اس موقع پر آپؐ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 81 کی تلاوت فرمارہے تھے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

ترجمہ۔ "اور (اے پیغمبر) اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور یقیناً باطل مٹنے ہی والا ہے"۔

اب ذرا بات کرتے ہیں کہ مکہ فتح کرنے کے بعد آپؐ نے کفار مکہ سے کیا سلوک کیا۔ آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر کفار مکہ سے پوچھا کہ بتاؤ آج میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ بولے۔ "آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا میں تم سے آج وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے سوتیلے بھائیوں کو کہا تھا جنہوں نے حضرت یوسفؑ پر ایسے ہی ظلم کیے تھے جیسے تم لوگوں نے محمد (ﷺ) پر ظلم کیے۔ آپؐ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ آج تم پر کوئی سزا نہیں۔

عموماً یہ معافی والی بات اتنی مختصر کی جاتی ہے کہ اس کی پوری سمجھ ہی نہیں آتی۔ صرف چند الفاظ لکھے یا بولے جاتے ہیں کہ "ان سب کو حضور ﷺ نے معاف فرما دیا"۔ آیئے! ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ کون لوگ تھے جنہیں آقا کریمؐ نے معافی دی تھی۔ یہ کوئی معصوم لوگ نہیں تھے بلکہ یہ سب کے سب بڑے مجرم تھے اور سنگین جرائم میں ملوث تھے۔

They were hardened criminals and nominated in FIR.

انہوں نے حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ پر ظلم کے وہ پہاڑ توڑے تھے جن کا تذکرہ سن کر انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ ذرا اپنے دماغ میں تازہ کریں ان کفار کے ظلم و ستم

جو انہوں نے حضور ﷺ کی بعثت سے لے کر فتح مکہ تک کیے۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ کو طرح طرح سے ستانا، گالیاں بکنا، الزام تراشی کرنا، ہر طرح کا جسمانی اور ذہنی تشدد کرنا، شعب ابی طالب کی جیل میں تین سال قید کرنا، طائف سے واپسی پر آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دینا، آپؐ کو شہید کرنے کی بار بار کوشش کرنا اور پھر ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں پر مسلسل جنگیں مسلط کیے رکھنا، مدینے میں مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی کوششیں کرنا، غزوہ احد میں مسلمان شہداء کی لاشوں کے کان، ناک وغیرہ کاٹ لینا اور لاشوں کا مثلہ کرنا، حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کرنا اور کلیجہ نکال کر چبانا، مسلمانوں کو اللہ کے گھر کا عمرہ ادا نہ کرنے دینا غرضیکہ کون سا ایسا ظلم اور زیادتی تھی جو ان کافروں نے نہیں کی تھی اور یہ ظلم و ستم کوئی ایک یا دو دن نہیں کیا بلکہ مسلسل پورے 21 سال (جی ہاں 21 سال) کیا۔ آپ ان کی کمینگی کا اندازہ لگائیں کہ جب حضور ﷺ کے بیٹے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تو کفار نے غمگساری کرنے کی بجائے خوشیاں منائیں اور آپؐ کو ابتر (جس کی نسل ہی ختم ہو جائے) ہونے کے طعنے دیے۔

ویسے تو کفار مکہ کے مظالم کے سیکڑوں واقعات بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن اختصار کی خاطر ذیل میں صرف چند مثالیں درج کی جا رہی ہیں:۔

❖ ابو جہل تو بدر میں قتل ہو گیا تھا لیکن اس کا خاندان وہاں مجمع میں سر جھکائے موجود تھا۔ اسی ابو جہل نے حضور ﷺ کو پتھر مار کر زخمی کیا تھا، کئی دفعہ گالیاں دی تھیں، ہجرت کی رات آپؐ کو شہید کرنے کے لیے وہ تلوار پکڑ کر آپؐ کے گھر کے باہر بیٹھا ہوا تھا، اسی نے حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کیا تھا، جنگ بدر میں یہ خود بھی لڑا اور کفار کو بھی لڑائی کے لیے بھڑکایا۔ اس کے مظالم اور جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ دنیاوی انصاف و قانون کے لحاظ سے اس

کے خاندان کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ بالکل ویسا ہی سلوک کرنا چاہیے تھا جیسا اس نے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ کیا تھا لیکن یہاں معاملہ الٹا ہے۔ ابو جہل کی بہو اُمّ حکیم فتح مکہ والے دن اسلام قبول کرتی ہیں جبکہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھاگ کر یمن چلا جاتا ہے۔ یہ وہی عکرمہ ہے جس نے آپؐ کے خلاف بدر سمیت کئی جنگیں لڑی تھیں۔ حضور ﷺ نہ صرف ابو جہل کی بہو کو معاف کر دیتے ہیں بلکہ اس کی سفارش پر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ ام حکیمؓ جا کر عکرمہ کو اسلام کی دعوت دیتی ہے، عکرمہ مسلمان ہو جاتے ہیں اور جب وہ آپؐ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو حضور ﷺ آگے بڑھ کر اتنی گرم جوشی سے اس کا استقبال کرتے ہیں کہ آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے ڈھلک جاتی ہے۔ یہ ایک گھر کی مختصر داستان ہے۔

❖ اسی طرح سے ابو سفیان اور اس کے گھرانے کو لیجیے۔ ابو سفیان نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہ کئی مسلمانوں کا قاتل تھا۔ وہ اسلام کے خلاف ہر سازش میں پیش پیش ہوتا تھا۔ غزوہ احد میں اسی کے لشکر نے حضور ﷺ کے دانت مبارک شہید کیے تھے نیز آپؐ کو شدید زخمی کر دیا تھا اور ستر صحابہ کرامؓ کو بھی شہید کر دیا تھا۔ اس کی بیوی ہند نے پہلے سے منصوبہ بندی کر کے وحشی بن حرب کے ذریعے حضور ﷺ کے سب سے پیارے اور بہادر چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کروایا تھا۔ پھر یہاں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک کے کان، ناک وغیرہ کاٹے، ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے چبایا۔ اسی ہند نے صحابہ کرامؓ کے اعضاء کٹوا کر ان کا ہار بنوایا اور پہنا۔ اسی ہند نے ابواء کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا تھا کہ حضور ﷺ کی والدہ حضرت آمنہؓ کی قبر اکھاڑ دی

جائے۔ اسی کے دو بیٹے حنظلہ اور عمرو تلواریں لے کر بدر میں مسلمانوں کے مدمقابل تھے۔ اسی ہند کا باپ عتبہ، چچا شیبہ، اور بھتیجا ولید بھی بدر میں مسلمانوں کے مدمقابل تھے۔ اسی ہند کے باپ عتبہ بن ربیعہ نے ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے چہرے کو جوتوں سے اتنا پیٹا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ بے ہوش ہو گئے اور لوگوں نے سمجھا کہ آپؓ شہید ہو گئے ہیں۔ ان کے قبیلے کے لوگ آپؓ کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لے گئے۔ کونسا ایسا جرم تھا جو اس خاندان نے نہیں کیا تھا؟ رحمۃ للعالمینؐ ان سب کو معاف فرما دیتے ہیں بلکہ ابو سفیان کی عزت افزائی فرماتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے لے وہ امن میں رہے گا یعنی اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔

❖ صفوان بن امیہ مکہ کا نہایت امیر شخص تھا۔ اس نے ساری زندگی اسلام کی زبردست مخالفت کی۔ اسی نے جنگ بدر کے بعد حضور ﷺ کو شہید کرانے کے لیے عمیر بن وہب کے ساتھ حطیم میں بیٹھ کر سازش تیار کی تھی اور عمیر کو بھاری مالی مفادات کا وعدہ کر کے مدینہ بھیجا تھا کہ وہ آپؐ کو شہید کر دے (اس کی تفصیلات ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں)۔ پھر اسی صفوان نے ایک شاعر ابو عزہ کو بھاری رقم دینے کا وعدہ کیا اور اس سے مسلمانوں کے خلاف شاعری کروائی اور کافروں کو بھڑکایا کہ وہ مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لیں اور یوں غزوہ احد ہوئی۔ اسی صفوان نے ایک صحابی حضرت زیدؓ بن دثنہ کو خرید کر سخت تکلیفیں دے دے کر بالآخر انہیں شہید کر دیا تھا۔ صفوان بھاگ کر جدہ پہنچ گیا۔ حضرت عمیرؓ بن وہب نے حضور ﷺ سے اس کے لیے معافی طلب فرمائی۔ آپؐ نے نہ صرف اسے معاف فرما دیا بلکہ اپنی پگڑی بھی عطا فرمائی تا کہ صفوان کو امان کی نشانی

کے طور پر دے دیں۔ صفوان کی ابھی بھی ضد بر قرار تھی۔ وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتا ہے لیکن اسلام قبول نہیں کرتا بلکہ سوچنے کے لیے دو ماہ کی مدت طلب کرتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اسی وقت اس کو قتل کر دیا جاتا لیکن اس کی ہٹ دھرمی کے باوجود رحمۃ للعالمین ﷺ اس کو دی جانے والی امان نہ صرف بر قرار رکھتے ہیں بلکہ اسے دو ماہ کی بجائے چار ماہ کی مدت عطا فرما دیتے ہیں۔ بالآخر غزوہ حنین کے بعد وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

درج بالا سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کفار تو ہر طرح کی سزا کے حق دار تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انہیں اسی طرح کی سزائیں دی جاتیں جیسے انہوں نے حضرت عمارؓ، حضرت یاسرؓ، حضرت سمیہؓ ، حضرت بلالؓ، حضرت خبیبؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کو دی تھیں۔ ان کی ایک ایک بوٹی کاٹی جاتی، انہیں شدید مار پیٹ کی جاتی، انہیں پانی میں ڈبویا جاتا، انہیں تپتی ریت اور انگاروں پر لٹایا جاتا، ان کے گلے میں رسیاں ڈال کر انہیں گھسیٹا جاتا، ان کے اوپر گندی او جھڑیاں پھینکی جاتیں، انہیں اور ان کے بچوں کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا، انہیں غلام اور لونڈیاں بنایا جاتا، ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا جاتا، ان کی عورتوں کی شرمگاہوں میں تیزے مارے جاتے (حضرت سمیہؓ کو انہوں نے ایسے ہی شہید کیا تھا)، ان کی حاملہ عورتوں کو چٹانوں پر گرا کر ان کے حمل ضائع کرائے جاتے (انہوں نے حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ کا حمل ایسے ہی ضائع کیا تھا)، ان کی ماؤں سے ان کے دودھ پیتے بچے چھین لیے جاتے (جیسے انہوں نے حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ سے ان کا دودھ پیتا بچہ چھین لیا تھا)، انہیں دردناک سزائیں دے دے کر قتل کیا جاتا (جیسے انہوں نے حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بن دشنہ کو اذیتیں دے دے کر شہید کیا تھا) اور ان کی نسلیں ختم کر کے انہیں حقیقی طور پر ابتر بنایا جاتا۔ مزید بر آں ان کی جتنی تذلیل کی جاتی وہ کم تھی لیکن وہاں ان کا

واسطہ ہم جیسوں سے نہیں تھا بلکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے والے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے تھا۔ آپؐ نے نہ ان کے جرائم گنوائے، نہ ہی انہیں شرمندہ کیا اور نہ ہی انہیں کوئی سزا دی بلکہ ان تمام مجرموں کو معاف فرما دیا ۔ ان کو عزتوں اور شانوں سے نوازا۔ کسی کے گھر کو امان کی جگہ قرار دیا تو کسی کو خانہ کعبہ کی چابی ہمیشہ کے لیے عطا فرمائی۔ ان کی سفارشیں قبول فرمائیں۔ ان سے اپنا آبائی گھر تک واپس نہ لیا بلکہ خود ایک خیمے میں قیام فرمایا۔ یہ کوئی نہیں کر سکتا ماسوائے میرے آقا کریم، رحمۃ للعالمین، دو جہانوں کے سردار، حضرت محمد ﷺ کے۔

فتح مکہ کے بعد کافی صحابہ کرامؓ کی یہ خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی چابی انہیں دی جائے مگر حضور ﷺ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے عثمان بن طلحہ کے حوالے کی (جن کے پاس پہلے ہوتی تھی) اور فرمایا کہ یہ چابی ہمیشہ ان کے خاندان کے پاس رہے گی۔ عثمان بن طلحہ نے حضور ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک دفعہ رسول ﷺ اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے لیکن عثمان بن طلحہ نے خانہ کعبہ کی چابی دینے سے صاف انکار کر دیا اور آپؐ کی شان میں گستاخی بھی کی۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ ”عثمان! عنقریب ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا یہ چابی دوں گا“۔ یہ صرف میرے کریم آقا ﷺ ہی کر سکتے ہیں کہ فتح کے بعد نہ صرف عثمان بن طلحہ کو معاف فرما دیا بلکہ قیامت تک کے لیے خانہ کعبہ کی چابی دوبارہ انہی کے حوالے کر دی۔ یہ چابی آج بھی حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے خاندان کے پاس ہے۔ اس وجہ سے اس خاندان کی پورے عالم اسلام میں بہت عزت ہے۔

اس عام معافی کے علاوہ حضور ﷺ نے درج ذیل بڑے مجرموں کو بھی معاف کر دیا:۔

- عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح۔ یہ شخص اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ اسے حضرت عثمان غنیؓ کی سفارش پر معاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد یہ شخص دل سے مسلمان ہو گیا۔
- ہبار بن اسود۔ اس نے آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو ضرب لگائی تھی جس سے وہ ایک چٹان پر جا گریں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔ اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تو آپؐ نے اس کے سنگین جرم کو بھی معاف فرما دیا۔
- وحشی بن حرب۔ (جس نے آپؐ کے سب سے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کو غزوہ احد میں شہید کیا تھا) کو بھی اسلام قبول کرنے کے بعد معاف کر دیا گیا۔
- ایک شخص جس کا نام فضالہ تھا وہ نہایت بہادر آدمی تھا۔ فتح مکہ کے وقت اس نے طواف کے دوران آپؐ کو شہید کرنا چاہا۔ وہ جب آپؐ کے قریب آیا تو آپؐ نے اسے بتا دیا کہ اس نے کیا ارادہ کیا تھا۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

فتح مکہ کا چند دوسری فتوحات کے ساتھ موازنہ

1۔ فتح مکہ کے کئی صدیوں بعد 1258ء میں ہلاکو خان نے بغداد فتح کیا تو اس نے 16 لاکھ بے گناہ اور معصوم مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ان مسلمانوں سے اس کی کوئی پرانی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے ہلاکو خان کو کبھی کوئی تکلیف پہنچائی تھی جبکہ کفار مکہ نے تو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر ہر طرح کے ظلم و ستم کیے تھے۔

2۔ چند برس قبل جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو وہاں کے سِول (جو فوجی نہیں تھے) اور نہتے لوگوں کو شہید کر دیا۔ ان کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی۔

3۔ روس نے 1979ء میں جب افغانستان پر حملہ کیا تو تقریباً 20 لاکھ افغانیوں کو شہید کر دیا۔

4۔ دوسری جنگ عظیم (1939ء سے 1945ء) کی وجہ سے تقریباً 7 کروڑ لوگ مرے۔

5۔ 1917ء کے انقلاب روس میں تقریباً 2 کروڑ لوگ مر گئے۔

6۔ سپین اور پرتگال پر مسلمانوں نے 781 سال حکومت کی۔ انہوں نے وہاں کے عیسائیوں کو مکمل مذہبی آزادی دے رکھی تھی مگر 1492ء میں جب سپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کی تو انہوں نے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا۔ کچھ مسلمان کشتیوں کے ذریعے بھاگ کر افریقہ چلے گئے۔ یوں سپین اور پرتگال میں ایک بھی مسلمان نہ بچا۔ اسے آج کی زبان میں نسل کشی (Ethnic Cleansing) کہتے ہیں۔

7۔ چنگیز خان نے 1206ء سے 1227ء تک جو فتوحات حاصل کیں ان میں اس نے چار کروڑ انسانوں کو قتل کیا۔

8۔ ہٹلر جن لوگوں کی موت کا ذمہ دار ہے۔ ان کی تعداد پونے دو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

اب ان فتوحات کا موازنہ فتح مکہ سے کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر 16 کافر قتل ہوئے اور 2 مسلمان شہید ہوئے۔ قتل ہونے والے کافروں میں سے 12 نے مسلمان لشکر پر حملہ کیا اور وہ قتل ہو گئے۔ مزید برآں 2 مسلمانوں کو بھی کافروں نے ہی شہید کیا۔ صرف 4 مجرموں کو حضور ﷺ کے حکم پر قتل کیا گیا جبکہ باقی سب کو آپؐ نے معاف فرما دیا۔ اس سے پر امن انقلاب اور کیا ہو سکتا ہے؟ درحقیقت یہ ایک عظیم انقلاب تھا۔ اس نے ایک

ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر ایران اور روم جیسی سپر پاورز کو ختم کر دیا اور آج براعظم ایشیا، براعظم افریقہ اور براعظم یورپ میں مسلمانوں کے 57 آزاد ممالک ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد 190 کروڑ سے زائد ہے اور دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمان نہ ہوں۔ اس انقلاب کے مقابلے میں انقلاب انگلستان 1688ء، انقلاب فرانس 1789ء، انقلاب روس 1917ء اور دیگر سب انقلاب ہیچ نظر آتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں فتح مکہ جیسا پرامن، پائیدار اور دائمی انقلاب برپا نہیں ہوا۔

ہمارے سیکھنے کی باتیں

فتح مکہ سے ہم بے شمار باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ چند اہم باتیں درج ذیل ہیں:۔

- آپؐ نے حدیبیہ کے معاہدے کی مکمل پابندی کی اور اسی بات کا مومنین سے بھی تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عہد و پیمان کی پابندی کو یقینی بنائیں۔
- جب کفار مکہ اور ان کے حلیف قبیلے نے اس معاہدے کی جان بوجھ کر اور کھلم کھلا خلاف ورزی کی تو بھی آپؐ نے فوری طور پر جوابی حملہ نہیں کیا بلکہ آپؐ نے امن کی خاطر کفار مکہ کے پاس قاصد بھیجا۔
- ابوسفیان جب تجدید معاہدہ کے لیے مدینے گیا تو اس کی سگی بیٹی نے اسے آپؐ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ باپ اور بیٹی میں کس چیز نے فاصلہ پیدا کر دیا؟ صرف اور صرف اسلام نے۔ دراصل پوری دنیا کے لوگوں کے دو ہی گروہ ہیں ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم۔ اسلام ہی مسلمانوں کے درمیان سب سے گہرا اور مضبوط رشتہ ہے۔
- ابوسفیان نے ساری زندگی مسلمانوں کو نقصان پہنچایا لیکن جب وہ لشکر کے بغیر

مدینہ گیا تو اسے کسی مسلمان نے چھوا تک نہیں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دشمنی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔

❖ ابوسفیان نے باقی سب سے مایوس ہو کر جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو اس نے حضرت علیؓ کی بہت منت سماجت کی۔ حضرت علیؓ نے کیسا حکیمانہ جواب دیا کہ تم خود سردار ہو اور جا کر تجدید معاہدہ کا اعلان کر دو۔ ابوسفیان بہت عقل مند تھا لیکن حضرت علیؓ کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچ سکا۔ یہ حضرت علیؓ کے علم کی شان ہے۔

❖ آپؐ نے کمال مہارت سے لشکر کی تیاری اور روانگی کو مکمل طور پر خفیہ رکھا۔ میرے خیال کے مطابق اگر کفار مکہ کو اس لشکر کی پیشگی اطلاع مل جاتی تو مسلمانوں کو شدید مشکلات پیش آسکتی تھیں۔

❖ حضور ﷺ نے بہت سے غزوات سے پہلے "توریہ" فرمایا۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس طرف اصل میں جانا ہوتا تھا اس سے توجہ ہٹانے کے لیے وہ کسی اور طرف مہم روانہ فرما دیتے۔ فتح مکہ سے پہلے بھی آپؐ نے حضرت ابوقتادہؓ کو آٹھ صحابیوں کے ساتھ کسی اور طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ سے 58 کلومیٹر دور تھا۔ اس سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپؐ بھی اسی ٹولی کے پیچھے اس علاقے میں جائیں گے لیکن یہ لوگ بھی حضور ﷺ کے حکم کے مطابق بڑے لشکر میں آکر شامل ہو گئے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جنگ صرف لڑائی اور ہتھیاروں کا نام نہیں بلکہ عقل اور حکمت کا بھی نام ہے۔

❖ حضور ﷺ نے صفا کی پہاڑی پر بیٹھ کر مردوں اور عورتوں سے بیعت لی۔ عورتوں سے بیعت میں خاص طور پر فرماتے کہ تم شرک نہیں کرو گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی، بہتان نہیں گھڑو گی اور آپؐ

کی نافرمانی نہیں کرو گی۔ گویا یہ بیعت اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تھی۔

❖ یہاں ایک اور اہم نکتہ بیان کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ جہاں حضور ﷺ نے اپنے ہزاروں دشمنوں کو معاف فرما دیا وہاں آپؐ نے چار بڑے مجرموں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہیں جہاں دیکھو، قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ کے پردے کے پیچھے ہی کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان کی مختصر روداد درج ذیل ہے:۔

- عبد اللہ بن خطل۔ اس نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد یہ مرتد ہو گیا۔ یہ اپنے ایک غلام کا بھی قاتل تھا۔ یہ واقعی خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر لٹکا ہوا تھا۔ اسے قتل کر دیا گیا۔
- مقیس بن صبابہ۔ یہ شخص پہلے مسلمان ہوا پھر اسلام چھوڑ کر مرتد ہوا نیز یہ ایک صحابیؓ کا قاتل بھی تھا لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا۔
- حارث بن نُفَیل۔ یہ بھی سنگین جرائم میں ملوث تھا۔ اسے بھی قتل کر دیا گیا۔
- ارنب۔ یہ عبد اللہ بن خطل کی لونڈی تھی اسے قتل کر دیا گیا جبکہ ابن خطل کی دوسری لونڈی نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی جان بخش دی گئی۔ یہ دونوں آپؐ کی شان میں گستاخی والے شعر گایا کرتی تھیں۔ اگر فیصلہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے کیا جاتا تو دونوں کو قتل کر دیا جاتا لیکن جس نے اسلام قبول کر لیا اسے معاف کر دیا گیا اور جو کفر کی ضد پر قائم رہی وہ اسی وجہ سے قتل ہوئی۔ حضور ﷺ نے ذاتی رنجش کی بنا پر کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام میں جنگی مجرموں، قاتلوں اور سنگین جرائم میں ملوث اور کفر پر ڈٹے رہنے والے لوگوں کے لیے کوئی معافی نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا مشکل ترین وعدہ پورا فرمانا

فتح مکہ کے بعد مدینے والے سخت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ مکہ آپؐ کا پیدائشی وطن ہے اور خانہ کعبہ بھی اسی شہر میں ہے۔ اب جبکہ یہ فتح بھی ہو گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپؐ مدینے جانے کی بجائے مکہ میں ہی رہائش پذیر ہو جائیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ ”اب زندگی اور موت آپ لوگوں کے ساتھ ہے“۔ اپنا آبائی شہر کس کو پیارا نہیں ہوتا اور شہر بھی وہ جہاں اللہ کا گھر ہو مگر آپؐ نے اہل مدینہ سے اپنا وہ وعدہ پورا فرما دیا جو آپؐ نے بیعت عقبہ کے موقع پر کیا تھا۔ یہ ہمارے لیے وعدہ پورا کرنے کے سلسلے میں ایک روشن مثال ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو مکہ میں چھوڑا تاکہ وہ اہل مکہ کو قرآن اور اسلام کی تعلیم دیں اور خود مدینے واپس تشریف لے گئے۔

غزوہ حنین

یہ غزوہ 630عیسوی، 8 ہجری شوال کے مہینے میں پیش آیا۔ اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ فتح مکہ کے بعد عرب کے باقی قبیلوں نے دلی طور پر تسلیم کر لیا تھا کہ مسلمان اب ایک ناقابل تسخیر قوت بن چکے ہیں اور وہ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کر سکتے لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ یہ قبیلے طائف کے ارد گرد آباد تھے۔ طائف میں چونکہ زراعت بھی اچھی ہوتی تھی اور یہ تجارت بھی کرتے تھے لہٰذا یہ بڑے مالدار تھے۔ انہوں نے اپنے مالدار اور کثرت تعداد میں ہونے پر تکبر کیا اور مالک بن عوف کی زیر نگرانی مکہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضور ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بھیج کر معلومات حاصل کیں تو

اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

اس پر حضور ﷺ 12 ہزار کا لشکر لے کر شوال کی دس تاریخ (منگل اور بدھ کی درمیانی رات) کو بنو ہوازن کے علاقے میں جا پہنچے۔ بنو ہوازن کے لوگ وہاں پہلے سے گھات لگا کر بیٹھے تھے اور اس وقت کے جنگی اصولوں کے برعکس انہوں نے مسلمانوں پر اچانک تیروں کی بارش کر دی جس سے مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ کے ساتھ صرف گنتی کے چند لوگ رہ گئے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو شکست سامنے نظر آ رہی تھی۔ یہاں پر اللہ کے رسول ﷺ نے بہادر ترین جرنیل ہونے کا ثبوت دیا۔ آپؐ میدان جنگ سے نہیں بھاگے بلکہ وہاں کھڑے رہے اور بھاگتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو آوازیں دے کر واپس بلانا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”میں نبی ہوں۔ میں جھوٹا نہیں ہوں“۔ اس پر مسلمان تیزی سے واپس پلٹے اور بھرپور جنگ شروع کر دی۔ کفار کو شکست ہوئی اور انہوں نے بھاگ کر ایک باغ میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کیا اور بنو ثقیف قبیلے کے 70 لوگ قتل ہوئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے ان مشرکوں کے 6 ہزار لوگوں کو قیدی بنالیا اور درج ذیل مال غنیمت حاصل ہوا:۔

- چوبیس ہزار اونٹ
- چالیس ہزار سے زائد بکریاں
- چار ہزار اوقیہ ① چاندی (آج کل کے لحاظ سے یہ تقریباً 13 من بنتی ہے)۔

یہ مال غنیمت حضور ﷺ نے اس بنیاد پر تقسیم فرمایا کہ مکہ کے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے دلوں کو زیادہ خوشی دینے کی خاطر انہیں زیادہ حصہ عطا کیا تا کہ ان کی اسلام سے محبت مزید گہری ہو جائے۔ مثال کے طور پر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے

---

① ایک اوقیہ میں تقریباً 128 گرام ہوتے ہیں۔

بیٹوں کو تین سو اونٹ اور تقریباً 18 کلو چاندی دی گئی۔ حضرت حکیمؓ بن حزام کو 200- اونٹ اور صفوان بن امیہ کو 300- اونٹ عطا کیے۔ کچھ نو مسلموں کو 50- اونٹ اور کچھ کو 40- اونٹ دیے گئے۔ تمام پیدل مجاہدین کو فی کس 4- اونٹ اور 40- بکریاں دی گئیں جبکہ ہر شہسوار کو 12- اونٹ اور 120 بکریاں عطا کی گئیں۔

اس پر انصاری صحابہؓ کے اندر کچھ لوگوں کی آوازیں اٹھنا شروع ہو گئیں کہ انہیں مال غنیمت سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ آپؐ نے انصاریوں کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لوگوں کو جمع کریں پھر آپؐ نے ان سے خطاب فرماتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ پھر فرمایا۔ ”کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے تو میرے ذریعے اللہ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ تم محتاج تھے اللہ نے تمہیں امیر بنا دیا۔ تم آپس میں دشمن تھے تو اللہ نے اس دشمنی کو دوستی میں بدل دیا“۔ اس پر انصاری صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جی بالکل ایسا ہی ہے۔ ہم پر اللہ اور اس کے رسولؐ کا فضل و کرم ہوا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو اور یہ بھی سچ ہے کہ آپؐ ہمارے پاس مدینہ میں تشریف لائے تو آپؐ کی قوم نے آپؐ کو جھٹلا دیا تھا ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ آپؐ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپؐ کی مدد کی۔ آپؐ کے پاس ٹھکانہ نہیں تھا جو ہم نے فراہم کیا اور محتاجی میں آپؐ کی ہم نے غمگساری کی“۔ پھر فرمایا۔ ”اے انصار! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ اونٹ اور بکریاں گھر لے کر جائیں اور آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاؤ“۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار مدینہ اور ان کی آئندہ نسلوں کے لیے دعا فرمائی۔ آپؐ کا یہ خطاب سن کر انصاری صحابہؓ نے زارو قطار رونا شروع کر دیا اور اپنے رویے پر معافی مانگی۔

بھاگتے کفار کا تعاقب

قتل ہونے اور قید ہونے کے بعد جو کفار بچ گئے وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک نے نخلہ کی طرف دوڑ لگائی جبکہ دوسرا گروہ اوطاس کی وادی کی طرف بھاگا اور تیسرے گروہ نے طائف کی راہ لی۔ طائف والوں کی قیادت ان کا کمانڈر مالک بن عوف کر رہا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو طائف کے قلعہ میں بند کر لیا اور اپنے پاس ایک سال کی خوراک بھی ذخیرہ کر لی۔ آپؐ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ کئی دنوں تک محاصرہ جاری رہا۔ حضورؐ نے حضرت نوفلؓ بن معاویہ سے مشورہ کیا کہ محاصرہ جاری رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے؟ انہوں نے عرض کی کہ اگر بہت لمبے عرصے تک محاصرہ جاری رکھا جائے تو مسلمانوں کی فتح یقینی ہے لیکن اگر محاصرہ ختم بھی کر دیا جائے تو ان کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور اب یہ کبھی مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کا تصور بھی نہیں کریں گے۔ اس پر آپؐ نے محاصرہ ختم فرما دیا۔

6000 قیدیوں کی رہائی (بے مثال فیاضی)

کفار نے تیر اندازی کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آئی اور کفار کے 6000 لوگ قیدی بنائے گئے۔ ان سے لاکھوں درہم فدیہ لیا جا سکتا تھا یا ان سے بطور غلام ہمیشہ کے لیے کام لیا جا سکتا تھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کر کے بہت زیادہ رقم بھی حاصل کی جا سکتی تھی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بنو ہوازن کے مسلمانوں کا ایک وفد حضرت زہیرؓ بن صُرَد کی قیادت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (اس وفد میں چودہ لوگ شامل تھے)۔ ان کی درخواست پر آپؐ نے اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدی رہا کر دیے۔ آپؐ کی اتباع میں باقی صحابہ کرامؓ نے

بھی قیدی رہا کر دیے اور یوں 6000 قیدی آزاد کر دیے گئے۔ ان سے حضور ﷺ نے کوئی فدیہ نہ لیا بلکہ ان سب کو ایک ایک چادر عطا کی۔ آپؐ کی بے پایاں فیاضی اور لا محدود رحمت کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

ہمارے سیکھنے کے سبق

1۔ مسلمانوں کے پاس جنگی سامان کم تھا اس لیے آپؐ نے صفوان بن امیہ سے 100 زرہیں اور دیگر جنگی سامان ادھار لیا گویا حضور ﷺ نے پہلے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جنگ کتنی سخت ہو سکتی ہے۔ جنگ کے لیے ایسی ہی دور اندیشی اور حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

2۔ جب مسلمان جنگ حنین کی طرف جا رہے تھے تو چند لوگوں نے کثرت تعداد کی وجہ سے تکبر کے الفاظ بولے کہ آج انہیں کوئی نہیں ہرا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بالکل شروع میں ہی ان پر تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ وہ بھاگ اٹھے۔ بالآخر اللہ کی غیبی مدد آئی۔ آپؐ اپنی جگہ پر ڈٹ گئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ اپنی طاقت (خواہ انسانی تعداد کی ہو، رتبے کی ہو یا پیسے کی) پر کبھی غرور نہیں کرنا چاہیے بلکہ عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا کرنی چاہیے۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 25 اور 26 میں بالکل یہی نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ترجمہ۔ "(مسلمانو) اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے مگر وہ (کثرت) تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور مومنوں پر اپنی طرف سے سکون نازل فرمایا اور (ان کی مدد کے لیے فرشتوں کے) ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے کئی غزوات میں حصہ لیا۔

3۔ جب طائف کے قلعے کا محاصرہ طویل ہو گیا تو آپؐ نے حضرت نوفلؓ سے نہ صرف مشورہ کیا بلکہ ان کا مشورہ قبول بھی فرمایا اور محاصرہ اٹھالیا۔ مشاورت کا یہ اصول ہر دور کے حکمرانوں ، کمانڈروں ،لیڈروں ،افسروں اور تمام مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

4۔ آپؐ نے مال غنیمت کی تقسیم میں نئے مسلمانوں کو بہت زیادہ حصہ دیا۔ وہ چند دن پہلے ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اتنا زیادہ مال غنیمت حاصل کر کے انہیں اسلام کے دنیاوی فائدے بھی نظر آئے اور ان کا دل اسلام سے جڑ گیا۔

5۔ اسی طرح انصاری صحابہ کرامؓ کے دلوں میں کم مال غنیمت ملنے پر جو رنج پیدا ہوا تھا آپؐ نے انہیں خود بلا کر سمجھایا اور جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا ایک ایک لفظ دل میں اترنے والا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر خاندان میں، دوستوں میں یا ملکوں کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہو جائے تو اس پر خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ آگے بڑھ کر (Proactive Approach) معاملے کو سلجھانا چاہیے۔

6۔ آپؐ سے درخواست کی گئی کہ بنو ثقیف کے لیے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے ان کے لیے یوں دعا فرمائی۔ "یا اللہ! بنو ثقیف کو ہدایت عطا فرما"۔ یہ ہے آپؐ کی بے پایاں رحمت کہ جان کے دشمنوں کے لیے بھی دعا فرمائی۔

7۔ مشرکین جب طائف کے قلعے میں چلے گئے تو آپؐ نے ان کے خلاف منجنیق کا بھی استعمال فرمایا۔ یہ ایک طرح کی بہت بڑی غلیل تھی جو گولوں کو دور پھینکنے کے کام آتی تھی۔ اس سے کفار کے قلعے میں شگاف پڑ گئے۔ یہ اس زمانے میں ایک ماڈرن جنگی طریقہ تھا۔ (712ء میں محمد بن قاسم نے بھی فتح سندھ کے موقع پر منجنیق کا استعمال کیا تھا۔ اس کا تعلق بھی قبیلہ بنو ثقیف سے تھا)۔

8۔ آپؐ نے طائف کے قلعے میں بند ہونے والوں پر معاشی دباؤ اس طرح بڑھایا کہ قلعے کے قریب ان کے انگوروں کے باغات تباہ کروا دیے۔ اس پر قبیلہ ثقیف نے آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر منت سماجت کی کہ ان کے مزید درخت نہ کاٹے جائیں گویا جنگ میں جہاں ضروری ہو وہاں درخت بھی کاٹے جاسکتے ہیں۔

9۔ آپؐ کی دائی حضرت حلیمہؓ کا تعلق ہوازن کے قبیلے سے تھا لہٰذا قیدیوں میں ان کی بیٹی حضرت شیماؓ بھی شامل تھیں۔ انہوں نے آپؐ کو اپنی گود میں کھلایا تھا۔ جب یہ آپؐ کے سامنے پیش ہوئیں اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں تو آپؐ نے ایک نشانی سے ان کو پہچان لیا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کی بہت عزت کی یہاں تک کہ اپنی چادر بچھادی اور فرمایا کہ تم اس پر بیٹھو۔

اب ذرا غور کیجیے! حضرت حلیمہؓ نے حضور ﷺ کو گود میں لے کر اور دودھ پلا کر کوئی احسان نہیں کیا تھا بلکہ اس زمانے کے رواج کے مطابق یہ ایک طرح کا روزگار تھا اور دائیوں کو اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ پھر یہ واقعہ تقریباً 60 سال پرانا تھا نیز حضرت شیماؓ کا حضور ﷺ سے مدتوں سے کوئی رابطہ نہ تھا اگر رابطہ ہوتا تو آپؐ اور حضرت شیماؓ فوراً ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے حضرت شیماؓ کا بڑی بہن کی حیثیت سے جو احترام کیا وہ ہم سب کے لیے قابل تقلید ہے۔ آپؐ نے نہ صرف ان کو عزت دی بلکہ انہیں آزاد بھی کر دیا۔ جاتے ہوئے ان کو کچھ اونٹ اور بکریاں بھی عطا فرمائیں۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال ڈھونڈ کر لائے!

نتیجہ

اس غزوہ میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس کے نتیجے میں ڈھیر سارے قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا حتٰی کہ کچھ عرصے بعد اہل طائف بھی مسلمان ہو گئے۔

غزوہ تبوک

اس غزوہ کے لیے حضور ﷺ 631 عیسوی، 9 ہجری رجب کے مہینے میں مدینہ سے تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور رمضان کے مہینے میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ گو مدینہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی لیکن مکہ کو پورے عرب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ جب مکہ بھی فتح ہو گیا اور غزوہ حنین میں قبیلہ ہوازن اور ثقیف کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا گیا تو مسلمانوں کو ایک بڑی طاقت کے طور پر مانا جانے لگا جس سے عرب کے قبائل کا رخ بھی مسلمانوں کی طرف ہو گیا۔ اس وقت کی سپر پاور رومی سلطنت کسی طور بھی یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی کہ مستقبل میں اسلامی حکومت ان کے لیے خطرے کا باعث بنے لہٰذا روم کے بادشاہ (قیصر روم) نے چالیس ہزار لوگوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی جسے جنگی سازوسامان سے لیس کر دیا گیا۔ کچھ اور قبیلے اس کے علاوہ تھے۔ اس فوج نے مدینہ پر حملہ کرنا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ اطلاع بروقت آپؐ تک پہنچ گئی لہٰذا آپؐ نے فوری طور پر جہاد کا اعلان کر دیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس غزوہ میں شرکت کریں۔

آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ دشمن کا انتظار کیے بغیر یہ جنگ دشمن کے علاقے یعنی تبوک میں جا کر لڑی جائے۔ تبوک کا مدینہ سے فاصلہ 683 کلومیٹر ہے۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اتنی دور لشکر لے کر جانا انتہائی مشکل کام تھا لیکن جب جہاد کا جذبہ ہو تو سب مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ منافقین کے علاوہ سب مسلمانوں نے آپؐ کے حکم پر لبیک کہا اور 30 ہزار مجاہدین کا لشکر تیار ہو گیا۔ اس سے پہلے کسی بھی جنگ میں اتنا بڑا اسلامی لشکر نہیں تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اتنے بڑے لشکر کے کھانے پینے اور جنگی سازوسامان کا بندوبست کیسے کیا جائے؟ یہی غزوہ ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا سارا سامان

غزوہ تبوک، دومۃ الجندل اور مدائن صالح کا نقشہ

- مدینہ سے حضور ﷺ اپنے لشکر کو لے کر تبوک تک گئے مگر رومی مقابلے پر نہ آئے۔
- غزوہ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل کا حکمران گرفتار ہوا تھا اور اس نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔
- **حِجر** کو مدائن صالح بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ کا نام العلاء بھی ہے۔ آپؐ اپنے لشکر کے ساتھ تبوک جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تھے۔
- دومۃ الجندل کے مقام پر 5 ہجری میں حضور ﷺ 1000 صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے لیکن مخالف قبائل بھاگ گئے۔
- 6 ہجری میں دومۃ الجندل کے قریب سریہ دیار بنی کلب ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے وہاں کے بادشاہ کی بیٹی تماضر سے شادی کی تھی۔



حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا۔ ابو بکرؓ ! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا سامان پیش کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے سونے کے ایک ہزار دینار، 100 گھوڑے اور 900-اونٹ پیش کیے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تقریباً 29 کلو چاندی پیش کی۔ حضرت عباسؓ، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ حضرت عاصمؓ تقریباً 338 من کھجوریں لے کر حاضر ہوئے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے رات بھر اپنے ہاتھوں سے کنواں چلایا۔ انہیں تقریباً 4 کلو کھجوریں بطور مزدوری ملیں۔ انہوں نے آدھی خود رکھ لیں اور باقی آدھی (یعنی دو کلو سے قدرے کم) حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ حضور ﷺ نے برکت کے لیے ان کھجوروں کو جمع شدہ سامان کے اوپر بکھیر دیا۔ ان صحابیؓ کا نام حضرت ابو عقیلؓ تھا۔ حضور ﷺ پر قربان جائیں کہ اتنی کم کھجوریں ہونے کے باوجود آپؐ نے نہ برا مانا، نہ کھجوریں واپس کیں، نہ ہی صحابیؓ کو ڈانٹا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی۔

اس موقع پر مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات تک آپؐ کو پیش کر دیے لیکن اتنے ایثار کے باوجود اس لشکر کے لیے خوراک، سفری اور جنگی سامان کی شدید کمی تھی۔ 18 لوگوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا جس پر یہ لوگ باری باری سواری کرتے تھے یعنی اگر ایک مجاہد اونٹ پر ایک کلو میٹر سوار ہو کر فاصلہ طے کرتا تھا تو پھر اسے 17 کلو میٹر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ اس لیے اس لشکر کا نام جیش عُسرت (تنگی کا لشکر۔ جیش کا معنی لشکر اور عسرت کا معنی تنگی ہے) پڑ گیا۔

آپؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں خواتین اور بچوں کی حفاظت کے لیے چھوڑا کیونکہ منافقین سے شدید خطرہ تھا جنھوں نے آہستہ آہستہ کافی جڑیں پکڑ لی تھیں اور

اپنے ساتھیوں کے تحفظ کے لیے ایک سازشی مرکز بھی تعمیر کر لیا تھا جسے انہوں نے مسجد ضرار کا نام دیا ہوا تھا۔ منافقین نے غزوہ تبوک کے وقت مسلمانوں میں خوب بد دلی پھیلائی اور جو لوگ اپنا مال دل کھول کر خرچ کر رہے تھے ان کے بارے میں فضول باتیں کیں۔ جن صحابہؓ نے کم صدقہ کیا انہیں یہ طعنہ دیتے تھے کہ یہ چند کھجوروں سے روم کی بادشاہی کو فتح کرنے چلے ہیں نیز منافقین کا ابو عامر فاسق کے ذریعے روم کے بادشاہ سے رابطہ بھی تھا۔ اسلامی لشکر تبوک کی طرف گامزن تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی اتنی قلت تھی کہ کئی دفعہ مجاہدین کو درختوں کے پتے بھی کھانے پڑے۔ تبوک جاتے ہوئے راستے میں حِجْر کا مقام آیا جہاں آج سے 6000 سال پہلے حضرت صالح ؑ کی قوم ثمود آباد تھی جس نے پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر گھر بنائے ہوئے تھے۔ اس جگہ کو مدائن صالح کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو وہاں سے کچھ بھی کھانے پینے سے منع فرما دیا کیونکہ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے اس قوم پر اللہ کا عذاب آیا تھا۔

آپؐ اسلامی لشکر کے ساتھ تبوک پہنچ گئے مگر رومی لشکر مقابلے پر نہ آیا۔ اس طرح عملی طور پر رومیوں سے اس غزوہ میں جنگ تو نہ ہوئی البتہ کچھ دیگر واقعات رونما ہوئے جو درج ذیل ہیں:۔

1۔ اَیلَہ کے حکمران نے آپؐ کی خدمت میں حاضری دی اور صلح کا معاہدہ کیا اور مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا۔ آجکل ایلہ پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ ایلہ کا دوسرا نام ایلات ہے اور یہ بندر گاہ ہے۔

2۔ جَربا اور اَذرُح کے لوگ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

3۔ دومۃ الجندل کے حاکم کا نام اُکیدِر تھا۔ اس کی طرف آپؐ نے حضرت خالدؓ بن

ولید کو روانہ فرمایا۔ آپؐ نے حضرت خالدؓ کو بتایا کہ کل تم جب اکیدر کے پاس جاؤ گے تو وہ نیل گائے کا شکار کر رہا ہو گا۔ اگلے دن جب حضرت خالدؓ اور ان کے 420 شہسوار وہاں پہنچے تو وہ واقعی نیل گائے کا شکار کرنے کے لیے نکلا ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ نے اسے گرفتار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے بھی جزیہ دینا قبول کر لیا نیز اس نے مسلمانوں کو 2000 -اونٹ، 400 زرہیں، 800 غلام اور 400 نیزے بھی دیے۔

4۔ کچھ اور قبائل نے بھی مسلمانوں سے تقریباً انہی شرائط پر صلح کر لی۔

آپؐ نے تبوک میں 20 دن قیام فرمایا پھر واپسی کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچنے پر اہل ایمان نے حضور ﷺ اور اسلامی لشکر کا زبردست استقبال کیا جبکہ دوسری طرف منافقین کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی کیونکہ انہیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ آپؐ اور لشکر اسلام خیریت سے واپس آئیں گے۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں حضور ﷺ نے شرکت فرمائی۔

غزوہ تبوک پر تبصرہ

1۔ غزوہ تبوک میں شامل ہونے کے لیے جب آپؐ نے اعلان فرمایا تو مسلمانوں کے لیے بڑے مشکل حالات تھے۔ ان کی فصلیں پک کر کٹائی کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ گزشتہ سال ان کی فصل اچھی نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان کی زندگی اور معیشت کا دارومدار اسی فصل پر تھا۔ اوپر سے غضب کی گرمی اور جہاد کے لیے درکار سامان کی شدید قلت۔ پھر بھی اس امتحان میں صحابہ کرامؓ پورے اترے۔ کیا ہم اسلام کے لیے کوئی جانی یا مالی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں؟

2۔ تبوک جاتے ہوئے اسلامی لشکر کے لیے پینے کے پانی کی شدید قلت ہو گئی۔ صحابہ

کرامؓ نے آپؐ کی طرف دیکھا آپؐ نے دعا فرمائی اور خوب جم کر بارش برسی۔ صحابہ کرامؓ نے نہ صرف پیٹ بھر کر پانی پیا بلکہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے مشکیزوں میں بھی بھر لیا۔

3۔ اسلامی لشکر تبوک کے چشمے پر پہنچا تو دیکھا کہ اس چشمے سے پانی بہت کم آرہا ہے۔ اس پر آپؐ نے اسی چشمے سے کچھ پانی لیا اور اس سے اپنا چہرہ مبارک دھویا اور اسے واپس چشمے میں ڈال دیا پھر یہی چشمہ پانی سے ابلنے لگا۔ اسی چشمے کی بدولت آج بھی اس علاقے میں باغات کی بہتات ہے۔

4۔ ایک شام آپؐ نے لشکر کو بتایا کہ آج رات زور کی آندھی چلے گی لہٰذا کوئی شخص کھڑا نہ ہو۔ اس رات واقعی بہت زور کی آندھی چلی۔ ایک شخص نے آپؐ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور آندھی نے اسے اڑا کر پہاڑوں میں پھینک دیا۔

5۔ اسلامی لشکر جب مدینہ واپس آرہا تھا تو منافقین کے بارہ لوگوں (جو اسلامی لشکر میں بدنیتی کی وجہ سے شامل ہوئے تھے) نے آپؐ کو اس وقت شہید کرنے کی کوشش کی جب آپؐ ایک گھاٹی سے گزر رہے تھے اور آپؐ کے ساتھ صرف دو صحابہؓ تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا ارادہ خاک میں ملا دیا۔ ان منافقین نے اپنے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔ جب وہ آپؐ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کو ان کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنی ڈھال سے ان کی سواریوں کو ضربیں لگائیں تو یہ بھاگ کر باقی لشکر میں شامل ہو گئے۔ اسی واقعے کا سورۂ توبہ کی آیت نمبر 74 میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ”اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا جسے وہ حاصل نہ کر سکے“۔

6۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ساتھ سختی برتنے کا حکم

دیا۔ آپؐ نے منافقین کی تعمیر کی ہوئی مسجد ضرار کو گرا دیا کیونکہ دراصل یہ مسجد اللہ کی عبادت کے لیے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ یہ اسلام کے خلاف سازشوں کا مرکز تھا۔

7۔ یہاں ان تین صحابہ کرامؓ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو غزوہ تبوک میں اپنی سستی کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ ان کے نام حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت مرارہؓ بن ربیع اور حضرت ہلالؓ بن امیہ تھے۔ انہوں نے بہانے بنانے یا جھوٹ بولنے کی بجائے اپنی غلطی تسلیم کرلی اور حضور ﷺ نے باقی صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان تینوں سے بات چیت بند کر دی جائے۔ چالیس دن گزرنے کے بعد مزید سخت حکم دیا گیا کہ یہ تینوں اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔ اسی دوران عیسائیوں کے بادشاہ نے ان کو خط بھیجا کہ آپ کا سردار آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس لیے آپ لوگ ہمارے پاس آجائیں ہم آپ کو عزت و احترام سے رکھیں گے۔ ان صحابہ کرامؓ نے وہ خط تندور میں جلا دیا اور اسے جواب دیا کہ آپ کی عزت احترام سے کئی درجہ بہتر ہمارے سردار کا ہم سے ناراض ہونا ہے۔ ان تینوں نے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کی اور بالآخر پچاس دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور قبولیت کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیت نمبر 118 نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ”اور (اسی طرح) ان تین (اصحاب) پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین (اپنی) وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جانوں سے تنگ آگئے تھے اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اللہ سے (بھاگ کر) سوائے اس کے کہیں پناہ نہیں تو اس نے اپنی رحمت سے ان پر توجہ فرمائی تا کہ وہ (اس کی طرف) رجوع کرتے رہا کریں۔ بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول

کرنے والا (اور) رحیم ہے"۔

اس واقعے میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو جھوٹ گھڑنے اور بہانے بنانے سے بہتر ہے کہ اسے فوراً تسلیم کرلیا جائے اور اقرار جرم کے بعد اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کی جائے تو یقیناً وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحیم پائے گا۔

8۔ غزوہ تبوک پر روانگی سے پہلے منافقین نے بڑی کوشش کی کہ آپؐ ان کی تعمیر کردہ مسجد ضرار میں ایک دفعہ نماز پڑھ لیں۔ آپؐ کو تو اصل حقیقت کا علم تھا لیکن اس وقت رومیوں کے ساتھ منافقین کی بھی مخالفت مول لینا کوئی دانشمندی نہیں تھی لہٰذا آپؐ نے وہاں نماز پڑھنے سے انکار بھی نہیں کیا اور نماز ادا بھی نہیں فرمائی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ موقع کی نزاکت دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔

9۔ لشکر کی روانگی کے بعد منافقین نے حضرت علیؓ کو طعنے دیے کہ انہوں نے جہاد میں حصہ نہیں لیا۔ اس سے وہ جذباتی ہو کر اسلامی لشکر کے ساتھ جا ملے مگر آپؐ نے انہیں مدینہ واپس بھیج دیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی باتوں سے جذباتی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے کیے ہوئے فیصلے پر قائم رہنا چاہیے۔ دراصل منافقین کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں وہ مسلمانوں کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاسکتے لہٰذا انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا مگر آپؐ کی فراست اور حکمت نے ان کی یہ چال بھی ناکام بنادی۔

10۔ اس موقع پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ خواہ حالات کیسے ہی ہوں انہیں ہر حالت میں اللہ کے راستے میں (بوقت ضرورت) جہاد کرنا ہے۔ اس بارے میں نازل ہونے والی سورۂ توبہ کی آیت نمبر 41 کا ترجمہ یہ ہے۔"(مسلمانو) ہلکے ہو یا

بوجھل۔ نکل کھڑے ہو اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو"۔

قبیلوں کا تیزی سے اسلام قبول کرنا

فتح مکہ کے بعد کافی قبیلوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ سلسلہ جاری تھا اسی لیے اس سال کو عام الوفود (وفد کی جمع) کہا جاتا ہے۔ مگر غزوہ تبوک کے بعد اس میں بہت تیزی آگئی کیونکہ مسلمانوں کی طاقت اور رعب کی دھاک پورے عرب پر پڑ چکی تھی کہ رومی سلطنت جیسی سپر پاور بھی ان سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔

خطبہ حَجَّۃُ الوداع

اس مضمون کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے درج ذیل جگہوں کے بارے میں کچھ جاننا ضروری ہے:۔

- ذوالحلیفہ۔ یہ مدینہ سے 19 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جو لوگ مدینہ سے حج یا عمرہ کرنے جاتے ہیں ان کے لیے یہ میقات ہے یعنی اس مقام سے احرام باندھنا لازمی ہو جاتا ہے۔
- خانہ کعبہ۔ یہ بیت اللہ (اللہ کا گھر) ہے۔ یہ مکہ میں ہے۔ اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے فرمائی تھی۔ جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے

نشانات پیوست ہیں۔ اس پتھر کو خانہ کعبہ کے بالکل قریب رکھا گیا ہے۔ اس جگہ کو مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔

- حجر اسود۔ یہ سیاہ رنگ کا پتھر ہے۔ اس کو بوسہ دینے کی بہت فضیلت ہے۔ یہ خانہ کعبہ کے ایک کونے میں نصب ہے۔
- حطیم۔ حطیم کا معنی ہے دیوار۔ یہ خانہ کعبہ کے ساتھ جڑا ہوا ایک گول سا حصہ ہے۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے حطیم کی حقیقت کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ تمھاری قوم یعنی قریش نے جب کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا تو آپس میں طے کیا کہ اس کی تعمیر صرف حلال مال سے کی جائے گی۔ قریش نے خود بھی رقم دی اور چندہ بھی اکٹھا کیا۔ اس کے باوجود وہ رقم کم پڑ گئی اور مجبوراً قریش کو خانہ کعبہ کا کچھ حصہ بغیر چھت کے کھلا چھوڑنا پڑا۔ اسی حصے کو حطیم کہتے ہیں۔ دراصل حطیم خانہ کعبہ کا ہی حصہ ہے گویا جس نے حطیم کے اندر نفل ادا کیے اس نے خانہ کعبہ کے اندر ہی نفل ادا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل و کرم کرتے ہوئے اس جگہ کو ان مسلمانوں کے لیے کھلا رکھا جو خانہ کعبہ کے اندر نہیں جا سکتے۔ حطیم کے اوپر چھت نہیں ہے اور اس کی دیواروں کی بلندی بھی کم ہے۔ اگر بارش ہو تو خانہ کعبہ کے پرنالہ (جسے میزاب رحمت یعنی رحمت کا پرنالہ کہتے ہیں) کا پانی حطیم میں ہی گرتا ہے۔ اس <u>رحمت</u> والے پرنالے کا منہ <u>رحمت</u> للعالمین ﷺ کے شہر مدینہ کی طرف ہے (سبحان اللہ)۔
- طواف۔ خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں۔
- مسجد الحرام۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد جو مسجد ہے وہ گول ہے تاکہ ہر طرف

والے نمازی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر سکیں۔اس مسجد کا نام مسجد الحرام ہے۔

- صفا اور مروہ۔یہ دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔صفا کا کعبہ سے فاصلہ 130 میٹر ہے یعنی پیدل ایک منٹ کا راستہ ہے۔صفا سے مروہ تک 450 میٹر کا فاصلہ ہے یعنی تقریباً آٹھ منٹ پیدل لگتے ہیں۔ان دو پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہؑ دوڑی تھیں جب ان کا دودھ پیتا بیٹا حضرت اسماعیلؑ بھوک اور پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔اس دوڑ کا نام ''سعی'' ہے۔آج بھی سعی حج اور عمرے کا لازمی حصہ ہے۔یہیں سے آب زم زم کا چشمہ پھوٹا تھا۔گویا خانہ کعبہ،صفا، مروہ اور آب زم زم کا چشمہ بالکل قریب قریب ہیں۔صفا اور مروہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرار دیا ہے۔
- منٰی۔حج کرنے والے لوگ پہلے یہاں پر قیام کرتے ہیں۔یہ مکہ سے سات کلو میٹر دور ہے۔
- عرفات۔یہ وہ میدان ہے جہاں 9 ذی الحجہ کو لوگ ٹھہرتے ہیں تو ان کا حج ہوتا ہے۔اسی میدان کے اندر جبل التوبہ ہے۔یہ ایک کم اونچائی والی پہاڑی ہے۔اس جگہ پر حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔میدان عرفات مکہ سے 18 کلو میٹر دور ہے۔عرفات حدود حرم سے باہر ہے۔قیامت والے دن ہمارا حساب کتاب اللہ تعالیٰ اسی میدان والی زمین پر لے گا۔
- مزدلفہ۔یہ منٰی اور میدان عرفات کے درمیان ہے۔حج کے وقت منٰی سے سیدھا میدان عرفات جاتے ہیں اور عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں رکنا ضروری

ہوتا ہے۔ وہیں پر حاجی مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے ہیں اور وہاں سے ہی شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں لی جاتی ہیں۔ اس کا مکہ سے فاصلہ 5 کلو میٹر ہے۔

اب بات کرتے ہیں حجۃ الوداع کی۔ آپؐ نے مدینہ میں 10 ہجری میں حج کرنے کا اعلان فرمایا تو صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد حج کے لیے تیار ہو گئی۔ حضور ﷺ کی تمام ازواج مطہراتؓ بھی ہمراہ تھیں۔ **ذُوالحُلَیفہ** کے مقام پر احرام باندھے گئے۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ 4 ذی الحجہ بروز اتوار مکہ پہنچے تو مسجد الحرام میں مقام ابراہیم پر آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر کوہ صفا پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں خالص توحید یوں بیان فرمائی۔ ”اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ ہی اللہ کے سوا کوئی اور اقتدار اعلیٰ کا حامل ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ اللہ نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) کی مدد کی اور اکیلے تمام قبیلوں کو شکست دی“۔

آپؐ نے 9 ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں وہاں موجود صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا۔ یہ خطاب قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہے۔ یہ خطبہ حج کے دن دیا گیا۔ اس خطبہ کی چند اہم باتیں درج ذیل ہیں:۔

1۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آپؐ نے فرمایا! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکامات کی اطاعت کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔

2۔ آپؐ نے اپنے وصال کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ لوگو! میری بات سنو کیونکہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی مل سکوں۔

3۔ تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی حرام ہے (حرام کا معنی ہے حرمت والا) جیسے یہ شہر (یعنی مکہ) اور یہ مقدس مہینہ اور یہ دن (یعنی حج کا دن)۔

4۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر صرف (فضیلت اس کی ہے) جو تقوٰی میں بلند ہو۔

5۔ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں ربیعہؓ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں (ربیعہؓ بن حارث آپؐ کا چچازاد بھائی تھا۔ ان کے دودھ پیتے بچے جس کا نام عامر تھا کو قبیلہ ہُذیل نے قتل کر دیا تھا۔ آپؐ نے قتل کی معافی بھی اپنے خاندان سے دے کر ایک اعلیٰ ترین مثال قائم کی)۔

6۔ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ پہلا سود میں اپنے چچا حضرت عباسؓ کا ختم کرتا ہوں (یہ حکم ماضی سے نافذ العمل ہو گا لہذا جو سود کسی سے لینا تھا وہ ختم)۔

7۔ آپؐ نے حکم دیا کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کے کلام کے ذریعے اپنے لیے حلال کیا ہے۔

8۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور شخص کو نہ آنے دیں اور اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں ہلکی مار مار سکتے ہو اور عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں معروف طریقے سے کھلاؤ اور پلاؤ۔ عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر لے۔

9۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ اپنے رب کی عبادت کرنا۔ پانچ وقت نماز پڑھنا۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا۔ خوش ہو کر زکوۃ ادا کرنا۔ حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں داخل کرے گا۔

10۔ لوگو! میں تمھارے پاس اللہ کی کتاب اور سنت چھوڑے جارہاہوں اگر تم نے انہیں مضبوطی سے پکڑا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔

11۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے اس وقت سے لے کر ہمیشہ تک کے لیے حرمت والے مہینے چار ہیں۔یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرّم اور رجب لہٰذا آج کے بعد کبیسہ ① پر پابندی ہے۔

12۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو چھوٹے گناہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔

13۔ غلاموں کو وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ان کو لباس بھی وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔

14۔ قتل اور قصاص کے بارے میں بھی قوانین واضح فرمائے۔

15۔ قرض ادا کیا جائے۔ امانت اس کے مالک کو واپس کی جائے۔

16۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت میں ہر حقدار کا حق رکھا ہے اس لیے وصیت کسی وارث کے حق میں نہیں کی جاسکتی۔

17۔ ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں اور نہ ہی باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار ہے۔

---

① کبیسہ سے مراد یہ ہے کہ کفار حرام مہینوں کی تعداد تو چار ہی رکھتے تھے مگر اپنی مرضی سے ان میں تبدیلی کرتے رہتے تھے، کبھی کسی ایک مہینے کو حرام قرار دیتے تھے اور کبھی کسی دوسرے مہینے کو حالانکہ حرمت والے چار مہینے مقرر تھے یعنی محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجّہ اور ان میں ہر گز تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر کبیسہ پر پابندی لگادی۔

سارے اسلامی مہینوں کے نام یہ ہیں:۔ محرم، صَفَر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاوّل، جمادی الثانی، رجب، شَعبان، رَمَضان، شوّال، ذیقعدہ (اسے ذی قعدہ یا ذی القعدہ بھی کہتے ہیں)، ذوالحجّہ (اسے ذی الحجّہ بھی کہتے ہیں)۔

18۔ اے لوگو! تم بہت جلد اپنے خالق سے ملوگے اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟ سب نے اس کی گواہی دی۔ اس پر آپؐ نے آسمان کی طرف اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔ ''اے اللہ گواہ رہنا''۔ پھر فرمایا کہ یہ ارشادات سب لوگوں تک پہنچا دو۔

آپؐ کے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار (اور بعض روایات کے مطابق 144000) صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اس وقت لاؤڈ سپیکر تو تھا نہیں لہٰذا سارے مجمع تک آپؐ کا خطبہ پہنچانے کے لیے مُکَبِّر کے فرائض حضرت ربیعہؓ بن امیہ بن خلف سر انجام دے رہے تھے۔ وہ اونچی آواز میں سب لوگوں تک آپؐ کے ارشادات پہنچا رہے تھے۔ آپؐ نے خطبہ اپنی اونٹنی قَصواء پر بیٹھ کر دیا۔ خطبے کے فوری بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 3 نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا''۔ اس آیت میں آپؐ کے وصال کی طرف واضح اشارہ تھا لہٰذا یہ آیت سن کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بہت غمگین ہو گئے۔ اس خطبے کے 3 ماہ اور 3 دن بعد آپؐ کا وصال ہو گیا۔

حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع دے کر پوری دنیا کو ایک عالمی منشور دیا اور حج کو مشرکانہ رسوم سے پاک کر کے خالص اسلامی طریقے سے ادا فرمایا۔ آپؐ نے 100-اونٹوں کی قربانی دی جن میں سے 63-اونٹ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے۔ (کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم میں سے اکثر مسلمان مرد مرغی بھی ذبح نہیں کر سکتے)۔ آپؐ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

دس ہجری کے بعد کے کچھ اہم واقعات

1۔ یمن میں جھوٹے نبی کا دعوٰی

یمن کا گورنر باذان جو مسلمان ہو گیا تھا (تفصیل پچھلے صفحات میں درج ہے) کی وفات کے بعد اسود عنسی نے اسلامی حکومت کے گورنروں کو وہاں سے نکال دیا اور پورے یمن پر قبضہ کر لیا۔ اس نے صنعا (یہ شہر یمن کا دارالحکومت ہے) کے سابق حاکم کی بیوی کو بھی اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس خاتون کا نام آزاد تھا۔ اس کے بعد اسود عنسی نے نبوت کا جھوٹا دعوٰی کر دیا۔ ایک مسلمان حضرت فیروزؓ نے اسود عنسی کی بیوی آزاد کی مدد سے اس جھوٹے نبی کو قتل کر دیا۔ آپؐ کو اس کے قتل کی اطلاع بذریعہ وحی مل گئی اور آپؐ نے یہ خبر صحابہ کرامؓ کو بھی بتائی۔

2۔ ایک اور جھوٹے نبی کا دعوٰی

مسیلمہ 9 ہجری میں اپنے 16 ساتھیوں سمیت مدینہ آیا۔ وفد کے باقی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن اس نے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھی کہ آپؐ اپنے بعد اسے اپنا جانشین مقرر کریں۔ آپؐ نے اس کی یہ شرط ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ واپس یمامہ جا کر 10 ہجری میں اس نے دعوٰی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی نبی بنایا ہے لہٰذا آدھی سلطنت اس کے حوالے کی جائے۔ یہ بہت ہی جھوٹا شخص تھا۔ آپؐ نے اسے کذاب (بہت بڑا جھوٹا) قرار دیا۔ اس کا تعلق بنو حنیفہ کے قبیلے سے تھا اور اس نے چالیس ہزار کی فوج جمع کر لی تھی۔ مسیلمہ کذاب کے خاتمے سے پہلے آپؐ کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں یمامہ کے مقام پر ہونے والی جنگ میں یہ کذاب اپنے 20 ہزار ساتھی کفار کے

ساتھ قتل ہوا۔ اس جنگ میں 1200 مسلمان بھی شہید ہوئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس وحشیؓ بن حرب نے حضرت امیر حمزہؓ کو غزوہ احد میں شہید کیا تھا اسی حضرت وحشیؓ نے اس جھوٹے نبی کو قتل کیا۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ وحشیؓ بن حرب نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

3۔ لشکر اسامہؓ کی روانگی

آپؐ نے شام کی طرف ایک لشکر اسامہؓ بن زیدؓ کی سربراہی میں روانہ فرمایا۔ یہ لشکر ابھی تھوڑے ہی فاصلے پر گیا تھا کہ آپؐ کا وصال ہو گیا اور یہ لشکر واپس آ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم 29 صفر 11 ہجری کو ایک جنازے میں جنت البقیع ① تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی پر آپؐ کے سر میں درد شروع ہو گیا اور اس میں شدت آتی گئی اور اس کے ساتھ تیز بخار بھی ہو گیا۔ آپؐ نے اسی مرض کی حالت میں 11 دن نماز کی امامت فرمائی۔ آپؐ نے تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت حاصل کی اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قیام پذیر ہو گئے ②۔

حضرت عائشہؓ آپؐ پر دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہتی تھیں۔ آپؐ کی طبیعت جب زیادہ خراب ہونے لگی تو آپؐ کے اوپر سات کنوؤں کا پانی ڈالا گیا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

① مدینہ کا وہ قبرستان جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب ہے۔
② پہلے آپؐ سب بیویوں کے پاس باری باری جایا کرتے تھے۔

کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی اور آپؐ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ "یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالینا"۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو وہ بدلہ لے سکتا ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی کہ آپؐ نے اس کے تین درہم دینے ہیں۔ یہ رقم آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے ادا کر دی۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں سب کو وصیت کی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا! مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابو بکرؓ کے ہیں۔

جب حضور ﷺ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز کی امامت کرائیں (نماز کی امامت کرانا ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور یہ امیر یا سربراہ ہی کر اسکتا ہے)۔ آپؐ کی زندگی میں حضرت ابو بکرؓ نے سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب حضور ﷺ کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ اس وقت ظہر کی نماز کی جماعت ہو رہی تھی۔ آپؐ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے امامت سے پیچھے ہٹنا چاہا مگر حضور ﷺ نے اشارہ کیا کہ وہ امامت جاری رکھیں۔ اس سے حضرت ابو بکرؓ کی حد درجہ فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

وصال سے ایک دن پہلے حضور ﷺ نے اپنے غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ کل اثاثہ صرف سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا۔ اپنے جنگی ہتھیار مسلمانوں کو تحفے میں دے دیے۔ آپؐ ایک بڑی حکومت کے سربراہ تھے لیکن معاشی حالت یہ تھی کہ گھر میں چراغ میں ڈالنے کا تیل تک موجود نہ تھا جو حضرت عائشہؓ نے پڑوسن سے ادھار لیا اور آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جس سے آپؐ نے 75 کلو جو ادھار لیے تھے۔

حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور تمام ازواج مطہراتؓ سے ملاقات کی اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔ حضرت فاطمہؓ کو خوشخبری سنائی کہ آپ جنت میں ساری

عورتوں کی سردار ہوں گی اور پھر حضور ﷺ نے ان کے کان میں سرگوشی فرمائی تو وہ رونے لگیں۔ آپؐ نے انہیں پاس بلایا اور کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ بعد میں حضرت فاطمہؓ نے بتایا کہ پہلی بار آپؐ نے فرمایا کہ ان کا وصال ہو جائے گا تو میں رو پڑی اور دوسری بار فرمایا کہ تمام خاندان میں تم سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔ اس پر میں ہنسنے لگی۔ یہ ہے ایک بیٹی کی اپنے باپ سے لازوال محبت۔ دوسری بار یہ بتایا گیا کہ آپؐ کا عنقریب وصال ہو جائے گا مگر حضرت فاطمہؓ کو اپنی موت کا کوئی غم نہ تھا اور نہ ہی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کی فکر تھی بلکہ اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی ملاقات اپنے والد حضور ﷺ سے ہو جائے گی (سبحان اللہ)۔

آپؐ نے اپنے وصال سے چند گھڑیاں قبل مسواک بھی فرمایا جو حضرت عائشہؓ نے اپنے دانتوں سے نرم کر کے دیا تھا۔ آپؐ نے آخری وصیت یہ فرمائی۔ "نماز، نماز اور تمہارے زیردست"۔ زیردست سے مراد ہے جو بھی تمہارے ماتحت ہو۔ خواہ لونڈی ہو یا غلام یا کوئی اور ماتحت۔ آپؐ نے یہ الفاظ بار بار دہرائے۔ اسی بیماری کی حالت میں ذکر الٰہی کرتے ہوئے آپؐ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔ یہ 12 ربیع الاول 11 ہجری بروز پیر تقریباً چاشت کا وقت تھا۔ آپؐ کی عمر مبارک 22330 دن تھی۔ اسلامی کیلنڈر کے لحاظ سے یہ 63 سال بنتی ہے جبکہ انگلش کیلنڈر کے لحاظ سے یہ 61 سال اور 50 دن بنتی ہے۔

مسلمانوں نے یہ خبر سنی تو ان پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ غم سے اس قدر نڈھال تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ باقی صحابہ کرامؓ کی حالت بھی غیر تھی۔ بالآخر حضرت ابو بکرؓ (جو خود بھی شدید ترین حالت غم میں تھے) نے سب کو سنبھالا اور فرمایا۔ "تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ کبھی نہیں

مرے گا"۔ اس کے بعد آپؓ نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 144 تلاوت فرمائی۔ آپؐ کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جہاں کوئی نبی فوت ہوتا تھا اسی جگہ اسے دفن کر دیا جاتا تھا لہٰذا جس جگہ پر آپؐ کا وصال ہوا وہیں حضرت ابو طلحہؓ نے قبر مبارک کھودی۔ حجرہ مبارک تنگ تھا اس لیے دس دس صحابہ کرامؓ نے باری باری آپؐ کی نماز جنازہ ادا کی کیونکہ سامنے جسم اقدس آپؐ کا تھا اس لیے کوئی امام نہ بن سکتا تھا لہٰذا بغیر امام کے نماز جنازہ ادا کی جاتی رہی۔ آپؐ کے خاندان، مہاجر اور انصار صحابہؓ سب نے نماز جنازہ ادا کی حتٰی کہ عورتوں اور بچوں نے بھی۔ چونکہ نماز جنازہ ادا کرنے والے بہت زیادہ لوگ تھے اس لیے حضور ﷺ کو بدھ کی رات سپرد خاک کیا گیا۔

نوٹ:

میں اپنے قارئین سے معافی کا طلب گار ہوں کہ میری اپنی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ میں اس عنوان پر مزید کچھ بھی لکھنے سے قاصر ہوں۔

- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

حضور ﷺ سے ہمارا رشتہ کیا؟

آپؐ کے حالات زندگی ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم ہستی سے ہمارا رشتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر آپؐ

کی اطاعت فرض کر دی ہے۔ اطاعت کا مطلب ہے جو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کی جائے مگر اسلام نے اس سے اگلا تقاضا کیا ہے اور وہ ہے اتباع رسولؐ کا۔ اس کا مطلب ہے کہ آپؐ کی پیروی کرنا۔ اس فرق کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ ایک صحابیؓ آپؐ کے پاس کہیں دور سے حاضر ہوئے۔ ملاقات کے وقت آپؐ کی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس صحابیؓ کی آپؐ سے زندگی میں یہی ایک ملاقات ہوئی ۔ اتباع رسولؐ میں اس صحابیؓ نے ساری زندگی اپنی قمیض کے بٹن بند نہیں کیے۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر اطاعت میں محبت بھی شامل ہو جائے تو وہ اتباع بن جاتی ہے۔ اسی طرح کا ایک اور ایمان افروز واقعہ سنیے۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ ابھی حضرت عبد اللہؓ کا ایک پاؤں دروازے کے اندر تھا اور دوسرا پاؤں باہر، عین اسی لمحے آپؐ نے فرمایا کہ مومنو! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبد اللہؓ نے حکم کی فوری تعمیل کی اور اسی حالت میں بیٹھ گئے یعنی اپنا دوسرا پاؤں اندر نہ رکھا حالانکہ دوسرا پاؤں اندر رکھنے میں صرف ایک سیکنڈ درکار تھا۔

اس سلسلے میں چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

- "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی" (سورۃ النساء۔ آیت نمبر59)
- "(مسلمانو) جو کچھ رسولؐ تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے اس سے رک جاؤ" (سورۃ الحشر۔ آیت نمبر7)
- "اگر تم کسی معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پھیر دو" (سورۃ النساء۔ آیت نمبر59)
- "(اے پیغمبر)، لوگوں سے (کہہ دو) کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری (آپؐ کی) پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمھارے گناہ بخش

دے گا" (سورۂ آل عمران۔ آیت نمبر 31)

❖ "(اے پیغمبر۔ مسلمانوں سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں خوف ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں، (اگر یہ ساری چیزیں) اللہ اور اس کے رسولؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ (تمہارے سامنے) اللہ اپنا فیصلہ [1] لے آئے" (سورۂ توبہ۔ آیت نمبر 24)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبیؐ ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبیؐ نہیں آئے گا۔ اس لیے آپؐ کو خاتم النبیینؐ کہا جاتا ہے لہٰذا اگر آج یا مستقبل میں کوئی شخص بھی نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا تو وہ یقیناً جھوٹا ہو گا۔ آپؐ تمام نبیوں کے سردار ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے بیت المقدس میں سب پیغمبروں کی امامت کرائی۔ قیامت والے دن بھی آپؐ کی شفاعت سے ہی کام بنے گا۔ اس روز اللہ تعالیٰ آپؐ کو حوض کوثر عطا فرمائیں گے اور آپؐ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب بندے اور سب سے پیارے رسولؐ ہیں۔ آپؐ واحد رسولؐ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معراج کرائی اور اپنے پاس بلایا۔ آپؐ وہ واحد شخصیت ہیں جنہیں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کا شرف حاصل ہوا ورنہ حضرت جبریلؑ (جو سب فرشتوں کے سردار ہیں) بھی اس سے ایک انچ آگے نہیں جاسکتے۔ آپؐ وہ واحد ہستی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے۔ ہمارا کلمہ کیا ہے؟

---

① یعنی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا انتظار کرو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اگر کوئی شخص ساری زندگی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پڑھے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ نے دعا فرمائی۔ "رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○" (یا رب! میرا سینہ کھول دے) جبکہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ○ (کیا ہم نے آپؐ کے لیے آپؐ کا سینہ کھول نہیں دیا)۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولؐ سے پیار دیکھیے! کچھ بدو مدینہ آئے۔ وہ آپؐ سے اسلام کی باتیں سیکھنا چاہتے تھے۔ آپؐ اپنے گھر میں (جسے حجرہ کہتے تھے) آرام فرما رہے تھے۔ اس دور میں بجلی تو تھی نہیں لہٰذا گھنٹی بھی نہیں تھی۔ اب آپؐ کو بلانے کے دو ہی طریقے تھے یا تو وہ دروازے پر دستک دیتے یا آواز دیتے لہٰذا انہوں نے آپؐ کو آوازیں دے کر بلایا۔ اس سے آپؐ کے آرام میں خلل پڑا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے براہ راست مداخلت کی اور قرآن میں حکم دیا کہ آئندہ کوئی شخص آپؐ کو اس طرح سے آوازیں نہیں دے گا بلکہ وہ گھر کے باہر انتظار کرے گا یہاں تک کہ آپؐ خود باہر تشریف لے آئیں۔ ترجمہ۔ "(اے پیغمبر) جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو عقل نہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے کہ تم (خود حجرے سے نکل کر) ان کے پاس آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔"۔ (سورۂ حجرات۔ آیت نمبر 5-4)۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اُن لوگوں نے ایسا جان بوجھ کر یا کسی غلط ارادے سے نہیں کیا بلکہ بے عقلی میں وہ ایسا کر بیٹھے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ایک اور انتہائی سخت وارننگ بھی دے دی۔ وہ یہ کہ آپؐ سے بات کرتے ہوئے اور آپؐ کی محفل میں اپنی آوازوں کو پست رکھو اور اگر کسی نے آپؐ سے اونچی آواز میں بات کی تو اس کو وہ نقصان ہو گا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا ہو

گا اور وہ نقصان یہ ہوگا کہ اس کی ساری زندگی کی نیکیاں ختم کر دی جائیں گی۔اس سلسلے میں سورۂ حجرات کی آیت نمبر 2 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جس طرح تم (آپس میں) ایک دوسرے سے زور زور سے بولا کرتے ہو۔(کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارا سب کیا کرایا اکارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔

اب ایک نکتے پر غور فرمائیں۔دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی کے آداب سکھا رہا ہوتا ہے مثلاً کسی بھی عدالت میں موجود لوگوں کو اس عدالت کے چھوٹے ملازم اس عدالت اور جج کے آداب سکھا رہے ہوتے ہیں مثلاً قمیض کے بٹن بند کر لو، کالی عینک اتار دو، آواز دھیمی رکھو وغیرہ۔یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے۔یہاں اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے وہ بارگاہ رسالتؐ کے آداب سکھا رہا ہے۔یہ ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب ﷺ سے پیار و محبت۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ الم نشرح کی آیت نمبر 4 میں ارشاد فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے آپؐ کی خاطر آپؐ کا ذکر بلند کر دیا)۔

اسی طرح سورۂ **الضحیٰ** کی آیت نمبر 5 میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان الفاظ میں خوشخبری سنائی۔"اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔جب آپؐ کے بیٹوں کا بہت چھوٹی عمر میں وصال ہو گیا اور کافروں نے کہا کہ آپؐ کی تو نسل ہی ختم ہو گئی ہے۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے براہ راست پوری ایک سورۂ نازل کر کے ان الفاظ میں دیا۔"بے شک ہم نے ہی آپ کو کوثر عطا فرمایا۔لہٰذا آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد رہے گا"(سورۂ الکوثر)۔

اسی طرح سے جب ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے آپؐ کو ستایا تو اس کے

جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان بد بختوں کے لیے سخت ترین الفاظ استعمال فرمائے اور پوری سورۃ نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "ہلاکت میں جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو جائے۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں جھلسے گا۔ اور اس کی بیوی بھی، ایندھن اٹھائے پھرنے والی۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہے"۔ (سورۃ لہب)

جب اللہ تعالیٰ نے خالص توحید بیان کرنی تھی تو سورۂ اخلاص نازل فرمائی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "(اے پیغمبر، ان لوگوں سے) کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے"۔ اس سورۂ کا پہلا لفظ ہے " قُلْ " (فرما دیجیے)۔ اگر یہ لفظ سورۂ میں نہ بھی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی صفات پوری طرح سے بیان ہو جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اپنے رسولؐ سے محبت دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ یہ ساری باتیں آپؐ کی طرف سے ہوں اس لیے اس سورۂ کو لفظ "قُلْ" (فرما دیجیے) سے شروع کیا۔

ایک اور موقع ملاحظہ فرمائیے! جب صلح حدیبیہ میں کفار کی تمام شرائط مان لی گئیں اور آپؐ اور 1400 صحابہ کرامؓ کو عمرہ ادا کیے بغیر واپس جانا پڑا تو صحابہ کرامؓ کے اندر بے چینی پیدا ہو گئی کیونکہ ان کے ساتھ سخت زیادتی ہوئی تھی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو ان الفاظ میں ایک بڑی خوشخبری سناتا ہے۔ "(اے پیغمبر) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی۔ ایک روشن (واضح) فتح" (سورۂ الفتح آیت نمبر 1)۔ اللہ تعالیٰ کی اس خوشخبری اور فتح کی گارنٹی سے مسلمانوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔

ہجرت کی رات جب گیارہ کفار مکہ نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کے لیے آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا اور وہ ننگی تلواریں لے کر بیٹھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان بد بختوں پر نیند غالب کر دی اور اپنے حبیبؐ کو نہ صرف بچایا بلکہ ان تمام کافروں کے سروں میں خاک بھی ڈلوائی۔

غزوہ بنو نضیر کے موقع پر ان یہودیوں نے اپنے آپ کو قلعے میں بند کر لیا تو آپؐ نے جنگی نقطہ نظر سے ان کے کھجوروں کے کچھ درخت کٹوا دیے جس پر یہودیوں نے بہت زیادہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ درخت کاٹنا تو صحیح عمل نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کھجوروں کو کٹوانے کی ذمہ داری خود لے لی اور جواب دیا کہ یہ درخت تو میرے (اللہ تعالیٰ کے) حکم سے کٹے تھے۔ ترجمہ۔ ''کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب اللہ کے حکم سے تھا'' (سورۂ الحشر۔ آیت نمبر 5)۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ ان کھجوروں کے کٹنے سے پہلے کوئی ایسا حکم قرآن میں نہیں ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ رسولؐ کا ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا تھا۔

اسی طرح سے جب آپؐ کو کافروں نے طعنے دیے یا بے ہودہ باتیں کیں تو ان کا جواب بھی خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔ آپؐ کو شہید کرنے کی ہر سازش اللہ نے ہی ناکام بنا دی اور آپؐ کے آداب کی جہاں ذرہ بھر بھی خلاف ورزی ہوئی یا اس کا اندیشہ پیدا ہوا وہاں اللہ تعالیٰ نے مستقل قانون بنا کر یہ راستہ روک دیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولؐ حضرت محمد ﷺ سے جتنا زیادہ پیار ہے اتنا کسی اور ہستی سے نہ ہوا، نہ ہو گا۔

ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کے احکامات کی مکمل تعمیل کریں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم چاہیں تو آپؐ کی اطاعت کریں اور چاہیں تو اطاعت نہ کریں۔ بلکہ یہ تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ جس کی کچھ تفصیل اوپر کی سطور میں درج کی گئی ہے۔ بد قسمتی سے ہم میں سے اکثریت زبانی کلامی آپؐ کے عاشق ہیں۔ یہ کیسا عشق ہے کہ آپؐ کی سیرت طیبہ (زندگی کے حالات) کا بھی علم نہیں، عمل تو بعد کی بات ہے۔ ہم نے تو آپؐ کی احادیث کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ میں بچپن میں فوجیوں اور گھر سے دور رہنے والے لوگوں کے خطوط پڑھتا رہا ہوں۔ ایک نہایت

ہی مختصر خط آیا۔ اس میں درج تھا کہ ”میں خیریت سے ہوں۔ مجھے تین ماہ کے بعد چھٹی ملے گی۔ میں شبیر کے ہاتھ دو ہزار روپے بھجوا رہا ہوں۔ سب کو سلام“۔ اس شخص کی والدہ نے مجھے کہا۔ بیٹا! خط دوبارہ پڑھ دو۔ میں نے پھر پڑھ دیا۔ وہ مجھ سے بار بار فرمائش کرتی رہیں کہ بیٹا ایک دفعہ خط پھر پڑھ کر سناؤ حالانکہ انہیں خط کی پہلی دفعہ ہی پوری سمجھ آگئی تھی۔ یہ دراصل ان کی اپنے بیٹے سے محبت تھی جو اس کے لکھے ہوئے ایک ایک لفظ کو وہ کئی کئی بار سننا چاہ رہی تھیں۔ افسوس! ہم نے تو اپنے رسول ﷺ سے اتنی سی دنیاوی طرز کی محبت بھی نہ کی۔ آپؐ کی حدیث کا مطلب ہے کہ وہ الفاظ ہو بہو آپؐ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔ ہم نے کتنی دفعہ ان الفاظ کو دہرانے کی کوشش کی یا ان کو سننے کی کوشش کی۔ ہم یہ کام آج سے بلکہ ابھی سے شروع کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ آقا کریمؐ کی حدیثیں بھی پڑھیے اور ایک بات یاد رکھیے کہ اگلے جہان ہماری نیکیوں کو گنا نہیں جائے گا بلکہ تولا جائے گا۔ قرآن مجید میں بھی یہی ارشاد ہے۔ ”پھر جس (کے نیک اعمال) کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس (کے نیک اعمال) کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے“ (سورۃ القارعہ۔ آیات نمبر 6 سے 9)۔ ہاویہ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔ نیکیوں کا پلڑا ہمارے نیک اعمال سے ہرگز بھاری نہیں ہو سکتا بلکہ وہ صرف اور صرف عشق رسولؐ سے بھاری ہو سکتا ہے۔ سیدھا سا فارمولا ہے جتنا آپؐ سے عشق، اتنا ہی نیک اعمال کا وزن زیادہ لیکن حضور ﷺ سے جھوٹے اور زبانی کلامی عشق کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اب یہاں ذرا ٹھہریے اور اپنے ایمان کا جائزہ لیجیے۔ اپنے آپ سے سوال کیجیے کہ کیا میں آپؐ سے سچی محبت کرتا ہوں؟ فوراً جواب آئے گا۔ جی ہاں! یہ تو زبردست بات ہو گئی۔ اب اگلا سوال یہ کریں کہ کیا میرے اعمال آپؐ کے احکامات کے مطابق ہیں؟ کیا میں نمازیں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں، کیا میں زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، کیا میں رمضان کے روزے رکھتا

ہوں، کیا میں نے حج کیا ہے، کیا میں والدین کا ادب کرتا ہوں، کیا میری کمائی خالصتاً حلال کی ہے، کیا میں جھوٹ تو نہیں بولتا، کیا میں ریاکاری (یعنی دکھاوے کی عبادت) تو نہیں کرتا، کیا میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں، کیا میں ہمسائیوں کے حقوق ادا کرتا ہوں، کیا میں اپنے دفتر یا کاروبار کو خالص اسلامی اصولوں کے لحاظ سے چلاتا ہوں، کیا میں غیبت تو نہیں کرتا، کیا میں تکبر تو نہیں کرتا، کیا میں کسی کو برے ناموں سے تو نہیں پکارتا، کیا میں طعنے تو نہیں دیتا، کیا میں چغل خور تو نہیں ہوں، کیا میں جوا تو نہیں کھیلتا، کیا میں سود کا لین دین تو نہیں کرتا، کیا میں زنا تو نہیں کرتا، کیا میں گالیاں تو نہیں بکتا، کیا میں فحاشی میں ملوث تو نہیں، کیا میں اپنی رعایا (اپنا کنبہ، اپنے ملازم اور ماتحت) کے حقوق ادا کرتا ہوں، کیا میں کسی قسم کی دھوکہ دہی (فراڈ) میں ملوث تو نہیں، کیا میں چوری تو نہیں کرتا، کیا میں ڈکیتی تو نہیں کرتا؟ کیا میں آپؐ کی سنت کے مطابق پانی پیتا ہوں، کیا میرا کھانا، پینا، لیٹنا، سونا، جاگنا، بیٹھنا، چلنا، گفتگو کرنا، غسل کرنا، وضو کرنا سب آپؐ کی سنت کے مطابق ہے؟ کیا میں روزمرہ کے کام مثلاً ناخن کاٹنا، مسواک کرنا، کمرے میں داخل ہونا یا باہر نکلنا، کپڑے جوتے پہننا اور اتارنا وغیرہ آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرتا ہوں؟ اسی طرح کے سیکڑوں سوال ہیں جو ہمیں اپنے آپ سے پوچھنے چاہییں اور ہمیں اپنی زندگی کے ایک ایک عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔ نچوڑ یہ ہے کہ کیا میری زندگی آپؐ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق گزر رہی ہے؟ جو کام آپ حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کر رہے ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جن کاموں میں حضور ﷺ کے احکامات کی تعمیل نہیں کر رہے ان پر سچی توبہ کریں اور فوری طور پر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ ایسا کرنے سے اگلے جہان میں تو آپ جنت کے حقدار ہوں گے (ان شاءاللہ) مگر اس کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی آپ اپنی زندگی میں فوری طور پر ایک واضح تبدیلی

دیکھیں گے، آپ کی عزت میں اضافہ ہو جائے گا، لوگ آپ سے محبت کرنے لگیں گے، آپ کے بگڑے ہوئے کام خود بخود سیدھے ہو جائیں گے اور آپ کے دل کو راحت، چین، خوشی اور سکون میسر ہو گا۔ آزما کر دیکھ لیں!

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا — کوئی مجھ سا نہ دوسرا ہوتا
سانس لیتا تو اور میں جی اُٹھتا — کاش مکّہ کی میں فضا ہوتا
ہِجرتوں میں پڑاؤ ہوتا میں — اور تو کچھ دیر کو رکا ہوتا
تیرے حُجرے کے آس پاس کہیں — میں کوئی کچا راستہ ہوتا
بیچ طائف بوقت سنگ زنی — تیرے لب پہ سجی دعا ہوتا
کسی غزوہ میں زخمی ہو کر میں — تیرے قدموں میں جا گرا ہوتا
کاش احد میں شریک ہو سکتا — اور باقی نا پھر بچا ہوتا
تیری کملی کا سوت کیوں نہ ہوا — تیرے شانوں پہ جھولتا ہوتا
چوب ہوتا میں تیری چوکھٹ کی — یا ترے ہاتھ کا عصا ہوتا
تیری پاکیزہ زندگی کا میں — کوئی گمنام واقعہ ہوتا
لفظ ہوتا کسی میں آیت کا — جو ترے ہونٹ سے ادا ہوتا
میں کوئی جنگجو عرب ہوتا — اور ترے سامنے جھکا ہوتا

میں بھی ہوتا تیرا غلام کوئی
لاکھ کہتا نہ میں رہا ہوتا

سوچتا ہوں جو تب جنم لیتا
جانے پھر کیا سے کیا ہوا ہوتا

چاند ہوتا ترے زمانے کا
پھر ترے حکم سے بٹا ہوتا

پانی ہوتا اداس چشموں کا
تیرے قدموں پہ بہہ گیا ہوتا

پودا ہوتا میں جلتے صحرا میں
اور تیرے ہاتھ سے لگا ہوتا

تیری صحبت مجھے ملی ہوتی
میں بھی تب کتنا خوش نما ہوتا

مجھ پہ پڑتی جو تیری چشم کرم
آدمی کیا میں معجزہ ہوتا

ٹکڑا ہوتا میں ایک بادل کا
اور ترے ساتھ گھومتا ہوتا

آسماں ہوتا عہد نبویؐ کا
تجھ کو حیرت سے دیکھتا ہوتا

خاک ہوتا میں تیری گلیوں کی
اور ترے پاؤں چومتا ہوتا

پیڑ ہوتا کھجور کا میں کوئی
جس کا پھل تو نے کھا لیا ہوتا

بچّہ ہوتا غریب بیوہ کا
سر تری گود میں چھپا ہوتا

رستہ ہوتا ترے گزرنے کا
اور ترا رستہ دیکھتا ہوتا

بت ہی ہوتا میں خانہ کعبہ میں
جو تیرے ہاتھ سے فنا ہوتا

مجھ کو خالق بناتا غار حسن
اور میرا نام بھی حرا ہوتا

حضور ﷺ کے آبا و اجداد

حضور ﷺ کا تعلق قریش خاندان سے تھا۔ اس خاندان کی نہ صرف پورے عرب میں بہت عزت تھی بلکہ باقی ملکوں میں بھی اس خاندان کو خاص مراعات حاصل تھیں۔ حضور ﷺ کے تمام آباو اجداد بے شمار اعلیٰ صفات اور خوبیوں کے مالک تھے۔ حضور ﷺ سے حضرت آدمؑ تک 80 پشتوں کا فاصلہ ہے۔ ان 80 پشتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ 21 پشتوں پر مشتمل ہے یعنی آپؐ سے لے کر حضرت عدنان تک۔ اس حصے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ قطعی طور پر درست ہے۔ اس کے بعد والی 59 پشتوں کے بارے میں اختلاف ہے لیکن ذیل میں مستند ترین ماخذ کو اختیار کیا جارہا ہے۔ حضور ﷺ کے والد گرامی کا نام حضرت عبد اللہؓ تھا، ان کے والد کا نام حضرت عبد المطلبؓ تھا۔ اسی طرح سے نسب نامہ درج کیا جارہا ہے اور ہر نام کے بعد "بِن" یا " وَلد" کے الفاظ نہیں لکھے جا رہے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔

1۔ عبد اللہؓ

2۔ عبد المطلبؓ

3۔ ہاشم

4۔ عبد مناف

5۔ قصّی

6۔ کلاب

7۔ مُرّہ

8۔ کعب

9۔ لُوَیؑ

10۔ غالب

11۔ فہر

12۔ مالک

13۔ نضر

14۔ کنانہ

15۔ خزیمہ

16۔ مدرکہ

17۔ الیاس

18۔ مضر

19۔ نزار

20۔ معد

21۔ عدنان

22۔ اُدو

23۔ ہمیسع

24۔ سلامان

25۔ عوص

26۔ بوز

27۔ قموال

28۔ اُبیؑ

29۔ عوّام

30۔ ناشد

31۔ حزا

32۔ بلداس

33۔ یدلاف

34۔ طانخ

35۔ جاحم

36۔ ناحش

37۔ ماخی

38۔ عیفی

39۔ عبقر

40۔ عبید

41۔ الدعا

42۔ حمدان

43۔ سنبر

44۔ یثربی

45۔ یحزن

46۔ یلحق

47۔ ارعوے

48۔ عیضی

49۔ ویشان

50۔ عیصر

51۔ اقناد

52۔ ایہام

53۔ مقصر

54۔ ناحش

55۔ زارح

56۔ سمی

57۔ مزّی

58۔ عوض

59۔ عَرام

60۔ قیدار

61۔ اسماعیل علیہ السلام

62۔ ابراہیم علیہ السلام

63۔ تارہ (آذر)

64۔ ناحور

65۔ سروج

66۔ رعو

67۔ فالج

68۔ عابر

69۔ ارفکشاد

70۔ سام

71۔ نوح علیہ السلام

72۔ لامک

73۔ متوشائح

74۔ اخنون ادریس علیہ السلام

75۔ یارو

76۔ ملہل ایل

77۔ قینان

78۔ آنوش

79۔ شیث علیہ السلام

80۔ آدم علیہ السلام

درج بالا ہستیوں میں سے چند ایک کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:۔

❖ حضرت عبد المطلبؓ (سیریل نمبر 2)

پیدائش کے وقت آپ کے سر میں چند بال سفید تھے۔ اسی نسبت سے آپ کا نام شیبہ (بوڑھا) رکھا گیا۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا آپ یتیم پیدا ہوئے۔ آپ کی پرورش آپ کے چچا نے کی جن کا نام مُطلِب تھا انہی کی نسبت سے آپ کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔ آپ نے آب زم زم کا کنواں دوبارہ کھود کر چلایا جو سیکڑوں سال سے بند پڑا ہوا تھا۔ آپ نے حضور ﷺ کی پرورش فرمائی۔ یمن کے حکمران ابرہہ نے جب خانہ کعبہ پر حملہ کیا اس وقت آپ کی ابرہہ سے ملاقات اور مکالمہ بھی بہت مشہور واقعہ ہے۔

- ہاشم(سیریل نمبر3)

آپ کا اصل نام عمرو یا عمر تھا لیکن آپ ہاشم کے نام سے اس لیے مشہور ہو گئے کیونکہ آپ بہت مالدار اور سخی تھے اور آپ لوگوں کی کثیر تعداد کو شوربے میں روٹیاں ملا کر کھلاتے تھے۔ہاشم کا مطلب ہے روٹیاں توڑ کر شوربے میں ملانے والا۔انہی کی نسبت سے حضور ﷺ کا خاندان ہاشمی کہلاتا ہے۔

- قصّی(سیریل نمبر5)

آپ نے کعبہ کی تولیت ابو غبشان سے خریدی تھی ۔انھوں نے ہی مکہ میں دارالندوہ قائم کیا تھا۔یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا نیز حاجیوں کو آب زم زم پلانے کا بندوبست بھی کیا۔

- کلاب(سیریل نمبر6)

آپ کا اصل نام حکیم تھا۔یہ کتوں سے شکار کھیلتے تھے اس لیے ان کا لقب کلاب پڑ گیا۔عربی میں کلب کہتے ہیں کتے کو،کلب کی جمع کلاب ہے۔یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سونے سے آراستہ دو تلواریں خانہ کعبہ کے اندر رکھیں۔

- مُرّہ(سیریل نمبر7)

آپ پر حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کا شجرہ مل جاتا ہے۔

- کعب(سیریل نمبر8)

آپ پر حضور ﷺ اور حضرت عمرؓ کا شجرہ مل جاتا ہے۔

- فہر(سیریل نمبر11)

آپ کا لقب قریش تھا۔انہی کی وجہ سے آپ کی نسل قریشی کہلائی۔قریش کا معنی ہے طاقتور۔

❖ الیاس (سیریل نمبر 17)

آپ کا قول ہے "جو خیر کو بوتا ہے وہ خوشی کی فصل حاصل کرتا ہے اور جو برائی کو بوتا ہے وہ شرمندگی کی فصل کاٹتا ہے"۔

❖ مضر (سیریل نمبر 18)

آپ کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ حدی خانی (اونٹ کو تیز دوڑانے کے لیے جو سُر اور گیت گائے جاتے ہیں) کی ابتدا آپ نے ہی کی۔

❖ معد (سیریل نمبر 20)

آپ پہلوان اور بہت بڑے جنگجو تھے۔

❖ عدنان (سیریل نمبر 21)

آپ عربوں کے بڑے سردار تھے۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے خانہ کعبہ کو چمڑے کا غلاف پہنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین

والد: حضرت عبد اللہؓ

حضرت عبد اللہؓ کے 9 بھائی (یعنی حضرت عبد اللہؓ سمیت کل 10 بھائی تھے) اور 6 بہنیں تھیں۔ آپؓ بہت زیادہ خوبصورت تھے۔ اسی وجہ سے کئی عورتوں نے آپؓ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی گویا اس معاملے میں حضرت عبد اللہؓ کو بھی ایسے ہی امتحان کا سامنا کرنا پڑا جیسے حضرت یوسفؑ کو۔ حضرت عبد اللہؓ نے ہر ایسی پیشکش ٹھکرا دی اور فرمایا۔ "حرام سے تو موت بہتر ہے"۔ آپؓ انتہائی پاکباز، رحم دل اور دانا تھے۔ آپؓ خالص توحید پر

ایمان رکھتے تھے۔ آپؓ کی شادی حضرت آمنہؓ سے ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ شادی کے بعد تین دن حضرت آمنہؓ کے گھر رہے کیونکہ اس وقت عرب میں یہی رواج تھا کہ شادی کے بعد دلہا کچھ دن دلہن کے گھر قیام کرتا تھا۔ تین دن کے بعد حضرت آمنہؓ اپنے خاوند کے گھر آگئیں۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی آپؓ کو تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانا پڑا۔ واپسی پر آپؓ بیمار ہوگئے۔ یہ قافلہ جب مدینے کے قریب پہنچا تو آپؓ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور وہیں پر آپؓ کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 25 سال تھی۔ حضور ﷺ کی پیدائش حضرت عبداللہؓ کی وفات کے ایک ماہ بعد ہوئی۔

والدہ: حضرت آمنہؓ

حضرت آمنہؓ کا تعلق قبیلہ بنی زہرہ سے تھا۔ آپؓ کے والد کا نام وہب تھا۔ حضرت آمنہؓ نہایت خوبصورت، انتہائی نیک اور پاکیزہ خاتون تھیں۔ آپؓ بہت اچھی شاعرہ بھی تھیں۔ آپؓ نے اپنے خاوند حضرت عبداللہؓ کی وفات پر جو درد بھرے اشعار کہے وہ انسان کا کلیجہ چیر دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے آپؓ نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا۔ حضرت آمنہؓ کے خاندان کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ آپؓ کی چچا زاد بہن کا نام ہالہ بنت وہیب تھا اور ان سے آپؓ کے سسر یعنی حضرت عبدالمطلبؓ نے شادی کی تھی (حضرت حمزہؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے) گویا وہ آپؓ کی چچازاد بہن بھی تھیں اور ساس بھی۔

آپؓ خالص توحید پر ایمان رکھتی تھیں۔ آپؓ کو پہلے سے بشارتیں مل چکی تھیں کہ آپؓ کا بیٹا اللہ کا رسول ہے۔ ابواء کے مقام پر اپنے انتقال سے چند گھڑیاں پہلے آپؓ نے حضور ﷺ کو تاکید کی کہ وہ کسی بھی صورت بتوں کی پوجا نہ کریں کیونکہ انہیں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضور ﷺ کو وراثت میں کیا ملا؟

حضور ﷺ کو اپنے والدین سے درج ذیل ترکہ یا وراثت ملی:۔

- ایک گھر
- گھر کا کچھ سامان
- پانچ اونٹ
- چند بکریاں
- ایک لونڈی جس کا اصل نام برکت تھا لیکن یہ اُمّ ایمنؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ بچپن میں حضور ﷺ کو گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ جب آپؐ کی والدہ کا انتقال ابواء کے مقام پر ہوا تو اُمّ ایمنؓ ہی آپؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ آپؓ کی شادی حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث سے ہوئی اور حضرت اسامہؓ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حضور ﷺ کے چچا

حضرت عبد المطلبؓ کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے حضرت عبد اللہؓ آپؐ کے والد اور باقی 9 آپؐ کے چچا تھے۔ ان میں سے درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:۔

(1) حضرت حارث

یہ عبد المطلبؓ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کا آپؐ کی بعثت سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

(2) حضرت زبیر

یہ بہت انصاف پسند اور بہادر شخص تھے۔ مشہور معاہدہ حلف الفضول کرانے میں ان کا مرکزی کردار تھا۔ ان کا انتقال حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہو گیا تھا۔

(3) حضرت حمزہؓ

آپؓ حضور ﷺ پر ایمان لے کر آئے اور اسلام کی بہت خدمت کی۔ آپؓ بہت بہادر تھے۔ آپؓ نے جنگوں میں کفار کو زبردست نقصان پہنچایا۔ حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ انہیں "سید الشہدا یعنی شہیدوں کا سردار" کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کو آپؓ سے بے پناہ محبت تھی۔

(4) حضرت عباسؓ

انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپؓ کی اسلام کے لیے بے پناہ خدمات ہیں۔ آپؓ نے کافی عرصے تک اسلام کو چھپائے رکھا اور مکہ میں رہ کر وہاں کے کفار کی خبریں آپؐ کو بھیجتے رہے۔ غزوہ احد کی خبر بھی آپؓ نے حضور ﷺ کو بروقت بھجوائی تھی۔ اگر آپؓ یہ خبر نہ بھجواتے تو مسلمانوں کے لیے 3 ہزار کفار کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی حضرت عباسؓ کا کلیدی کردار تھا۔

جب مدینے کے لوگ عقبہ کے مقام پر آپؐ کے ساتھ ملاقات کر رہے تھے اس وقت تک حضرت عباس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے مدینے والوں کو تاکید کی کہ اگر وہ آپؐ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے تو ابھی بتا دیں۔ اس سے آپ کی حضور ﷺ کے ساتھ بے پناہ محبت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر دیکھیے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور ﷺ نے تمام سود ختم کر

دیے تو سب سے پہلے انہی چچا حضرت عباسؓ کا سود ختم کیا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے اُف تک نہ کی حالانکہ آپؓ بہت بڑے کاروباری آدمی تھے اور آپؓ کے سود کی رقم بھی یقیناً بہت زیادہ ہوئی ہوگی۔

(5) حضرت ابو طالب

آپ کا اصل نام عبد مناف تھا۔ ابو طالب آپ کی کنیت تھی۔ آپ کے گھر میں غربت تھی اس کے باوجود آپ اور آپ کی بیوی حضرت فاطمہؓ نے آپؐ کا خیال اپنی اولاد سے بڑھ کر کیا۔ آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال انتہائی مشکل قید کاٹی۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ نے اسلام قبول کیا یا نہیں؟ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ابو طالب ساری زندگی آپؐ کے سامنے ایک ڈھال بن کر رہے۔ آپ کی حضور ﷺ اور اسلام کے لیے اتنی زیادہ اور اتنی بڑی خدمات ہیں کہ ان کا پوری طرح سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(6) ابو لہب

اس نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ حضور ﷺ کی ہر موقع پر زبردست مخالفت کی یہاں تک کہ اس نے اور اس کی بیوی اُمّ جمیل نے آپؐ کو بہت زیادہ ذہنی اور جسمانی تکلیفیں پہنچائیں۔

حضور ﷺ کی پھوپھیاں

حضور ﷺ کی 6 پھوپھیاں تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:۔

(1) حضرت اَرْوٰیؓ۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔

(2) حضرت عاتِکہؓ۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ شاعرہ بھی تھیں۔

(3) اُمّ حکیم۔ یہ حضرت عثمان غنیؓ کی نانی تھیں۔ ان کا اصل نام بیضاء تھا۔

(4) اُمیمہ۔ آپ حضرت زینبؓ بنت جحش کی والدہ تھیں جو حضور ﷺ کی زوجہ تھیں گویا حضرت امیمہ حضور ﷺ کی پھوپھی کے علاوہ آپؐ کی ساس بھی تھیں۔

(5) حضرت بَرّہؓ۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے بیٹے حضرت ابو سبرہؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔ آپ حضرت اُمّ سلمہؓ کی والدہ تھیں جو بعد میں حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں گویا آپ حضور ﷺ کی پھوپھی کے علاوہ آپؐ کی ساس بھی تھیں۔

(6) حضرت صفیہؓ۔ آپؓ بہت بہادر تھیں۔ آپؓ نے ایک موقع پر ایک یہودی کو لکڑی مار مار کر قتل کر دیا تھا جس سے مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ رہے۔ آپؓ نے بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپؓ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور انہیں پانی پلاتیں۔ کچھ موقعوں پر آپؓ نے تلوار سے بھی لڑائی لڑی۔ آپؓ کا صبر بھی بہت مشہور ہے خصوصاً حضرت حمزہؓ کی شہادت کے وقت۔ آپؓ نے 73 سال کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ اسلام کے مشہور ہیرو حضرت زبیرؓ بن عوام آپؓ کے بیٹے تھے۔

حضور ﷺ کی اولاد

حضور ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں:۔

(1) حضرت زینبؓ۔ یہ آپؐ کی سب سے بڑی اولاد ہیں۔ آپؓ کا نکاح حضرت ابو العاصؓ سے ہوا تھا جو آپؓ کے خالہ زاد بھی تھے۔

(2) حضرت رقیہؓ۔ آپؓ کا نکاح حضور ﷺ کے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔

(3) حضرت اُمّ کلثومؓ۔ آپؓ کا نکاح ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا

حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ابولہب کی اسلام دشمنی کھل کر سامنے آگئی اور اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو کہہ کر آپؐ کی ان دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دلوادی۔ بعد میں حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔ آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ آپؓ کا انتقال صرف 21 سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ سے حضور ﷺ کی دوسری بیٹی حضرت اُمّ کلثومؓ کا نکاح کر دیا گیا۔ حضرت اُمّ کلثومؓ کا 9 ہجری میں انتقال ہوا۔ چونکہ حضور ﷺ کی دو بیٹیاں (حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ) ایک دوسرے کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ اسی لیے حضرت عثمان غنیؓ کو "ذوالنُّورین" (2 نوروں والا) کہتے ہیں۔

(4) حضرت فاطمہؓ۔ آپؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ آپؓ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی والدہ ہیں۔ آپؓ کا انتقال حضور ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوا۔

ایک بات پر غور فرمایئے کہ حضور ﷺ کے سب سے قریبی چار صحابہؓ تھے یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے خود نکاح کیا جبکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اپنی بیٹیاں نکاح میں دیں۔ یوں یہ سارے حضرات ایک دوسرے کے قریبی رشتے دار بھی تھے۔

حضور ﷺ کے بیٹوں کے بارے میں اختلاف ہے لیکن مستند یہ ہے کہ آپؐ کے تین بیٹے تھے:۔

(1)۔ حضرت قاسمؓ۔ آپؓ حضور ﷺ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپؓ کی عمر ابھی

چند ماہ ہی ہوئی تھی کہ آپؓ کا انتقال ہو گیا۔

(2)۔ حضرت عبد اللہؓ۔ ان کا لقب طاہر بھی تھا اور طیب بھی۔ آپؓ کا انتقال بھی بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔

درج بالا چاروں بیٹیاں اور دونوں بیٹے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(3)۔ حضرت ابراہیمؓ بھی آپؐ کے بیٹے تھے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

آپؐ کے تینوں بیٹے صرف چند ماہ ہی زندہ رہے۔ اس پر کافروں نے خوب خوشیاں منائیں اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو طعنے بھی دیے کہ آپؐ کی تو نسل ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ الکوثر نازل فرمائی جس میں فرمایا کہ آپؐ کا دشمن ہی دراصل "ابتر" ہے یعنی اس کا نام و نشان تک نہیں ہو گا۔

قرآن مجید کے بارے میں دلچسپ معلومات

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے لیکن ان سب پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابیں نازل نہیں فرمائیں۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ کل آسمانی کتابیں چار ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے۔ دراصل 315 نبی ایسے تھے جو صاحب کتاب تھے۔ ان میں سے بعض پر چھوٹی کتابیں نازل ہوئیں جنہیں صحیفہ کہا جاتا ہے (جیسے ہم چھوٹی کتاب کو قاعدہ کہتے ہیں لیکن ہے تو وہ کتاب ہی)۔ چار انبیائے کرامؑ پر چار بڑی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں (تورات، زبور، انجیل، قرآن مجید)۔ ان میں سے جو آسمانی کتاب ہمارے رسول حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوئی اس کا نام قرآن مجید ہے۔ ذیل میں قرآن مجید سے متعلق چند دلچسپ معلومات درج کی جا رہی ہیں تا کہ قارئین کی قرآن مجید میں مزید دلچسپی پیدا ہو۔

- قرآن مجید کے کل 30 پارے ہیں۔
- قرآن مجید کی کل سورتیں 114 ہیں۔
- قرآن مجید کی کل 7 منزلیں ہیں۔
- قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد 6236 ہے۔ یہ تعداد اس بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کے بغیر ہے جو ہر سورۃ کے شروع میں درج ہے۔ اگر اس بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کو بھی ایک آیت شمار کیا جائے تو پھر قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد 6349 (113+6236) بنتی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد 6666 ہے یہ درست نہیں ہے ۔
- قرآن مجید میں کل 558 رکوع ہیں۔
- قرآن مجید کی ہر سورۃ کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ درج ہے۔ صرف ایک سورۃ ایسی ہے جس کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ درج نہیں ہے۔ اس سورۃ کا نام "توبہ" ہے۔ یہ قرآن پاک کے دسویں پارے میں ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا نام "بَرَآءَۃ" ہے۔ اس سورۃ کا پہلا لفظ بھی یہی ہے یعنی بَرَآءَۃ۔
- قرآن مجید کی ایک سورۃ ایسی ہے جس کے شروع میں باقی سورتوں کی طرح بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ درج ہے جبکہ اس سورۃ کے اندر بھی پوری بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ درج ہے۔ اس سورۃ کا نام "نَمل" ہے جو پارہ نمبر 19 میں ہے ۔ النَّمل کا معنی چیونٹی (Ant) ہے۔
- قرآن پاک کی سب سے لمبی سورۃ کا نام "البَقَرَہ" ہے۔ یہ قرآن پاک کی

دوسری سورۂ ہے۔اس کی کل آیات 286 ہیں۔یہ تقریباًاڑھائی پاروں پر مشتمل ہے۔اس سورۂ کے 40 رکوع ہیں۔البَقَرَة کا معنی گائے (Cow) ہے۔

- سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 255 کو آیت الکرسی کہتے ہیں اور یہ تیسرے پارے میں ہے۔
- قرآن مجید کی ایک سورۂ کانام المائدہ ہے جس کا معنی ہے دسترخوان(Table)
- قرآن پاک کی سب سے مختصر سورۂ "الکوثر" ہے۔یہ تیسویں(30)پارے میں ہے۔اس کی کل تین آیات ہیں۔
- قرآن پاک کی پہلی سورۂ کانام"الفَاتِحَه" ہے مگر یہ کسی بھی پارے میں شامل نہیں ہے۔اس سورۂ کی سات آیات ہیں۔اس سورۂ کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر آپ مختلف قرآن پاک سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بعض قرآن پاک میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کو آیت نمبر ایک شمار کیا گیا ہے اور کچھ قرآن پاک میں نہیں البتہ یہ بات قطعی ہے کہ قرآن مجید کے تمام نسخوں میں اس سورۂ کی کل آیات سات ہی بنتی ہیں اور ترجمہ بھی ایک جیسا ہے۔
- پہلے 29 پاروں میں سورتوں کی تعداد 77 ہے جبکہ صرف تیسویں پارے میں 37 سورتیں ہیں۔
- پہلے پارے میں سورۂ البقرہ کی 141- آیات ہیں۔
- سورۂ الرحمٰن پارہ نمبر 27 میں ہے۔اس کی کل آیات 78 ہیں۔اس سورۂ میں 31 دفعہ یہ آیت آئی ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ ترجمہ"تو (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

- سورۂ یٰسٓ پارہ نمبر 22 اور 23 میں ہے۔ اس کی کل آیات 83 ہیں۔
- قرآن پاک کی پہلی وحی سورۂ العَلَق کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ اس سورۂ کی کل 19- آیات ہیں۔ یہ مکی سورۂ ہے اور 30 ویں پارے میں ہے۔ اس سورۂ کی آخری آیت کے اختتام پر سجدہ تلاوت ہے۔
- قرآن پاک کی مکی سورتوں کی تعداد 86 ہے جبکہ مدنی سورتوں کی تعداد 28 ہے۔
- قرآن پاک "اللہ" کے نام یعنی بسم اللہ سے شروع ہوتا ہے اور "انسانوں" یعنی وَالنّاس پر ختم ہوتا ہے۔
- قرآن پاک کی چوتھی سورۂ "النِّسَاء" ہے جس کا معنی ہے "عورتیں"۔
- قرآن پاک کی ایک سورۂ کا نام مریم ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی والدہ تھیں۔
- قرآن پاک میں ایک شہر کے نام کی سورۂ ہے جس کا نام ہے "الرُّوم"۔ روم اٹلی کا دارالحکومت ہے۔ اٹلی برّاعظم یورپ میں ہے۔
- قرآن پاک میں سورۂ "الفِیل" ہے۔ فِیل کا معنی ہے "ہاتھی" (Elephant)۔
- قرآن پاک میں سورۂ "الحدید" ہے جس کا معنی ہے "لوہا" (Iron)۔
- قرآن پاک کی ایک سورۂ کا نام "التِّین" ہے۔ التّین کا معنی ہے "انجیر" (Fig)۔
- قرآن پاک کی ایک سورۂ "النَّحل" ہے جس کا معنی ہے شہد کی مکھی (Honeybee)۔
- قرآن پاک کی ایک سورۂ "العَنکَبُوت" ہے جس کا معنی ہے "مکڑی" (Spider)

- قرآن پاک میں مختلف انبیائے کرام کے ناموں پر سورتیں ہیں مثلاً سورۂ محمدﷺ، سورۂ ابراہیمؑ، سورۂ نوحؑ، سورۂ ہودؑ، سورۂ یونسؑ، سورۂ یوسفؑ، سورۂ لقمان (حضرت لقمان کے بارے میں ایک گروہ کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے نبی تھے جبکہ دوسرا گروہ انہیں نبی نہیں مانتا بلکہ انہیں ایک انتہائی نیک اور دانشمند انسان کے طور پر مانتا ہے)۔ قرآن پاک میں ایک سورۂ کا نام "الانبِیَا" بھی ہے۔

حدیث یا سنت

ہر مسلمان کے سامنے ایک بنیادی سوال یہ ہے کہ اب حضور ﷺ اس دنیا میں نہیں ہیں تو ہم کہاں سے رہنمائی حاصل کریں؟ اس کا جواب ہے کہ قرآن مجید سے۔ اگلا سوال یہ ہے کہ کیا ہماری رہنمائی کے لیے صرف قرآن مجید کافی ہے؟ اس کا جواب ہے "ہر گز نہیں"۔ گویا ہماری رہنمائی کے لیے قرآن اور حدیث دونوں لازمی ہیں۔ یہ بات اس لیے لکھی جا رہی ہے کہ ایک فتنہ بہت پرانا ہے اور وہ ہے منکرین حدیث[1] کا فتنہ۔ ان منکرین کا یہ کہنا ہے کہ ہدایت اور رہنمائی کے لیے اکیلا قرآن ہی کافی ہے۔

ان کی یہ بات اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے اور قرآن مجید میں سیکڑوں مرتبہ نماز کا حکم آیا ہے مگر کس نماز کی کتنی رکعتیں ہیں؟ یہ قرآن مجید میں نہیں لکھا ہوا ہے۔ نماز کے بارے میں باقی تفصیلی

---

(1) برصغیر کے مشہور منکرین حدیث میں غلام احمد پرویز (پرویزی فرقہ کے بانی)، عبداللہ چکڑالوی اور اسلم جیراج پوری کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ اب یہ تینوں بدبخت مر چکے ہیں۔ غلام احمد پرویز 1985ء میں مر گیا تھا مگر اس کی کافی وڈیوز سوشل میڈیا پر اب بھی موجود ہیں اس لیے ان منکرین حدیث کو جاننا، پہچاننا اور ان سے بچنا از حد ضروری ہے۔

احکام بھی قرآن پاک میں درج نہیں ہیں۔ تو پھر ان چیزوں کے بارے میں کہاں سے رہنمائی حاصل کی جائے؟ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں حدیث سے مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا۔ "نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔ مقصد یہ کہ حدیث کے بغیر اسلام کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے اور حدیث کے بغیر اسلام ادھورا ہے۔

دراصل قرآن اور حدیث دونوں ہمیں ایک ہی ہستی یعنی حضرت محمد ﷺ نے بتائے۔ یہ الفاظ ایک ہی زبان سے ادا ہوئے اور ان کے بارے میں آپؐ نے ہی ہمیں بتایا کہ یہ اللہ کے الفاظ ہیں لہٰذا انہیں قرآن مجید میں لکھ دیا جائے اور یہ میرے (حضور ﷺ کے) الفاظ ہیں لہٰذا یہ قرآن نہیں ہے بلکہ حدیث ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر بتا دی کہ حضور ﷺ اپنی مرضی سے ایک لفظ بھی نہیں ادا فرماتے اور نہ ہی وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کرتے ہیں بلکہ ان کا ہر لفظ اور ہر عمل صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ النّجم کی آیت نمبر 3 اور 4 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور نہ (رسولؐ) اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو (آپؐ پر) نازل کی جاتی ہے"۔ لہٰذا یہاں تک یہ بات کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام نامکمل ہے اور ہمارے لیے قرآن و حدیث دونوں پر عمل کرنا لازمی ہے۔

کیا سنت اور حدیث کے ایک ہی معنی ہیں؟ جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے یا یہ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ سنت اور حدیث اصطلاحی لحاظ سے ہم معنی ہیں یعنی یہ ایک ہی چیز ہیں۔ آپؐ کی حدیثوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:۔

(1) **قولی** (حدیث)۔ ایسی حدیث جس میں حضور ﷺ کا کوئی قول بیان کیا گیا ہو یعنی حضور ﷺ کے ارشادات۔

(2) **فعلی** (حدیث)۔ ایسی حدیث جس میں حضور ﷺ کے افعال شامل ہوں یعنی وہ کام جو حضور ﷺ نے خود انجام دیے۔

(3) **تقریری** (حدیث)۔ وہ کام جو کسی نے حضور ﷺ کے سامنے کیا یا حضور ﷺ کے علم میں آیا کہ فلاں شخص نے فلاں کام کیا ہے مگر آپؐ نے اس کام سے منع نہیں فرمایا۔ گویا وہ کام جائز تھا کیونکہ اگر کوئی بھی غلط یا ناجائز کام آپؐ کے سامنے کیا جاتا یا آپؐ کے علم میں آتا تو آپؐ اس سے لازمی منع فرماتے لہٰذا جب آپؐ نے منع نہیں فرمایا تو وہ کام یقینی طور پر جائز اور حلال تھا۔ تقریری حدیث میں ایسے کاموں کا ہی ذکر کیا ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں ہی صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی حدیثیں لکھنا شروع کر دی تھیں مثلاً حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص نے 1000 حدیثیں ایک کتاب میں جمع کی تھیں۔ اس کتاب کا نام ''الصادقہ'' تھا۔ صحابہ کرامؓ کو حدیثیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ نے صرف ایک حدیث معلوم کرنے کے لیے شام کا سفر کیا جس میں انہیں ایک مہینہ لگ گیا اور آپ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں جہاز، ریل گاڑی یا بس وغیرہ تو نہیں تھے اس لیے سفر کرنا انتہائی دشوار، مہنگا اور خطرات سے بھرپور ہوتا تھا۔

حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں مگر ان میں سے چھ کتابیں بہت مشہور ہیں۔ ان کو صحاح ستہ ① کہتے ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں:۔

صحیح بخاری حدیث کی یہ سب سے مستند اور مشہور کتاب ہے۔ اس کتاب کے مؤلف امام بخاریؒ ہیں۔ آپ کا اصل نام محمد تھا۔ آپ 810ء میں ازبکستان کے شہر بخارا میں

---

① عربی میں ستہ کے معنی ہیں چھ

پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے بخاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہیں یہ کتاب لکھنے میں 16 سال لگے۔ امام بخاریؒ بچپن میں نابینا تھے۔ پھر اپنی والدہ کی دعا سے ان کی نظر ٹھیک ہو گئی۔ آپ کا انتقال 870ء میں ہوا۔

صحیح مسلم حدیث کی یہ کتاب امام مسلمؒ نے تالیف کی۔ آپ ایران کے شہر نیشاپور میں 820ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے امام بخاریؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ یہ کتاب انہوں نے 15 سال میں مکمل کی۔ آپ کا انتقال 875ء میں ہوا۔

سنن نسائی حدیث کی اس کتاب کے مؤلف امام احمدؒ ہیں۔ آپ ترکمانستان کے شہر نساء میں 830ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے نسائی کہلائے۔ آپ کا انتقال 915ء میں ہوا۔

سنن ابی داؤد حدیث کی اس کتاب کے مؤلف ابو داؤد السجستانیؒ ہیں۔ آپ ایران کے شہر سیستان جس کا پرانا نام سجستان (Sajistan) تھا میں 817ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا انتقال 889ء میں ہوا۔

جامع ترمذی حدیث کی اس کتاب کے مؤلف امام محمدؒ ہیں۔ آپ ازبکستان کے شہر ترمذ میں 824ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے ترمذی کہلائے۔ آپ نے حضرت امام بخاریؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ آپ کا انتقال 892ء میں ہوا۔

سنن ابن ماجہ حدیث کی اس کتاب کے مؤلف کا نام امام محمدؒ ہے۔ آپ ایران کے شہر قزوین میں 824ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا انتقال 887ء میں ہوا۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ درج بالا چھ حضرات کہاں پیدا ہوئے؟

امام محمدؒ	(صحیح بخاری)	ازبکستان
امام مسلمؒ	(صحیح مسلم)	ایران
امام احمدؒ	(سنن نسائی)	ترکمانستان
امام ابوداؤدؒ	(سنن ابی داؤد)	ایران
امام محمدؒ	(جامع ترمذی)	ازبکستان
امام محمدؒ	(سنن ابن ماجہ)	ایران

یہ نام اور ملک جان بوجھ کر دوبارہ تحریر کیے جارہے ہیں تاکہ ایک باریک نکتے کی وضاحت کی جاسکے۔ یہ سارے حضرات نہ تو صحابی ہیں اور نہ ہی مکہ/مدینہ میں پیدا ہوئے حتٰی کہ یہ کسی عرب ملک میں بھی پیدا نہیں ہوئے مگر انہوں نے حدیث کی چھ مستند ترین اور مشہور ترین کتابیں تالیف کر دیں۔ ذرا سوچیں! یہ کیسے ہو گیا؟ اس کے پیچھے ان حضرات کا حضور ﷺ سے سچا عشق، خالص نیت اور بھرپور محنت تھی۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم بھی حضور ﷺ سے سچا عشق کریں اور اپنی زندگی میں کوئی بڑا مقصد طے کر لیں تو اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ اس پر ضرور غور فرمایئے گا اور آج سے اپنی زندگی میں اسلام کے لیے ''کچھ بڑا'' کرنے کا فیصلہ کر لیجیے گا۔ اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے آپ کے مقصد کو پورا فرمائے گا۔ (اِن شاءاللہ)

میں سمجھتا ہوں کہ روایتی (Routine) زندگی تو ایک جانور بھی گزارتا ہے وہ چھوٹا ہوتا ہے، کھاتا پیتا ہے، بڑا ہو جاتا ہے، بچے پیدا کرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم میں سے زیادہ تر لوگ بھی ایسی ہی زندگی گزار کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی تو بڑا فیصلہ کریں، کسی چیز کو تو زندگی کا مشن بنالیں، کچھ تو اگلے جہان لے کر جائیں۔ اب ایک سوال آپ کے ذہن میں آسکتا ہے اور وہ یہ کہ کسی بڑے کام کے لیے تو بہت زیادہ وسائل درکار ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر آپ پڑھے لکھے ہیں تو کچھ غریب بچوں کو پڑھا دیں، اگر

آپ کو کوئی ہنر آتا ہے تو دوسروں کو سکھا دیں۔ آہستہ آہستہ لوگ آپ کے ساتھ جڑتے جائیں گے اور آپ کا یہ کام ایک ادارے کی شکل اختیار کر لے گا۔ ایک شخص نے خیراتی کام ایک کمرے میں بہت چھوٹے پیمانے پر شروع کیا اور چند سالوں میں وہ دنیا کا بہت بڑا خیراتی ادارہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وسائل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو ہمارے خلوص میں ہے۔ اگر آج آپ نے کوئی بڑا کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ واقعی خوش قسمت ترین انسان ہیں۔

علم کی فرضیت

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''میں معلم (استاد) بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ قرآن مجید کی پہلی وحی ''اقراء'' (پڑھ) سے شروع ہوئی۔ اس لیے اسلام نے مردوں اور عورتوں پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ ہاں اس علم کی سطح الگ الگ ہو گی مثلاً مفتی کے برابر علم کا تقاضا ہر مسلمان سے نہیں کیا گیا البتہ جو علم کسی کے لیے ضروری ہے اس کے لیے وہ علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً امیر آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض ہیں لہٰذا اس کے لیے زکوٰۃ اور حج کے احکام اور مسائل سیکھنا بھی فرض ہیں جبکہ غریب آدمی پر زکوۃ اور حج کے احکام اور مسائل سیکھنا فرض نہیں ہیں کیونکہ اس پر نہ تو حج کرنا فرض ہے اور نہ ہی زکوۃ دینا۔ ہاں! اگر وہ اپنے شوق سے یہ علم حاصل کر لے تو ثواب کا کام ہے۔ درج بالا سطور سے یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ طہارت، غسل، وضو، نماز، روزہ، حقوق و فرائض اور حلال و حرام وغیرہ کا علم حاصل کرنا ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے کیونکہ ان امور سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے۔

اگلے جہان اس بات پر کسی کی معافی نہیں ہو گی کہ مجھے علم نہیں تھا کہ اس بارے میں اسلام کا کیا حکم تھا؟ ہمارے قانون میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر آپ کو قانون کا

علم نہیں تو یہ آپ کی غلطی ہے اور اس بنیاد پر آپ کے جرم کو معاف نہیں کیا جا سکتا (Ignorance of law is no excuse)۔اس لیے ہم آج سے ہی اسلام کا ضروری علم سیکھنا شروع کر دیں۔ آج کل تو اس کی بہت سہولت ہے کہ تحریریں، آڈیو، وڈیو سب کچھ سوشل میڈیا پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ کتابیں بھی ہیں اور عالم دین بھی۔

امیر لوگوں کے لیے دین سیکھنے کا ایک زبردست اور قابل عمل طریقہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس وقت کی قلت ہوتی ہے اور ان کے لیے کسی کلاس میں جا کر یا کوئی مخصوص وقت نکال کر دین کا علم حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ کسی اچھے عالم دین کو ملازمت پر رکھ لیں اور انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں۔ دفتر میں، سفر میں، ہر جگہ۔ جیسے ہی چند منٹ ملیں ان سے دین کا علم سیکھیں۔ سفر میں کافی وقت مل جاتا ہے۔ اس طرح سے ان کے معمولات زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن تھوڑے عرصے بعد وہ اچھے خاصے عالم بن جائیں گے۔ اس کا ایک اور بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ علمائے کرام کو بہتر روزگار ملنا شروع ہو جائے گا۔ آپ سے یہ بھی درخواست ہے کہ ان عالم کا جو آپ کے پاس ملازم ہوں باقی ملازمین سے زیادہ خیال رکھا جائے اور ان کی بے حد عزت و تکریم کی جائے کیونکہ وہ عالم دین بھی ہیں اور آپ کے استاد بھی۔ کچھ دوستوں نے میرے اسی فارمولے پر عمل کیا۔ آج وہ ماشاء اللہ خود عالم دین ہیں۔

اسلام کی تعلیمات

اللہ تعالیٰ کے احکام، حضور ﷺ کے احکام اور اسلام کے احکام دراصل ایک ہی ہیں۔ ذیل میں چند احکام کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جنہیں کرنے کا حکم ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ اور دوسرے وہ جن سے باز رہنے کا

حکم دیا گیا ہے مثلاً حرام کی کمائی، ملاوٹ، چوری، جھوٹ، ریاکاری وغیرہ۔ یہ اسلام کے احکامات کی مکمل لسٹ نہیں ہے بس یہ چند مثالیں ہیں۔ اسلامی احکام کی مکمل لسٹ بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ جو بھی کام کریں اس کے بارے میں معلوم کرلیں کہ وہ کام اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس طرح سے آپ کو اپنی اصلاح کرنا آسان ہو جائے گی۔

100 شہیدوں کے برابر ثواب

بدقسمتی سے آج کل ہم میں سے اکثر فرائض کی پروا نہیں کرتے تو سنتوں کی پابندی کا کیا تذکرہ کریں۔ حدیث کے مطابق حضور ﷺ کی ایک سنت کو زندہ کرنے کا ثواب 100 شہیدوں کے برابر ہے۔ زندہ کرنے کا مطلب ہے کہ جب لوگ سنت کو بھول چکے ہوں اور اس پر عمل کرنا چھوڑ چکے ہوں، اُس وقت جو انسان خود بھی سنت پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔ سنتوں پر عمل کرنا از حد آسان ہے۔ شروع کے کچھ دنوں تک آپ کو اپنے آپ کو بار بار یاد دہانی کرانی پڑے گی۔ بعد میں یہ سنتیں آپ کی عادتیں بن جائیں گی اور آپ خود بخود سنت کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دیں گے۔ ویسے تو سنتوں کی طویل فہرست ہے لیکن ذیل میں مثال کے طور پر چند سنتیں درج کی جارہی ہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں سنتوں کا مکمل علم حاصل کریں۔ ان پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

پانی پینے کی 6 سنتیں

1. بیٹھ کر پینا
2. گلاس یا پیالہ دائیں ہاتھ میں پکڑنا

3. یہ دیکھنا کہ پانی صاف ہے، اس میں کوئی گندگی وغیرہ تو نہیں
4. بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ پڑھ کر پانی پینا
5. پانی پینے کے دوران برتن سے باہر کم از کم تین سانس لینا
6. پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہنا (یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا)

ہمیں چاہیے کہ کُولر وغیرہ کے ساتھ ہی پانی پینے کی سنتیں لکھ کر آویزاں کر دیں اور بیٹھنے کے لیے بھی کوئی سٹول یا کرسی رکھ دیں۔ اس طرح جتنے لوگ سنت کے مطابق پانی پیئں گے ان کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ثواب ہمیں بھی ملے گا (اِن شاءاللہ)۔ مجبوری کے تحت اگر کھڑے ہو کر بھی پانی پی لیا جائے تو جائز ہے۔

کھانا کھانے کا سنت طریقہ

1. کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا اور تولیے یا ٹشو وغیرہ سے صاف نہ کرنا
2. جوتے اتار کر کھانا
3. کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ پڑھنا
4. دائیں ہاتھ سے کھانا (کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے)۔
5. اپنے سامنے والی طرف سے کھانا
6. تین انگلیوں سے کھانا
7. اگر لقمہ گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالینا
8. زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا

9. کم کھانا یعنی کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا بند کر دینا
10. اگر ایک ہی برتن کے اندر اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو دوسروں کا خیال رکھنا

داخل اور خارج ہونے کا سنت طریقہ

1. جب بھی آپ کسی کمرے، مسجد یا عمارت میں داخل ہوں تو پہلے دایاں پاؤں اندر رکھنا ہے۔
2. کسی کمرے وغیرہ سے نکلتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھنا ہے۔
3. جب جوتے پہنیں تو پہلے دائیں پاؤں کا جوتا پہننا ہے۔
4. جوتا اتارتے ہوئے پہلے بائیں پاؤں کا جوتا اتارنا ہے۔
5. شلوار، قمیض، بنیان، پاجامہ، پینٹ وغیرہ پہنتے ہوئے پہلے دائیں ٹانگ یا بازو پر پہنیں۔
6. شلوار، قمیض، بنیان، پاجامہ، پینٹ وغیرہ اتارتے ہوئے پہلے بائیں ٹانگ یا بازو سے اتاریں۔
7. باتھ روم میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھنا ہے۔
8. باتھ روم سے نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر رکھنا ہے۔

اسے یاد کرنے کا بہت آسان طریقہ ہے۔ جب آپ نے کسی چیز میں داخل ہونا ہے (جیسے آپ مسجد یا کمرے وغیرہ میں داخل ہوتے ہیں) یا کسی چیز نے آپ میں داخل ہونا ہے (جیسے آپ شلوار، قمیض، جرابیں وغیرہ پہنتے ہیں) تو پہلے دایاں ہو گا اور خارج یا آوٹ

ہوتے ہوئے اس کا الٹ یعنی بایاں۔ اگر آپ صرف دو لفظ یاد کر لیں ''داخل = دایاں'' تو بھی کافی ہے کیونکہ اگر داخل دایاں ہے تو خارج لازمی بایاں ہی ہو گا۔ جب یہ اچھی طرح یاد ہو جائے تو باتھ روم میں یہ ترتیب الٹ ہو جائے گی۔

سلام کا سنت طریقہ

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''لوگو! آپس میں سلام کو پھیلاؤ''۔ گویا ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر کسی کو سلام کیا جائے۔ آج کل بد قسمتی سے عموماً صرف جاننے والوں کو سلام کیا جاتا ہے جبکہ انجان لوگوں کو سلام نہیں کیا جاتا۔ یہ طریقہ اسلام کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''سب کو سلام کرو (خواہ) تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے''۔

سلام کے سلسلے میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں:۔

- سلام کرنے کے لیے صحیح الفاظ ہیں۔ '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ '' جس کے معنی ہیں ''آپ پر سلامتی ہو''۔ اس کا صحیح جواب ہے۔ ''وَعَلَيْكُمُ السَّلَام'' جس کے معنی ہیں ''آپ پر بھی سلامتی ہو''۔ کچھ لوگوں نے سلام کے ایسے الفاظ ایجاد کر لیے ہیں جن کے معنی انتہائی برے ہیں،۔ مثال کے طور پر:۔
- سام علیکم۔ تم برباد ہو
- اسام علیکم۔ تم کو موت آئے (بعض یہودی حضور ﷺ کو اپنے بغض اور اپنی کمینگی کی وجہ سے ان الفاظ میں سلام کرتے تھے)۔
- سلا لیکم۔ تم پر لعنت ہو
- اسا علکم۔ تم خوشی کو ترسو
- سلاں لیکم

- ساماں لیکم

سلام کرنے کے یہ سب طریقے اسلام کے خلاف ہیں۔

- ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب کوئی سلام کہے تو ہم اس سے بہتر الفاظ میں اسے جواب دیں مثلاً اگر کوئی کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ۔ تو ہم اسے کہیں وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللہ اور اگر کوئی شخص کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہ، تو ہم اس میں اضافہ کر کے اسے یوں جواب دیں۔ وَعَلَیْکُمُ السَّلَا مُ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ یہ حکم سورۃ النساء کی آیت نمبر 86 میں آیا ہے۔ "اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر سلام کرو یا انہی الفاظ سے جواب دو"۔ گویا بہتر الفاظ میں جواب دینا فرض نہیں ہے لیکن اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ۔ آپؐ نے فرمایا اس کو 10 نیکیاں ملیں۔ دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا۔ اَلسَّلَا مُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کو 20 نیکیاں ملیں۔ تیسرا آدمی آیا اور اس نے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کو 30 نیکیاں ملیں۔
- جب اپنے گھر میں داخل ہوں تو اپنے گھر والوں کو بھی سلام کریں۔ سورۃ نور کی آیت نمبر 61 میں ارشاد ہے۔ "جب گھروں میں داخل ہوں تو اپنوں کو سلام کر لیا کرو"۔
- کسی محفل سے رخصت ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو سلام کریں۔ ہم اکثر محفل میں آتے ہوئے تو سلام کرتے ہیں لیکن محفل سے جاتے ہوئے سلام نہیں کرتے۔ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔
- چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

- پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے (شخص یا لوگوں) کو سلام کرے۔
- چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے مثلاً اگر ہم چار لوگ جا رہے ہیں اور سامنے سے دس لوگ آ رہے ہیں تو ہم چھوٹی جماعت ہیں لہٰذا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو سلام کریں۔
- سوار کو حکم ہے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔
- سلام کرنا سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے یعنی لازمی ہے۔
- اگر ایک دفعہ ملاقات کے بعد ایک شخص وہاں سے اتنی دور چلا گیا کہ ان کے درمیان میں کوئی دیوار، درخت یا پتھر آجائے تو دوبارہ ملاقات کے وقت پھر سلام کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم ایک کمرے میں بیٹھے ہوں اور ایک شخص باہر سے آئے تو وہ سب کو سلام کرے گا۔ پھر اگر وہ اس کمرے سے باہر چلا جائے اور دوبارہ چند لمحوں کے بعد ہی کمرے میں آئے تو وہ پھر سلام کرے گا۔
- اگر کوئی شخص پیشاب کر رہا ہو تو وہ سلام کا جواب نہیں دے گا۔
- نماز پڑھتے ہوئے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا۔
- کھانا کھاتے ہوئے اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری نہیں۔
- اگر کوئی غیر مسلم سلام کرے تو اسے **وعلیکم السلام** نہیں کہنا بلکہ صرف "**وعلیکم**" کہنا ہے۔
- جو شخص اعلانیہ اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہو، اسے سلام نہیں کرنا چاہیے۔
- خطبے (نکاح کا خطبہ ہو یا جمعہ کا خطبہ ہو یا عید کا خطبہ) کے دوران نہ سلام کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کا جواب دینا چاہیے۔
- سلام کرتے ہوئے اور جواب دیتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ رکھیں تو زیادہ ثواب ہو گا۔

- سلام کے ساتھ مصافحہ کرنے اور ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کی بہت فضیلت ہے لیکن اگر مصافحہ دوسروں کی تکلیف کا سبب بنتا ہو تو پھر صرف سلام کر لینا کافی ہے۔ بعض اوقات کسی محفل میں درجنوں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور کوئی اہم موضوع زیر بحث ہوتا ہے۔ اتنے میں ایک شخص آتا ہے اور سلام کہتا ہے پھر باری باری سب سے جا کر مصافحہ کرتا ہے۔ یہ مصافحہ کرنا درست نہیں ہے۔ اس سے ایک تو اس موضوع سے سب کی توجہ ہٹ جاتی ہے نیز بعض اوقات لوگ اس طرح بیٹھے ہوتے ہیں کہ ان کو ہاتھ ملانے میں دقت ہوتی ہے۔ ایسی صورتحال میں صرف سلام کہنا مناسب ہو گا۔
- مرد صرف مردوں سے مصافحہ کر سکتا ہے اور عورتیں صرف عورتوں سے مصافحہ کر سکتی ہیں۔ اسلام میں مرد اور عورت کا آپس میں مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

چھینک کے بارے میں احکامات

- جب کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں)۔
- سننے والا یَرْحَمُكَ اللهُ کہے (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے)۔
- پھر جس کو چھینک آئی ہو وہ کہے۔ یَھْدِیْکُمُ اللہ (اللہ تمہیں ہدایت دے)۔

ناخن کاٹنے کا اسلامی طریقہ

ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ اس بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ کچھ علمائے کرام نے یہ ترتیب بتائی ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کا ناخن کاٹا جائے اور پھر آگے ترتیب سے چھوٹی انگلی تک کاٹے جائیں۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ

کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھے کی طرف کاٹے جائیں اور آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹا جائے۔ پاؤں کے بارے میں یہ ہے کہ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کریں اور بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کریں۔ علمائے کرام کا دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ درج بالا ترتیب حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے البتہ اس سلسلے میں کچھ باتیں حضور ﷺ سے ثابت ہیں جن پر سب علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

- حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قربانی کرنی ہو تو جب ذی الحجہ کا چاند طلوع ہو جائے، وہ اپنے بالوں اور ناخنوں سے کچھ بھی نہ کاٹے حتیٰ کہ وہ قربانی کر لے۔ یہ حکم فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے یعنی اگر اس پر عمل کر لیں تو ثواب ہو گا اور عمل نہ کرنے کی صورت میں باز پرس نہیں ہو گی۔
- لمبے ناخن رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ لمبے ناخنوں کے اندر میل کچیل اور گندگی جمع ہو جاتی ہے۔
- ناخن ہر ہفتے کاٹ لیں تو اچھی بات ہے لیکن چالیس دن سے زیادہ ہرگز نہیں ہونے چاہییں۔
- ناخن کاٹنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب دل چاہے کاٹ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں کافی غلط باتیں مشہور ہیں مثلاً رات کو ناخن نہ کاٹے جائیں وغیرہ۔ ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔
- اسی طرح سے ناخن کسی دن بھی کاٹے جا سکتے ہیں لیکن اگر جمعہ کے دن کاٹے جائیں تو زیادہ ثواب کا کام ہے۔
- پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن کاٹے جائیں اور پھر بائیں ہاتھ کے۔ اسی طرح پہلے دائیں پاؤں کے اور پھر بائیں پاؤں کے ناخن کاٹے جائیں۔

- روزہ دار روزے کی حالت میں بھی ناخن کاٹ سکتا ہے۔ بس یہ خیال رہے کہ کہیں گہرا زخم نہ لگ جائے اور زیادہ خون نہ بہہ جائے۔
- کٹے ہوئے ناخنوں کو اگر زمین میں دفن کر دیں تو یہ ثواب کا کام ہے۔
- حیض کی حالت میں عورت ناخن کاٹ تو سکتی ہے لیکن یہ پسندیدہ نہیں۔
- بعض لوگ دانتوں سے چبا کر ناخن کاٹتے ہیں۔ اسلام اس عمل کو پسند نہیں کرتا۔

نماز

اسلام میں نماز کی بہت اہمیت ہے۔ ہر مسلمان، عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر روزانہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ہمارے لیے تو تہجد کی نماز نفل نماز ہے مگر حضور ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ قرآن مجید میں نماز کی بہت تاکید آئی ہے۔ آپؐ کی بے شمار احادیث نماز کے بارے میں ہیں۔ آپؐ نے نہ صرف باقاعدگی سے خود نماز ادا کی بلکہ ہمیشہ اس کی امامت بھی فرمائی۔ آپؐ کا حکم ہے کہ "جب تمہارا بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز نہ پڑھنے پر مارو"۔ جب حضور ﷺ جو رحمۃ للعالمینؐ ہیں فرما رہے ہیں کہ "مارو" تو اندازہ کر لیں کہ نماز کتنی ضروری ہے۔

حضور ﷺ کے نماز کے بارے میں چند ارشادات درج ذیل ہیں:۔

- نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اسے قائم کیا اس نے گویا پورے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے گرا دیا اس نے گویا پورے دین کو گرا دیا۔
- بے شک مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔
- نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

❖ نماز مومن کی معراج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت والے دن جب دوزخیوں سے پوچھا جائے گا۔ "تمہیں جہنم میں کس چیز نے ڈالا؟" (سورۂ المدثر آیت نمبر 42) تو وہ جواب دیں گے کہ "ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے" (سورۂ المدثر آیت نمبر 43)۔

حشر کے دن (جس دن حساب کتاب ہوگا) سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔ حضور ﷺ نے نماز کی اس حد تک تاکید فرمائی ہے کہ اگر کوئی بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھے اور اگر لیٹ کر بھی نہ پڑھ سکے تو اشاروں سے ادا کرے حتٰی کہ جنگ کے دوران بھی نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

1647 عیسوی میں مغل بادشاہ اورنگ زیب اور بلخ کے حاکم عبدالعزیز کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ عین اس وقت میدان جنگ میں اورنگ زیب اپنے گھوڑے سے اترا اور نماز شروع کر دی۔ عبدالعزیز نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنی فوج کو لڑائی روکنے کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر عبدالعزیز نے تاریخی الفاظ کہے۔ "ایسے شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنے کے برابر ہے"۔ اس کے بعد عبدالعزیز نے اورنگ زیب سے صلح کر لی۔ اب ذرا غور فرمائیں! اس وقت اورنگ زیب کی عمر صرف 29 سال تھی اور وہ ایک بڑی سلطنت کا شہزادہ تھا۔ جنگ زوروں پر تھی بلکہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ ان حالات میں بھلا کس کو نماز یاد رہتی ہے؟ یہ اس کا جذبہ ایمانی تھا کہ اس نے بھرپور جوانی میں جنگ کے عروج کے وقت بھی نماز قضا نہیں کی۔ اللہ تعالٰی نے اس کا ایک صلہ تو اسے فوراً ہی عطا فرما دیا کہ وہ فتح یاب ہو گیا اور اگلے جہان بھی اللہ تعالٰی اپنی شان کے مطابق اسے نوازے گا (اِن شاءاللہ)۔

نماز سے متعلق تمام مسائل کا مکمل علم حاصل کرنا ہم پر فرض ہے کیونکہ اگر ہمیں نماز کے فرائض اور دیگر مسائل کا علم نہیں ہو گا تو ہم صحیح نماز کیسے ادا کر سکیں گے۔ نماز کے چودہ فرائض ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ ان فرائض میں سات نماز شروع کرنے سے پہلے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

(1) بدن کا پاک ہونا

(2) لباس کا پاک ہونا

(3) نماز کی جگہ کا پاک ہونا

(4) ستر کا ڈھانپنا

(5) نماز کا وقت ہونا

(6) خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا

(7) نیت کرنا

اسی طرح سے نماز کے اندر سات چیزیں لازمی ہیں۔ انہیں فرائض نماز یا ارکان نماز کہتے ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں:۔

(1) تکبیر تحریمہ (نماز کی نیت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر کانوں کو ہاتھ لگانا)۔

(2) قیام

(3) قرأت

(4) رکوع

(5) سجدہ

(6) قعدہ اخیرہ (آخری اَلتَّحِیَّات)

(7) کسی اختیاری فعل سے نماز کو ختم کرنا (جیسے سلام پھیرنا)۔

درج بالا چودہ فرائض نماز میں سے اگر کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔ البتہ واجبات نماز (وہ بھی 14 ہیں) میں سے کوئی بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی۔

نماز سے پہلے انسان کے جسم کا پاک ہونا فرض ہے۔ اس لیے غسل کے مسائل اور وضو کے مسائل جاننا بھی فرض ہیں۔ بد قسمتی سے ہم میں سے کچھ لوگوں کو ان کا پورا علم نہیں ہے جس سے ان کا غسل نہیں ہوتا یا پھر ان کا وضو درست نہیں ہوتا اور نتیجتاً ان کی نماز بھی نہیں ہوتی۔

آپ کا جو بھی فقہ ہے۔ آپ اپنے فقہ کے عالم سے نماز کی کتاب معلوم کریں اور اس کتاب سے نماز سے متعلق تمام مسائل کا اچھی طرح سے علم حاصل کریں۔ پہلے نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں اور تسبیحات کو صحیح تلفظ کے ساتھ یاد کریں۔ پھر نماز کے فرائض، واجبات، سنتیں اور مستحبات وغیرہ سیکھیں۔ نشان دہی کے لیے نماز سے متعلق کچھ سوالات درج کیے جا رہے ہیں تاکہ کم از کم ہم ان کا تو لازمی علم حاصل کریں:۔

(1) استنجا اور غسل کے مسائل

(2) وضو کے مسائل

(3) موزوں پر مسح کے مسائل (یہ اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی سہولت ہے خاص طور پر دفتروں میں کام کرنے والوں اور مسافروں کے لیے لہٰذا اس بارے میں ضرور معلومات حاصل کریں)۔

(4) تیمم کے مسائل (اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی استعمال کرنے سے بیماری کا خدشہ ہو)

(5) اذان اور اقامت

(6) نماز کی رکعتیں

(7) زوال کے اوقات

(8) انفرادی طور پر نماز ادا کرنے کا طریقہ

(9) جماعت سے نماز ادا کرنے کا طریقہ

(10) اگر جماعت ہو رہی ہو تو اس میں شامل ہونے کا طریقہ اور بقیہ نماز مکمل کرنے کا طریقہ؟

(11) اگر جماعت کے دوران وضو ٹوٹ جائے؟

(12) اگر اکیلے نماز پڑھتے ہوئے وضو ٹوٹ جائے؟

(13) نماز قصر (مسافر کی نماز)

(14) بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ یا اشارے سے نماز پڑھنے کا طریقہ

(15) نماز جمعہ

(16) نماز عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں)

(17) نماز جنازہ اور غائبانہ نماز جنازہ

(18) نماز تراویح

(19) اسی طرح سے نفلی نمازیں مثلاً اشراق، چاشت، اوابین، تہجد، صلوٰۃ تسبیح، نماز استخارہ وغیرہ

(20) نماز استسقا (بارش کے لیے نماز)

(21) نماز حاجت

(22) نماز کسوف (سورج گرہن کے وقت کی نماز)

(23) نماز خسوف (چاند گرہن کے وقت کی نماز)

(24) سجدہ سہو کے مسائل

(25) سُترہ کے مسائل (نمازی کے سامنے کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر کوئی سامنے سے گزرے تو نمازی کی نماز نہ ٹوٹے)۔

یہ صرف چند باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بے شمار چیزیں نماز کے بارے میں ہیں جن کا ہمیں مکمل علم ہونا ضروری ہے۔ نماز کے بارے میں چند مزید گزارشات درج ذیل ہیں:۔

- کچھ لوگ بہت جلدی نماز ادا کرتے ہیں۔ نہ پورا رکوع، نہ مکمل قومہ، نہ صحیح سجدہ اور نہ پورا جلسہ (جو دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھتے ہیں) کرتے ہیں۔ ایسی نماز قبول ہی نہیں ہوتی اور پڑھنے والے کے منہ پر واپس مار دی جاتی ہے۔ ایسا کرنے والے کو حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے نماز کا چور قرار دیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نماز کو آرام و سکون اوردل جمعی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ تیزی ہرگز نہ کی جائے۔ قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، قعدہ وغیرہ صحیح طریقے سے ادا کیے جائیں (اس کے تفصیلی مسائل ضرور معلوم ہونے چاہییں)۔
- نماز کی رکعتیں اکثر کتابوں میں غلط درج ہیں۔ ان کی ضرور درستی فرمالیں۔ مثال کے طور پر آپ کسی سے پوچھیں کہ عشاء کی نماز کی کتنی رکعتیں ہیں؟ تو وہ کہے گا 17۔ یہ درست نہیں ہے۔ ان 17 رکعتوں میں چار نفل بھی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ نفل کسی نماز کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی بندگی کے طور پر ادا کیے جاتے ہیں۔ عشاء میں پڑھے جانے والے نوافل کی نیت ہم کیسے کرتے ہیں؟ ہم یہ تو نہیں کہتے "دو رکعت نماز نفل وقت نماز عشاء" بلکہ ہم یہ کہتے ہیں " دو رکعت نماز نفل، بندگی اللہ تعالیٰ کی"۔ لہٰذا اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ نفل کسی بھی نماز کا حصہ نہیں ہیں۔ 17 میں سے یہ چار نفل نکال دیں تو باقی 13 رکعتیں بچ

گئیں۔ پھر ان 13 میں شروع میں پڑھی جانے والی چار سنتیں غیر مؤکدہ ہیں یعنی پڑھ لیں تو ثواب ہے اور اگر نہ پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ گویا عشاء کی جو رکعتیں پڑھنی لازمی ہیں وہ 9 ہیں یعنی چار فرض، دو سنت اور تین وتر۔ یہی صورتحال باقی نمازوں کی بھی ہے۔ یہ بات میں زور دے کر کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ ایک آدمی تھکاماندہ رات کو گھر پہنچتا ہے اور اسے 17 رکعتیں ادا کرنی ہیں تو اس بات کے کافی امکانات ہیں کہ وہ سرے سے نماز ہی نہ پڑھے۔ اب اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس نے 17 کی بجائے صرف 9 رکعتیں پڑھنی ہیں تو وہ ضرور نماز پڑھ لے گا (اِن شاءاللہ)

- جہاں تک نوافل کا تعلق ہے اس بارے میں عرض ہے کہ جب آپ بالکل فارغ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہو تو پورے انہماک، پورے شوق اور پورے خلوص کے ساتھ جتنے چاہیں نوافل ادا کریں لیکن ان کو نمازوں کا مستقل حصہ بنا دینا مناسب نہیں ہے۔ میں نے بہت سے دوستوں کو جو نماز نہیں پڑھتے تھے اسی فارمولے سے نماز کی طرف مائل کیا کہ 17 کی بجائے 9 رکعتیں پڑھیں۔ ان میں سے کچھ تو پنجگانہ فرض نمازیں پڑھنے کے ساتھ اب تہجد گزار بھی ہیں۔ عصر اور عشا کی غیر مؤکدہ سنتیں پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔
- جن لوگوں کی نمازیں قضا ہو گئی ہوں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مسلمانوں کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ زندگی میں جو نمازیں قضا ہو گئیں، ان کے بارے میں سچی توبہ کرنی چاہیے اور مستقبل میں اگر کوئی ایک دو نمازیں مجبوری سے رہ جائیں تو انہیں فوراً قضا نماز کے طور پر پڑھ لینا چاہیے جبکہ مسلمانوں کا دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی میں جتنی بھی نمازیں رہ گئی ہیں ان سب کو ادا کرنا ضروری

ہے۔ اس بارے میں تفصیلات آپ اپنے فقہ کے مستند عالم سے پوچھ لیں لیکن کم از کم آج سے تو پکا عہد کر لیں کہ آئندہ فرض نمازیں کسی حال میں نہیں چھوٹیں گی۔

- رمضان کے مہینے کے آخری جمعہ میں کچھ جگہوں پر قضائے عمری پڑھی جاتی ہے۔ اس نماز سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی تمام عمر کی قضا نمازیں ادا ہو گئی ہیں۔ اسلام میں ایسی کسی قضائے عمری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
- سفر کے دوران نماز قصر کی سہولت دی گئی ہے یعنی چار فرضوں کی جگہ دو فرض پڑھنے ہوتے ہیں۔ یہ سہولت لینا لازمی ہے۔ کچھ لوگ چار فرض ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ اس بارے میں تفصیلی مسائل ضرور سیکھیں مثلاً مسافر اکیلے نماز کیسے پڑھے گا، اگر وہ مقتدی ہو تو نماز کیسے پڑھے گا اور اگر وہ امام ہو تو کیسے نماز پڑھے گا؟
- منافق کی نماز کے بارے میں سورۂ النساء کی آیت نمبر 142 میں ارشاد ہے۔ ”جب یہ (منافق) نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو بے دلی سے اٹھتے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے“۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں کہ خدانخواستہ ہم کہیں اس طرح تو نماز نہیں پڑھتے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔
- نماز جماعت سے ادا کرنے کا حکم ہے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنتیں اور نوافل گھر میں پڑھیں تو ان کا زیادہ ثواب ہے۔
- نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں اور تسبیحات کے معنی لازمی یاد کریں۔ اس سے آپ کا دھیان نماز میں رہے گا اور کہیں بھٹکے گا نہیں۔ آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ حرم پاک میں جب نماز میں امام تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو عربی رو رہے ہوتے ہیں کیونکہ انہیں اس کے معنی معلوم ہوتے ہیں جب کہ ہم جمائیاں لے رہے ہوتے ہیں کیونکہ ہم میں سے اکثریت کو عربی کے معنی کا علم نہیں ہوتا۔

- نمازی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ''اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے''(سورۂ العنکبوت آیت نمبر 45)۔ لیکن ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ نمازیں بھی باقاعدگی سے ادا کر رہے ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی گناہ کی دلدل میں گزر رہی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نماز میں کوئی بڑا نقص ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے واقعی نماز کو پورے احکام کی پابندی اور دل لگا کر پڑھا ہوتا تو اس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوتا کہ ان سے نیک اعمال ہی سرزد ہوتے۔ ایسے لوگوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔

مجھے اس بات کا ادراک ہے کہ مندرجہ بالا سطور کسی طور بھی نماز جیسے وسیع موضوع کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ نماز کے احکام کے بارے میں زبردست کتابیں موجود ہیں۔ آپ اپنی فقہ کے مطابق کتاب خرید لیں اور اس کا بغور مطالعہ کریں۔ کوئی بات پھر بھی سمجھ نہ آئے تو اپنی پسند کے عالم دین سے پوچھ لیں۔ اگلے جہان اس بارے میں کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا کہ ہم نے نماز کے احکام کیوں نہیں سیکھے تھے؟ آج کل تو موبائل فون پر نماز کے بارے میں بے شمار وڈیوز بھی آسانی سے دستیاب ہیں۔ ذیل میں سادہ نماز اور اس کا ترجمہ دیا جا رہا ہے:

تکبیر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط

اللہ سب سے بڑا ہے۔

ثناء

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ط

اے اللہ! تو پاک ہے اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تعوّذ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ؕ

میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

تسمیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ ③
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ ④ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ⑤
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ ان لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ (ہی) گمراہوں کا۔

سورۃ الاخلاص (یا کوئی بھی سورۃ پڑھ سکتے ہیں)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠ ﴿۴﴾

(اے نبی) آپ فرما دیجیے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

رکوع

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ط

میں اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں

قومہ

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ط رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ط

اللہ تعالیٰ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔ اے ہمارے رب! سب تعریف تیرے ہی لیے ہے۔

سجدہ

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ط

میں اپنے بلند شان والے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں

تشہد

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ط اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

تمام قولی، فعلی اور مالی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپؐ پر

سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

درودِ ابراہیمی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اے اللہ! حضرت محمدؐ پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کے لائق، بڑی بزرگی والا ہے۔

اے اللہ! حضرت محمدؐ پر اور ان کی آل پر برکت نازل فرما، جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیمؑ پر اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کے لائق، بڑی بزرگی والا ہے۔

درود شریف کے بعد کئی دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں لیکن یہ دعا زیادہ مشہور ہے (یہ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 40 اور 41 ہیں)۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ﷺ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو بخش دے اس روز جب کہ (اعمال) کا حساب ہونے لگے۔

سلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ؕ

تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت

دعائے قنوت

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ ؕ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ؕ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌّ ؕ

"اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے مغفرت کے طالب ہیں اور ہم تجھ ہی پر ایمان لاتے ہیں، اور ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری اچھی اچھی تعریفیں کرتے ہیں، اور ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں، ہم تیری ناشکری نہیں کرتے، اور جو تیری ناشکری اور نافرمانی کرے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں، اور اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں اور تجھ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لپکتے ہیں اور تیرا ہی حکم بجالانے کے لیے مستعد رہتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بلاشبہ تیرا عذاب کافروں کو مل کر رہے گا۔

طہارت اور جسمانی صفائی

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے"۔ طہارت میں استنجا، وضو اور غسل وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں جسم کی صفائی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

ناخنوں کو مناسب وقفے کے بعد کاٹنا چاہیے اور بالغ مسلمانوں کو ناپسندیدہ جگہوں (ناف کے نیچے اور بغلوں کے نیچے) سے بال صاف کرنے کا بھی حکم ہے۔ اب طہارت سے متعلق موضوعات کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

رفع حاجت اور استنجا کرنے کا طریقہ

❖ باتھ روم میں داخل ہوتے وقت یا کھیت یا کھلی جگہ ہو تو رفع حاجت سے پہلے یہ دعا پڑھیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ط (اے اللہ! بے شک میں خبیث جنّوں اور خبیث جنّنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔

❖ باہر نکلنے کے بعد یعنی رفع حاجت کے بعد یہ دعا پڑھیں۔ غُفْرَانَکَ (اے اللہ! میں تیری بخشش کا طالب ہوں)۔

❖ باتھ روم میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھنا ہے اور نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے باہر نکالنا ہے۔

❖ پیشاب کرتے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے بیٹھنا منع ہے خصوصاً خانہ کعبہ کی طرف۔

❖ اگر زمین میں کوئی سوراخ ہو تو اس میں بھی پیشاب کرنا منع ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہاں سے کوئی موذی جانور نکل کر آپ کو نقصان پہنچائے۔

❖ سایہ دار درخت کے نیچے، دریا، نہر، تالاب، قبرستان، مسجد یا عید گاہ کے اندر یا ان کے قریب اور عام گزر گاہ (سڑک وغیرہ) پر بھی پیشاب کرنا منع ہے۔ حضور ﷺ نے پانی کے اندر (خواہ پانی کھڑا ہو یا بہہ رہا ہو) بھی پیشاب یا پاخانہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

- کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منع ہے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو تو کر سکتا ہے بشرطیکہ جسم اور کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے نہ پڑیں۔
- اگر کوئی ایسی انگوٹھی یا گلے وغیرہ میں کوئی ایسی چیز پہنی ہوئی ہو جس پر کلمہ، کوئی آیت، اللہ تعالیٰ کے نام یا حدیث وغیرہ کے الفاظ لکھے ہوں تو اسے اتار کر باتھ روم میں جانا چاہیے۔ اپنے موبائل کو بھی باہر چھوڑ جائیں کیونکہ تقریباً ہر موبائل کے اندر آیات اور احادیث موجود ہوتی ہیں۔
- پیشاب کرنے کے دوران باتیں کرنا اور کسی آیت یا حدیث کو پڑھنا جائز نہیں ہے۔
- رفع حاجت کے وقت اپنی نظر سامنے رکھنی ہے یعنی نہ اپنی شرمگاہ کی طرف دیکھنا ہے اور نہ ہی آسمان کی طرف منہ کرنا ہے۔
- رفع حاجت کے وقت یہ لازمی خیال رکھنا ہے کہ پیشاب کے چھینٹے جسم یا کپڑوں پر نہ پڑیں۔ اگر باتھ روم کی بجائے کھلی جگہوں پر رفع حاجت کی جائے تو بھی پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو لازمی بچانا ہے۔ بعض اوقات پیشاب کرتے ہوئے وہ واپس پاؤں میں آجاتا ہے جس سے کپڑے اور جسم ناپاک ہو جاتے ہیں لہٰذا اس سے بچنے کی احتیاط کرنی ہے۔ پتھر یا سخت مٹی پر بھی پیشاب کرنے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے پیشاب کے چھینٹے اڑتے ہیں۔ اگر پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچا جائے یا پیشاب، پاخانے سے فراغت کے بعد اچھی طرح سے استنجا نہ کیا جائے تو یہ عذاب قبر کا سبب بنتا ہے۔ ایک بار حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے مگر وہ کسی بڑی بات پر نہیں بلکہ ان باتوں پر ہو رہا ہے جن کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں۔ "ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا بندوبست نہیں کرتا تھا اور دوسرا وہ شخص ہے جو چغل خوری کرتا تھا"۔

- ❖ رفع حاجت کے بعد پانی سے اچھی طرح متعلقہ جگہ کو دھونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بعد صابن سے اچھی طرح سے ہاتھ دھونے چاہییں۔ استنجا کرنے میں متعلقہ جگہوں کی مکمل صفائی کرنا لازم ہے کیونکہ اگر پیشاب پاخانے کی مکمل صفائی نہ ہوئی تو جسم پر پلیدی رہ جائے گی اور جسم ناپاک رہ جائے گا۔ جسم سے وہ پلیدی کپڑوں پر بھی لگ جاتی ہے جس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر جسم یا کپڑے ناپاک ہوں تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی۔
- ❖ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو مٹی کے ڈھیلے سے یا کسی ایسی چیز سے جو پانی جذب کر سکتی ہو سے بھی استنجا کیا جا سکتا ہے لیکن جیسے ہی پانی میسر آئے تو دوبارہ استنجا کر لینا چاہیے کیونکہ ڈھیلوں وغیرہ سے مکمل صفائی نہیں ہوتی۔
- ❖ آج کل بعض باتھ رومز میں کموڈ W.C. (Water Closet) لگے ہوتے ہیں۔ اگر تو یہ آپ کے اکیلے کا باتھ روم ہے جسے آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص استعمال نہیں کرتا تو اس پر بیٹھ کر رفع حاجت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اس کموڈ W.C. کو زیادہ لوگ استعمال کرتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ استعمال کرنے سے پہلے بیٹھنے والی جگہ کو پہلے پانی سے دھو لیں۔

غسل کا طریقہ

جب ہم بستری وغیرہ کی جائے تو مرد اور عورت (دونوں) کا جسم پلید ہو جاتا ہے اور ان پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ غسل کے بارے میں ایک احتیاط یہ ہے کہ جماع کے بعد کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے یا چند قدم چل لینا چاہیے اور اس کے بعد پیشاب کرنا چاہیے تاکہ اگر منی کا

کوئی قطرہ اندر رہ گیا ہو تو وہ باہر نکل آئے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر غسل کرنے کی بعد منی کا ایک قطرہ بھی نکل آیا تو دوبارہ غسل کرنا واجب ہو جائے گا اور اکثر اوقات تو انسان کو اس قطرے کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

غسل کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے جائیں۔ اس کے بعد استنجا کریں پھر جن جگہوں پر نجاست لگی ہو ان کو اچھی طرح سے دھو لیں۔ اس کے بعد وضو کریں۔ پھر پورے جسم پر پانی بہا دیں۔

غسل کے تین فرض ہیں

(1) کلی کرنا (غرارہ کرنا چاہیے لیکن اگر روزے کی حالت میں ہو تو صرف کلی کرے اور غرارہ نہ کرے)

(2) ناک میں پانی ڈالنا (ناک کی اوپر والی ہڈی تک پانی پہنچانا چاہیے)

(3) پورے جسم کو پانی سے تر کرنا۔ (یعنی اگر پورے جسم کا ذرہ بھر حصہ بھی خشک رہ گیا تو غسل نہیں ہو گا)

نوٹ: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت ہیں جبکہ یہ دونوں کام غسل میں فرض ہیں۔ غسل کے بارے میں بہت احتیاط اس لیے ضروری ہے کیونکہ اگر غسل درست نہ ہوا تو پھر جسم پلید رہ جائے گا لہٰذا وضو بھی نہیں ہو گا اور نماز بھی نہیں ہو گی۔

درج ذیل صورتوں میں سے اگر ایک بھی صورت پیش آ جائے تو غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے:۔

❖ منی کا نکلنا۔ خواہ جنسی تعلقات کی وجہ سے نکلے، سوتے ہوئے احتلام ہو جائے یا اپنے عضو کو مرد یا عورت خود رگڑے (Masturbation) وغیرہ۔ یعنی کسی بھی طریقے سے اگر منی خارج ہو جائے تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔

- ❖ اگر مرد کے آلہ تناسل (Penis) کا سرا عورت کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے تو غسل فرض ہو جائے گا خواہ منی نکلے یا نہ نکلے۔

نوٹ: درج بالا دونوں صورتیں مرد یا عورت یا دونوں کو پیش آسکتی ہیں جبکہ درج ذیل صورتیں صرف عورتوں کو پیش آسکتی ہیں: ۔

- ❖ حیض آنا۔ (جو بالغ عورتوں کو ہر ماہ خون آتا ہے۔ جسے ماہواری، Menses یا Periods بھی کہتے ہیں)۔
- ❖ نفاس کا خون آنا۔ یہ وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو آتا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت 40 دن ہے۔

(غسل کن حالتوں میں واجب ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل ضرور معلوم کریں)۔

غسل بھی ایک طویل موضوع ہے یہاں اختصار کی خاطر صرف ضروری مسائل درج کیے گئے ہیں۔ غسل کے باقی مسائل براہ مہربانی اپنے فقہ کے مستند عالم یا ان کی بتائی ہوئی کتاب سے اچھی طرح معلوم کریں۔ چند مسائل کی نشاندہی ذیل میں کی جارہی ہے:۔

(1) اگر عورت یا مرد کے لمبے بال ہوں اور ان کی چوٹی بنائی ہوئی ہو

(2) غسل کی سنتیں

(3) غسل کے مستحبات

(4) غسل کب فرض ہوتا ہے، کب سنت، کب مباح اور کب مستحب ہوتا ہے؟

(5) منی کے اخراج کی صورتیں اور ان کے بارے میں احکام

(6) مرد کے آلہ تناسل کے دخول کے بارے میں مسائل

(7) حیض اور نفاس کے بارے میں تفصیلی احکام

(8) استحاضہ کے مسائل (یہ وہ خون ہوتا ہے جو عورت کو حیض اور نفاس کے علاوہ

آگے کی راہ سے آتا ہے)

(9) وہ صورتیں جن میں غسل فرض نہیں ہوتا

(10) غسل کے متفرق مسائل

وضو کا طریقہ

وضو کے چار فرائض ہیں

(1) چہرہ دھونا (پیشانی کے بالوں کی جڑ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک)

(2) کہنیوں سمیت دونوں بازو دھونا

(3) چوتھائی سر کا مسح کرنا

(4) ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا

یہ فرائض اس لیے پہلے درج کیے ہیں کیونکہ ان حصوں میں اگر ذرہ برابر جگہ بھی خشک رہ جائے تو سرے سے وضو ہی نہیں ہوگا۔ اس لیے وضو احتیاط اور آرام سے کرنا چاہیے۔ کچھ لوگ اتنی تیزی اور بے دھیانی سے وضو کرتے ہیں کہ وضو کا کوئی نہ کوئی فرض رہ جاتا ہے۔

وضو کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے گٹوں سمیت تین دفعہ دونوں ہاتھ دھوئے جائیں۔ پھر کلی کی جائے ممکن ہو تو مسواک کیا جائے، مسواک کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ پھر ناک میں پانی ڈالا جائے۔ پھر چہرہ دھویا جائے۔ پھر کہنیوں سمیت دونوں بازو دھوئے جائیں۔ اس کے بعد سر کا مسح، پھر کانوں اور گردن کے پچھلے حصے کا مسح اور آخر میں ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے جائیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ یا تو وضو غلط کرتے ہیں یا ناقص وضو کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند احتیاطیں درج ذیل ہیں:۔

- ❖ جیسا کہ ذکر ہوا کہ وضو میں چہرہ دھونا فرض ہے۔ چہرے میں ٹھوڑی کے نیچے والا حصہ بھی شامل ہوتا ہے اور دونوں کانوں کے درمیان والا حصہ بھی۔ اسی طرح پورا ماتھا بھی چہرے میں شامل ہے۔ ان حصوں پر پہلے پانی سے تر ہاتھ اچھی طرح پھیرا جائے اور پھر ان پر اچھی طرح سے پانی بہایا جائے تا کہ ذرہ برابر حصہ بھی خشک نہ رہے۔
- ❖ بازوں کو دھوتے وقت بعض اوقات کہنیوں کی پشت (Backside) خشک رہ جاتی ہے۔ اس کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہاں پہلے گیلا ہاتھ اچھی طرح پھیر لیا جائے پھر وہاں پانی بہالیا جائے۔
- ❖ پاؤں دھوتے وقت ٹخنوں کے نیچے والی جگہ عموماً خشک رہ جاتی ہے اس کی بھی احتیاط کرنا لازم ہے۔ اسی طرح پاؤں کی پشت پر جو گڑھا ہوتا ہے اس کے خشک رہ جانے کے بھی امکانات ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کی ایڑیاں کسی وجہ سے پھٹ جاتی ہیں ان کے اندر تک پانی پہنچانا فرض ہے۔
- ❖ بعض لوگوں کے پاؤں کی انگلیوں میں بہت کم فاصلہ ہوتا ہے اور اگر وہاں پانی بہایا بھی جائے تو امکان ہے کہ انگلیوں کے درمیان والی جگہ خشک رہ جائے گی لہٰذا انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے کرنا ہے۔ کچھ لوگ خلال تو کرتے ہیں لیکن وہ خلال کسی اور انگلی کا کر رہے ہوتے ہیں اور پانی کسی دوسری جگہ بہا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے خلال کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ خلال کا مقصد تو انگلیوں کو کھولنا ہے تا کہ پانی ان کے درمیان پہنچ جائے۔

- بعض لوگوں کی داڑھی بہت گھنی ہوتی ہے۔ انہیں داڑھی کا تسلی سے خلال کرنا چاہیے تا کہ پانی جلد تک پہنچ جائے۔
- گردن کی پشت کا مسح کرنا مستحب ہے یعنی نیک عمل ہے لیکن گردن کے اگلے حصے کا مسح کرنا مکروہ ہے۔
- بعض لوگ مسجد میں پانی کی ٹونٹی پوری طرح سے کھول دیتے ہیں جس سے بہت تیز پانی آتا ہے اور وہ جب اعضا پر پڑتا ہے تو امکانات ہیں کہ کہنیوں کی پشت یا ٹخنوں کے نیچے والا حصہ خشک رہ جائے لہٰذا درمیانی رفتار سے ٹونٹی کھولنی چاہیے۔ اس سے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں پر پانی کے چھینٹے بھی نہیں پڑیں گے۔
- عورتوں نے اگر نیل پالش لگائی ہوئی ہو تو ضروری ہے کہ پہلے اسے اچھی طرح سے اتاریں ورنہ وضو نہیں ہوگا۔
- اگر عورت نے انگوٹھی پہنی ہو یا چوڑیاں پہنی ہوں یا ناک میں نتھلی (کوکا) پہنی ہو تو وضو کرتے ہوئے ان کو ہلا لیں تا کہ جسم کا وہ حصہ خشک نہ رہ جائے۔
- بعض لوگ اپنی ناک اتنی زور سے صاف کرتے ہیں یا بلغم اتنے زور سے نکالتے ہیں کہ ساتھ بیٹھے لوگوں کو سخت کراہت ہوتی ہے۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔
- وضو کرتے ہوئے بہت زیادہ پانی استعمال کرنا یعنی پانی ضائع کرنا گناہ ہے۔ بعض لوگ پانی کی ٹونٹی مسلسل کھولے رکھتے ہیں جس سے بہت سا پانی ضائع ہوتا رہتا ہے۔
- وضو کرنے کے بعد اگر آپ موزے پہن لیں اور انہیں مسلسل پہنے رکھیں تو پھر ایک دن اور ایک رات تک وضو کرتے ہوئے پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں (مسافر کے لیے یہ مدت تین دن اور تین راتیں ہے) بلکہ صرف موزوں پر مسح کر لینا کافی ہے۔ اس ضمن میں ایک بنیادی غلط فہمی یہ ہے کہ ایک دن یا تین دن کی

مدت کا تعین موزے پہننے کے وقت سے لگایا جائے گا۔ یہ درست نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ اگر آپ نے دن کے 12 بجے وضو کرنے کے بعد موزے پہنے ہیں اور وہ وضو آپ کا شام 5 بجے ٹوٹتا ہے تو وقت کا شمار 5 بجے شام یعنی وضو ٹوٹنے والے ٹائم سے شروع ہو گا۔ مسح کیا صرف چمڑے کے موزوں پر کیا جا سکتا ہے یا عام جرابوں پر بھی؟ اس بارے میں فقہی اختلافات ہیں لہٰذا آپ اپنے فقہ کے مستند عالم سے معلومات حاصل کریں نیز موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ، مسح کے متفرق مسائل اور وہ باتیں بھی معلوم کریں جن سے مسح کی سہولت ختم (باطل) ہو جاتی ہے۔

وضو کے تفصیلی احکامات مثلاً وضو فرض ہونے کی صورتیں، وضو واجب ہونے کی صورتیں، وضو سنت اور مستحب ہونے کی صورتیں کیا کیا ہیں؟ وضو کی سنتیں، وضو کے مستحبات اور وضو کے مکروہات کیا ہیں؟ بیمار شخص کے لیے زخم یا پلاسٹر پٹی وغیرہ پر وضو کے مسائل، دیگر بیماریوں اور وضو کے مسائل، کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کن چیزوں سے وضو ٹوٹنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں، کن چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، ایسی بیماری جس میں بار بار وضو ٹوٹ جاتا ہو، موزوں پر مسح کرنے کے مسائل وغیرہ اپنے فقہ کے مستند عالم یا ان کی بتائی ہوئی کتاب سے ضرور معلوم کریں کیونکہ وضو ہو گا تو نماز ہو گی۔

تیمّم کا طریقہ

اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی کے استعمال سے شدید بیماری کا خدشہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے ہمیں تیمم کی اجازت دی ہے۔ تیمم سے غسل اور وضو دونوں ہو جاتے ہیں مثلاً ایک شخص پر غسل واجب ہو چکا ہو اور وہ تیمم کر لے تو اس کا غسل بھی ہو جائے گا اور وضو

بھی۔ اگر صرف وضو یا صرف غسل درکار ہو تو تیمّم کرنے سے وہ ہو جائے گا۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مار کر جھاڑ لیے جائیں اور انہیں اپنے پورے چہرے پر مل لیا جائے تاکہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔ پھر دوبارہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر جھاڑ لیے جائیں اور پھر دونوں بازوں پر کہنیوں سمیت ہاتھ پھیر لیا جائے تاکہ کوئی جگہ چھوٹ نہ جائے۔

تیمم کے درج ذیل تین فرائض ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی رہ گیا تو تیمم نہیں ہو گا۔

(1) تیمم کی نیت کرنا (یاد رہے وضو اور غسل میں نیت کرنا فرض نہیں ہے)

(2) دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر پورے چہرے پر پھیرنا

(3) دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیرنا

دراصل تیمم ہمارے لیے بہت بڑی سہولت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے صدقے ہم پر خاص مہربانی فرمائی ہے لہٰذا تیمم کے پورے مسائل (مثلاً تیمم کی کن صورتوں میں اجازت ہے؟ تیمم کے فرائض اور تیمم کی سنتیں، وہ چیزیں جن سے تیمم کرنا جائز ہے، وہ چیزیں جن سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، وہ چیزیں جن سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے (وغیرہ وغیرہ) اپنی فقہ کے مستند عالم یا ان کی بتائی ہوئی کتاب سے لازمی معلوم کریں کیونکہ بعض صورتوں میں تیمم سے ہمارے بڑے بڑے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ کم از کم گیارہ ایسی صورتیں ہیں جن میں تیمم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر وضو یا غسل کرنے میں کسی ایسی نماز کے نکل جانے کا خدشہ ہو جس کی قضا نہیں ہو سکتی مثلاً نماز جنازہ، عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز، کسوف یا خسوف کی نماز تو اس صورت میں تیمم کرنے کی اجازت ہے بے شک پانی میسر ہو تب بھی۔

روزہ

نماز کے بعد روزہ اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ ہر سال رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہیں بشرطیکہ وہ بالغ ہو، عاقل ہو اور صحت مند ہو۔ نابالغ چھوٹے بچوں اور پاگلوں پر روزہ فرض نہیں ہے۔ اگر روزہ رکھنے کی منت مانی جائے تو وہ روزہ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے کفارے کے روزے رکھنا بھی لازمی ہوتے ہیں۔ مسافر کو اجازت ہے بلکہ پسندیدہ ہے کہ وہ سفر میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھ لے یعنی یہ روزہ معاف نہیں ہو گا بلکہ بعد میں رکھنا لازم ہو گا۔ روزے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ عورت کو حیض یا نفاس کے دنوں میں نماز معاف ہو جاتی ہے یعنی بعد میں اس کی قضا نہیں پڑھنی ہوتی۔ اس کے برعکس وہ حیض اور نفاس کے دنوں میں روزہ تو نہیں رکھ سکتی لیکن بعد میں یہ روزے رکھنا فرض ہوتے ہیں یعنی حیض و نفاس کے دنوں میں نماز سرے سے ساقط ہو جاتی ہے جبکہ روزہ ساقط نہیں ہوتا۔ سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ یہ ہیں عید الفطر، عید الاضحیٰ کا دن اور ذی الحجہ کے مہینے کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ۔

روزہ صرف بھوکا اور پیاسا رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ آنکھ کا بھی روزہ ہے (کہ کوئی غلط نظر نہ اٹھے اور نہ ہی آنکھ فلمیں، ڈرامے وغیرہ دیکھے)۔ کان کا بھی روزہ ہے (کہ کان گانے، فحش باتیں یا غیبت وغیرہ نہ سنیں)۔ زبان کا بھی روزہ ہے (کہ نہ وہ طعنہ دے، نہ چغلی کھائے، نہ لوگوں کو گالیاں دے، نہ گانا گائے، نہ غیبت کرے وغیرہ)۔ اگر یہ سب نہیں چھوڑا تو روزہ بے اثر ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کے بارے میں فرمایا کہ اس کا اجر صرف میں دوں گا۔ اگلے جہان جنت کا ایک دروازہ صرف روزے داروں کے لیے مخصوص ہو گا۔ روزے رکھنے کی

بہت فضیلت اور ثواب ہے۔ جان بوجھ کر روزہ نہ رکھنے کا بہت زیادہ گناہ ہے، ایسے شخص کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہلاک ہو گا۔ زندگی میں کسی نے جتنے روزے نہیں رکھے وہ ابھی رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور وعدہ کریں کہ آئندہ فرض روزے ہر صورت میں رکھیں گے۔

روزے کی اتنی فضیلت ہے کہ جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے اس کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کو (روزہ) افطار کرائے گا، اس کے گناہوں کے لیے معافی ہے اور وہ خود کو دوزخ کی آگ سے بچالے گا اور اسے روزے دار جتنا ہی ثواب ملے گا جبکہ اس روزہ دار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہو گی"۔

قرآن مجید بھی رمضان کے مہینے میں نازل ہوا۔ شب قدر بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ اسی رات کی فضیلت کے بارے میں قرآن مجید میں درج ہے کہ " شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے "(سورۃ القدر آیت نمبر 3)۔ عموماً لوگ ہزار مہینوں کے بارے میں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ یہ 83 سال اور 4 ماہ کے برابر ہیں۔ یہ حساب درست نہیں ہے کیونکہ :-

1۔ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ رات ہزار مہینوں کے برابر ہے بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اب کتنی بہتر ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

2۔ پھر ہزار کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟ وہ اس لیے کہ اس زمانے میں زیادہ تر عربوں کو ہزار تک گنتی آتی تھی (جیسا کہ گاؤں میں آج کل بھی لوگوں کو ارب یا کھرب کی سمجھ نہیں آتی) لہٰذا اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر ہوتی ہے۔ آخری عشرے سے مراد ہے اکیسویں (21) روزے سے لے کر آخری روزے تک۔ آخری عشرے کی پانچ طاق راتیں یہ ہیں 29، 27، 25، 23، 21 کی راتیں۔ اس ضمن میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی کیلنڈر میں رات پہلے آتی ہے اور دن بعد میں۔ گویا 21ویں رات کا مطلب ہے جس دن بیسواں (20) روزہ ختم ہو گا تو مغرب کی نماز کے بعد اکیسویں رات شروع ہو جائے گی۔ یہی فارمولا باقی راتوں کے لیے بھی ہے۔ یہ پانچ راتیں بہت قیمتی ہیں۔ ان میں سے ہی ایک رات یقیناً شب قدر ہے۔ عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ 27ویں کی رات ہی شب قدر ہے جبکہ اس بات کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ہے۔ جو بات مستند اور سو فیصد درست ہے وہ یہ ہے کہ ان پانچ راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر کی ہوتی ہے لہٰذا ہمیں ان پانچ راتوں میں بھرپور عبادت کرنی چاہیے، صدقہ خیرات کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ ان پانچ راتوں میں سے کون سی رات شب قدر ہے؟ انہوں نے بہت خوبصورت جواب دیا کہ قدر کرنے والوں کے لیے ہر شب ہی شب قدر ہوتی ہے۔ ہم پاکستانی کتنے خوش قسمت ہیں کہ پاکستان اسی ماہ مقدس کی ستائیسویں رات کو معرض وجود میں آیا۔

آپ روزے کے تفصیلی احکامات کا ضرور علم حاصل کریں کہ کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن چیزوں سے نہیں ٹوٹتا۔ بیمار کے لیے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حیض یا نفاس والی عورت کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟ یعنی روزے کے مکروہات، مفسدات، مستحبات وغیرہ کا مکمل علم ہونا چاہیے۔

اعتکاف

رمضان کے مہینے کے آخری عشرے میں لوگ اعتکاف بیٹھتے ہیں۔اس کی ابتداء 20ویں روزے کے اختتام سے ہوتی ہے اور عید کا چاند طلوع ہونے پر ختم ہو جاتی ہے یعنی اس اعتکاف کی مدت 9یا 10 دن ہوتی ہے۔ حضور ﷺ ہر رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپؐ کا وصال ہوا اس سال آپؐ نے 20 دنوں کا اعتکاف فرمایا۔اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔اعتکاف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان دنوں میں پوری دنیا سے رابطہ ختم کر دیا جائے حتٰی کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔اعتکاف بیٹھنا سنت کفایہ ہے یعنی کسی محلے سے اگر ایک بھی شخص اعتکاف بیٹھ گیا تو اس محلے میں سے کسی کو گناہ نہیں ہو گا لیکن اگر پورے محلے سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف نہیں بیٹھتا تو پھر سب کی باز پرس ہو گی۔اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:-

(1) واجب (یہ نذر یا منت کا اعتکاف ہوتا ہے)

(2) سنت مؤکدہ (رمضان کے آخری عشرے والا اعتکاف)

(3) مستحب یا نفلی (یہ کم سے کم وقت کے لیے بھی ہو سکتا ہے یعنی چند منٹ کا اعتکاف بھی ہو سکتا ہے اسی لیے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرنا افضل ہے)

مردوں اور عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ اعتکاف کے تفصیلی مسائل اپنی فقہ کے عالم سے معلوم کریں خصوصاً جو اعتکاف کرنا چاہتے ہیں وہ ضرور مسائل سیکھ کر ہی ایسا کریں ورنہ ان سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے گا جس سے اعتکاف ٹوٹ سکتا ہے۔

فطرانہ

صدقہ فطر کا نصاب بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے برابر روپیہ یا مال تجارت وغیرہ لیکن اس پر سال گزرنا ضروری نہیں لہٰذا فطرانہ ہر خوشحال مسلمان، مرد، عورت، بالغ پر فرض ہے۔ فطرانہ نابالغ پر بھی فرض ہے اور یہ فطرانہ ان کا باپ ادا کرے گا۔ اسی طرح سے اپنے ملازموں کا بھی صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص نے رمضان کے روزے نہیں بھی رکھے تو اس پر بھی فطرانہ ادا کرنا فرض ہے۔ یہ عید الفطر سے پہلے ہی ادا کر دینا چاہیے تاکہ یہ رقم غریب لوگوں کی عید کی خوشیوں میں ان کے کام آ سکے لیکن اگر پہلے ادا نہیں کیا تو پھر عید کی نماز سے پہلے ضرور ادا کریں لیکن اگر کسی نے عید کی نماز تک بھی ادا نہ کیا تو یہ معاف نہیں ہو جائے گا بلکہ عید کی نماز کے بعد ادا کرنا پڑے گا۔ اس سے فطرانہ تو ادا ہو جائے گا لیکن ثواب میں کمی ہو جائے گی۔

فطرانے میں گندم، جو یا کوئی غلہ دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کھجور اور کشمش (میوہ) کی صورت میں بھی فطرانہ دیا جا سکتا ہے۔ گندم کی قیمت سب سے کم بنتی ہے، جو کی اس سے زیادہ، کھجور کی جو سے زیادہ اور کشمش کی سب سے زیادہ۔ صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیے کہ گندم کی بجائے کشمش والا فطرانہ دیں۔ یہ کون سا روز روز دینا ہوتا ہے۔ بس سال میں ایک دفعہ اور وہ بھی رمضان میں دینا ہے جس میں ہر نیکی کا ویسے ہی ثواب 70 گنا ملتا ہے۔ ہر سال رمضان میں علمائے کرام حساب کر کے بتاتے ہیں کہ اس سال فطرانہ کی رقم کتنی بنتی ہے اور یہ میڈیا کے ذریعے سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔

چاند رات (انتہائی حساس معاملہ)

رمضان کا پورا مہینہ ہم خوب عبادت کرتے ہیں، باقاعدگی سے نمازیں جماعت سے پڑھ رہے ہوتے ہیں ،روزے رکھ رہے ہوتے ہیں ،ایک دوسرے کو سحریاں افطاریاں کرا رہے ہوتے ہیں،تراویح پڑھ رہے ہوتے ہیں ،صدقہ خیرات کر رہے ہوتے ہیں ،اعتکاف کر رہے ہوتے ہیں غرضیکہ ہم زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمارہے ہوتے ہیں اور گناہوں سے بچ رہے ہوتے ہیں۔ پھر شوال کا چاند نظر آجاتا ہے اور اگلی صبح عید ہوتی ہے۔ جیسے ہی شوال کا چاند نظر آتا ہے ہمارا نیکی والا ماحول فوراًبدی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے غول بازاروں کارخ کرتے ہیں اور بے پردگی اور عریانی عام ہو جاتی ہے۔ غیر محرم لڑکے جوان لڑکیوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر ان پر مہندی لگارہے ہوتے ہیں یا انہیں چوڑیاں پہنا رہے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اس رات کو بے ہودہ پارٹیاں کرتے ہیں۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

دراصل یہ رات شکر کرنے کی رات ہے کہ یااللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ رمضان کا مہینہ نصیب فرمایا۔ یہ رات تو دعا کرنے کی رات ہے اور یہ رات تو اللہ تعالیٰ سے رمضان میں کی گئی عبادتوں پر انعام حاصل کرنے کی رات ہے لیکن افسوس! اکثر لوگ سارے رمضان کی کمائی اس ایک رات میں ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ شیطان قید سے آزاد نہیں ہوا بلکہ وہ خود قید سے آزاد ہو گئے ہیں۔ آیئے! ہم عہد کریں کہ آئندہ اس قیمتی رات کو نہ صرف ہم عبادت اور دعاؤں میں گزاریں گے بلکہ جہاں تک ہمارے بس میں ہوا ہم دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں گے خصوصاً اپنے گھر والوں کو۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم 82 دفعہ آیا ہے۔

لغوی طور پر زکوٰۃ کے دو معانی ہیں:۔

1۔ پاکیزگی (زکوٰۃ دینے سے باقی مال پاک ہو جاتا ہے لیکن اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ سارا مال ناپاک اور گندا ہو جاتا ہے)۔

2۔ پھلنا پھولنا (زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پھلتا پھولتا اور بڑھتا ہے لہٰذا یہ بات شیطان ہمارے ذہنوں میں ڈالتا ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ دینے سے مال کم ہو جاتا ہے)۔

زکوٰۃ ادا کرنا کس پر فرض ہے؟

زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے درج ذیل 5 شرائط کا بیک وقت ہونا ضروری ہے:۔

1۔ مسلمان مرد یا عورت ہو (غیر مسلم پر زکوٰہ ادا کرنا فرض نہیں)

2۔ عاقل ہو (پاگل، دیوانہ، مجنون وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں)

3۔ بالغ ہو (اس سے مراد اسلامی بلوغت ہے جو کہ عموماً 13 یا 14 سال کی عمر میں آجاتی ہے۔ بلوغت کا مطلب یہ ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی شادی کرنے اور بچہ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے)

4۔ صاحب نصاب ہو (اس کی تفصیل اگلے صفحات میں درج ہے)

5۔ نصاب پر ایک سال گزر جائے۔ (سال سے مراد اسلامی سال ہے)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو سخت عذاب

قرآن مجید میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بار بار آیا ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر اس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے جو زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو دیا جائے گا مثلاً سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 180 میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 34 اور 35 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پس ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور کمریں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا)"۔ حضور ﷺ نے ایک دوسری طویل حدیث میں ارشاد فرمایا کہ داغنے کا یہ عمل حساب کتاب کے پورے دن تک چلتا رہے گا گویا جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے حساب والے دن جوں ہی وہ زندہ کیے جائیں گے ان کا عذاب شروع ہو جائے گا اور یہ عذاب ان کو اس دن کے آخری وقت تک ہوتا رہے گا گویا وہ لوگ پورا دن عذاب میں گزاریں گے بعد میں بے شک ان کے نیک اعمال زیادہ ہوں اور وہ جنت میں چلے جائیں مگر زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے عذاب کا مزہ وہ ضرور چکھیں گے۔ تو کیا حساب والا دن (یوم جزاء) ہماری اس دنیا کے ایک دن کے برابر ہو گا؟ جی نہیں! بلکہ وہ ایک دن ہماری دنیا کے پچاس ہزار سالوں کے برابر ہو گا۔

اس بارے چند احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں:-

❖ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو قوم زکوٰۃ نہیں دے گی اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا کر

دے گا۔

❖ حضور ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنے مال کی زکوٰہ ادا نہیں کرتا تو اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کی گردن سے لپٹ کر گلے کا طوق بن جائے گا اور وہ اس انسان کے جبڑوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔

صاحب نصاب سے کیا مراد ہے؟

صاحب نصاب سے مراد ہے کہ اس کے پاس ساڑھے سات تولے(87.48 گرام) سونا یا ساڑھے باون تولے (612.36 گرام) چاندی یا ان کے برابر روپیہ وغیرہ ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو وہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا۔ آیئے اس بات کو مزید آسان زبان میں سمجھتے ہیں۔ اگر ایک شخص کے پاس کچھ سونا ہے، کچھ چاندی ہے اور کچھ نقدی یعنی روپے وغیرہ ہیں۔ ان تینوں کی مالیت کو جمع کریں اگر یہ کل مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر بن جاتی ہے تو وہ شخص صاحب نصاب ہے۔ ایک اور مثال سے مدد لیتے ہیں۔ فرض کریں ایک شخص کے پاس صرف نقد روپیہ اتنا موجود ہے کہ وہ اس سے ساڑھے باون تولے چاندی خرید سکتا ہے تو وہ صاحب نصاب ہے۔ پاکستان میں ساڑھے باون تولہ چاندی کو ہی نصاب سمجھا جائے گا۔ مثال کے طور پر چاندی کی قیمت 2000 روپے فی تولہ ہے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ایک لاکھ پانچ ہزار روپے بنے گی لہٰذا جس شخص کے پاس بھی اتنی رقم ہو گی (خواہ یہ سونے، چاندی، نقدی اور سامان تجارت وغیرہ کو ملا کر ہو یا صرف نقدی ہو یا صرف سونا ہو یا سونا اور نقدی دونوں ہوں وغیرہ وغیرہ) تو وہ صاحب نصاب ہو گا اور اس پر زکوٰۃ دینا فرض ہو گی۔

کن چیزوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے؟

درج ذیل چیزوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے:۔

- سونا
- چاندی
- روپیہ یا کوئی اور کرنسی مثلاً ڈالر، ریال وغیرہ
- مال تجارت۔(یعنی جس چیز کا آپ کاروبار کرتے ہیں مثلاً آپ کی کپڑے کی دکان ہے تو دکان میں جو کپڑا پڑا ہے وہ مال تجارت ہے جبکہ دکان میں باقی چیزیں مثلاًAC ، پنکھے، کولر، کرسیاں وغیرہ سامان تجارت نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ چیزیں آپ نے فروخت کرنے کے لیے وہاں نہیں رکھی ہوئیں بلکہ وہ استعمال کی چیزیں ہیں)۔
- ان پلاٹوں، مکانوں، دکانوں، پلازوں وغیرہ پر جو آپ نے بیچنے کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔

درج بالا 5 چیزوں پر زکوٰۃ کی شرح ڈھائی فیصد ہے (یعنی ایک لاکھ پر 2500 روپے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی)۔ اب ان کی تھوڑی تفصیل میں جاتے ہیں:۔

- نقدی سے مراد ہے کہ خواہ وہ آپ کے پاس ہو یا بنک میں ہو یا وہ رقم جو آپ نے کسی سے لینی ہو۔ یہ سب جمع کر لی جائیں گی اور جو رقم آپ نے کسی کو دینی ہے وہ منہا (نفی) ہو جائے گی۔
- وہ پلاٹ جو اس نیت سے خریدا گیا ہو کہ اسے فروخت کرنا ہے۔ اس پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی جو بھی تاریخ ہے اس دن اس پلاٹ کی

قیمت معلوم کریں۔ پلاٹ پر لوگ عموماً ہر سال زکوۃ نہیں دیتے بلکہ جس سال وہ فروخت ہوتا ہے اس سال میں اس کی فروخت کی رقم شامل کر لیتے ہیں۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ پلاٹ پر ہر سال زکوۃ ادا کرنی ہو گی اس کی مارکیٹ میں جو قیمت ہو اس حساب سے۔

❖ ہر مال کا الگ الگ حساب نہیں ہو سکتا کہ کب خریدا، کیا اس پر ایک سال ہوا کہ نہیں؟ لہٰذا آپ کی زکوۃ کی جو بھی تاریخ ہے اس دن دیکھا جائے گا کہ آپ کے پاس کیا کچھ ہے؟ اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ فرض کریں میری زکوۃ ادا کرنے کی تاریخ 10 ربیع الاول ہے۔ اس سے تین دن پہلے میں نے اپنا رہائشی گھر ایک کروڑ روپے میں فروخت کر دیا۔ اب یہ ایک کروڑ کی رقم میری کل رقم میں شامل ہو جائے گی اور مجھے اس پر بھی زکوۃ ادا کرنی ہو گی۔ اب اسی مثال کو الٹا کر لیں۔ فرض کریں کہ میرے پاس تین کروڑ روپے تھے۔ میں نے 10 ربیع الاول سے ایک دن پہلے ایک کروڑ کا رہائشی گھر خرید لیا۔ رہائشی گھر پر زکوۃ نہیں ہے لہٰذا اب میں باقی کے دو کروڑ روپوں پر زکوۃ دوں گا۔

سہولت کے لیے ذیل میں زکوۃ کا ایک فرضی چارٹ بنایا جا رہا ہے۔

زکوۃ برائے سال 2022 زکوۃ کی تاریخ =10 شعبان

اثاثہ جات (Assets)

نقد رقم (جیب میں یا گھر میں یا بنک میں)	200000
سونا 2 تولے (اس دن کی قیمت)	300000
وہ رقم جو ہم نے کسی سے لینی ہے مثلاً ادھار، جی پی فنڈ وغیرہ	100000

پلاٹ(جو فروخت کی نیت سے لیا گیا ہو)	=	2500000
ٹوٹل	=	**3100000**
جو رقم میں نے کسی کی قرض دینی ہے	=	200000
200000-3100000	=	2900000
2.5×2900000 فیصد	=	72500

لہٰذا میں نے کل زکوٰۃ جو ادا کرنی ہے وہ 72500 روپے بنتی ہے۔

فصلوں، جانوروں اور معدنیات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے

- فصلوں کی پیداوار پر جسے عشر کہتے ہیں۔
- جانوروں پر
- معدنیات پر

درج بالا تینوں چیزوں پر زکوٰۃ کی شرح الگ الگ ہے۔ اس لیے ان کی تھوڑی تفصیل میں جاتے ہیں:۔

- وہ زمین جو قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہے یعنی جس کے پانی پر کوئی خرچہ نہیں آتا۔ اس کی کل فصل میں سے 10 فیصد دینا ہو گا۔ مثلاً ایسی زمین سے اگر 100 من گندم پیدا ہوتی ہے تو اس میں سے 10 من گندم بطور عشر دینا ہو گی جبکہ ایسی زمین جس کو پانی دینے کے لیے خرچہ آتا ہے مثلاً ٹیوب ویل وغیرہ تو اس کی فصل میں سے آدھا عشر ہو گا یعنی پانچ فیصد۔ مثلاً ایسی زمین سے اگر 100 من گندم پیدا ہوتی ہے تو اس میں سے 5 من گندم بطور عشر دینا ہو گی۔ نقدی، سونے چاندی وغیرہ پر تو سال میں ایک بار زکوٰۃ ادا کرنا ہوتی ہے لیکن عشر کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ عشر ہر فصل پر ادا کرنا فرض ہوتا ہے نیز کل پیداوار میں

سے پیداواری اخراجات نکال کر عشر نہیں دیا جائے گا بلکہ ساری پیداوار پر عشر دینا ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی عشر کی کافی شرائط ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔

- 39 بکریوں یا 39 بھیڑوں تک زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان سے زیادہ بھیڑوں یا بکریوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے (اس کی کافی شرائط ہیں)۔
- چار اونٹوں تک زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان سے زیادہ اونٹوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے (اس کی کافی شرائط ہیں)۔
- 29 گائے یا 29 بھینسوں تک زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان سے زیادہ گائے یا بھینسوں پر زکوٰۃ دینا فرض ہے (اس کی کافی شرائط ہیں)۔
- معدنیات پر 20 فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے (اس کی کافی شرائط ہیں)۔

کن چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے

مندرجہ ذیل اشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہے:۔

(These are exempted from Zakat)

- ذاتی گھر
- گھریلو استعمال کی چیزیں مثلاً فرنیچر، فریج، ٹی وی، اے سی، واشنگ مشین، برتن، پہننے والے کپڑے وغیرہ
- ایسا پلاٹ جو اس نیت سے خریدا گیا ہو کہ اسے فروخت نہیں کرنا بلکہ اس پر مستقبل میں گھر بنانا ہے۔
- ذاتی گاڑی یا سواری جیسے کار، موٹر سائیکل، جہاز یا گھوڑا وغیرہ (جو استعمال میں ہو)۔
- پہننے والے ہیرے (لیکن اگر آپ ہیروں کی تجارت کرتے ہیں تو پھر وہ مال

تجارت ہے اور ان پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی)۔

- ایسی رقم، سونا، چاندی وغیرہ جو آپ کے پاس کسی نے امانت کے طور پر رکھاہوا ہو۔
- وہ گھر یا گاڑیاں وغیرہ جو آپ نے کرائے پر دیے ہوئے ہوں۔ ان پر بذات خود تو زکوٰۃ نہیں ہے یعنی ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ ان سے جو آمدن ہو گی وہ آپ کی کل آمدن میں شامل ہو جائے گی اور پھر خرچے نکال کر سال کے آخر میں دیکھا جائے گا کہ آپ پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں۔

قابل زکوٰۃ مدات اور اشیاء میں علمائے امت میں کچھ اختلاف ہے مثلاً امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور کچھ دیگر فقہاء کے نزدیک پہننے والے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ثوریؒ اور کچھ دیگر فقہاء کے مطابق ان پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اس سلسلے میں بہتر یہ ہو گا کہ احتیاط والا پہلو اختیار کیا جائے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ پہننے والے زیورات پر بھی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اگر واجب الادا سے زائد زکوٰۃ ادا ہو گئی تو فالتو رقم صدقہ اور خیرات کے زمرے میں آجائے گی۔ اگر زکوٰۃ کی گنتی سے کم زکوٰۃ ادا کی گئی تو وہ کمی باقی رہ جائے گی جس کا بڑا عذاب ہو گا۔

وارننگ (زکوٰۃ ادا کی لیکن زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی)

- زکوٰۃ کے بارے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ ایک مشہور صوفی بزرگ کا میں نے خود وڈیو بیان سنا ہے کہ جو کوئی بھی سوال کرے اسے زکوٰۃ دے دیں خواہ وہ اس کا حقدار ہو یا نہ ہو کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے کیا ہم اس کے حقدار ہیں؟ اب سننے میں تو یہ بات بڑی زبردست لگتی ہے لیکن یہ اسلام کے اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھیں! زکوٰۃ، فطرانہ اور عشر وہ ٹیکس ہیں

جو امیروں نے ہر صورت میں ادا کرنے ہوتے ہیں اور یہ غریبوں کا حق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں لکھ دیا ہے۔ ہم ان غریبوں کا حق مار کر بھلا کسی اور کو کیسے دے سکتے ہیں ؟ اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ فرض کریں کہ آپ لاہور میں رہتے ہیں اور آپ ملتان جا رہے ہیں۔ آپ کی جیب میں 20 ہزار روپے ہیں۔ اب میں آپ کو 30 ہزار روپے دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ملتان میں آپ یہ رقم اکرم ولد علی کو دے دینا اور اکرم ولد علی کو آپ پہلے سے جانتے ہوتے ہیں۔ اب آپ کی جیب میں کل کتنی رقم ہو گئی ؟50 ہزار۔ مگر اس میں سے آپ کی اپنی کتنی ہے ؟20 ہزار۔ گویا 30 ہزار ہے تو آپ کی جیب میں لیکن وہ آپ کا نہیں ہے۔ اب کیا آپ کو اختیار ہے کہ یہ 30 ہزار جس کو چاہیں آپ دے دیں؟ ہر گز نہیں۔ آپ صرف اکرم ولد علی رہائشی ملتان کو ہی وہ 30 ہزار دے سکتے ہیں یا مجھے واپس کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے زکوٰۃ کے حق داروں کی رقم اللہ تعالیٰ نے میرے مال میں شامل کر دی ہے لیکن وہ رقم میری نہیں ہے۔ تو پھر کسی حقدار کا حق مار کر کسی دوسرے کو کیسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے ؟ غور فرمائیں کہ یہ اتنا نازک مسئلہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز کی رکعتیں تو درج نہیں فرمائیں لیکن زکوٰۃ کے مستحقین کی پوری تفصیل سورۃ توبہ کی آیت نمبر 60 میں بیان کر دی ہے لہٰذا اگر آپ نے ان 8 جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ زکوٰۃ دے دی تو سرے سے آپ کی زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوئی۔ ایک اور چھوٹی سی مثال سے بھی سمجھیے۔ اسلام کی رو سے زکوٰۃ سے مسجد تعمیر نہیں کرائی جا سکتی۔ اب اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے مسجد تعمیر کرا دے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ لہٰذا جتنا زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف مستحق لوگوں تک پہنچے۔ مستحق وہی ہو گا جو

صاحب نصاب نہ ہو۔ اس سلسلے میں مکمل چھان بین کرنا زکوۃ ادا کرنے والے کی ذمہ داری ہے۔ ہم عام طور پر اپنے گھریلو ملازمین کو زکوۃ دے دیتے ہیں جبکہ ان میں سے بعض کی اچھی خاصی زمین ہوتی ہے اور وہ صاحب نصاب بھی ہوتے ہیں لہٰذا ان کو دی جانے والی رقم سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ ہاں! جو واقعی غریب ملازم ہیں ان کو ضرور زکوۃ دیں۔

❖ کم علمی کی وجہ سے ایسے بے شمار بدقسمت لوگ بھی ہیں جو سارا سال غریب لوگوں کو پیسے دیتے رہتے ہیں لیکن ان کے ذمہ واجب الادا زکوۃ ادا نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص کی کپڑوں کی دکان ہے۔ اس کی سالانہ زکوۃ ایک لاکھ روپے بنتی ہے۔ اب وہ سارا سال بھکاریوں کو پیسے دیتا رہتا ہے اور 1 لاکھ 20 ہزار روپے دے دیتا ہے۔ تو کیا اس کی زکوۃ ادا ہو گئی ہے؟ اس کا جواب ہے۔ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھکاری عادی اور پروفیشنل ہوتے ہیں اور اکثر صورتوں میں بہت امیر ہوتے ہیں۔ ان کو وہ کپڑوں کی دکان والے صاحب جانتے بھی نہیں ہوتے لہٰذا صرف اور صرف حقدار کو ہی زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ ان عادی بھکاریوں کو زکوۃ ہرگز نہیں دی جاسکتی نیز ان کو تو صدقہ اور خیرات دینا بھی گناہ ہے۔

❖ زکوۃ کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ یہ بیواؤں اور یتیموں کو ہی دی جائے۔ ہرگز ایسا درست نہیں ہے۔ زکوۃ دراصل "غریبوں" کو دی جاتی ہے نہ کہ لازمی طور پر بیواؤں اور یتیموں کو۔ ایسی بیوہ یا یتیم جو خود امیر ہو اور صاحب نصاب ہو اس پر فرض ہے کہ وہ زکوۃ ادا کرے۔ دراصل زکوۃ کے صرف آٹھ مصارف ہیں۔ جو قرآن مجید کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر 60 میں بیان کیے گئے ہیں۔

مصارف زکوٰۃ

(1) فقراء (ایسے لوگ جن کے پاس گزر بسر کے لیے کچھ نہ ہو)

(2) مساکین (ایسے لوگ جن کے جائز اخراجات زیادہ ہوں مگر ان کی آمدنی کم ہو)

(3) عاملین (زکوٰۃ کے محکمے کے ملازمین)

(4) مؤلفۃ القلوب (اس سے مراد وہ کافر ہے جس سے امید ہو کہ وہ مال لے کر مسلمان ہو جائے گا یا اگر وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اس سے رک جائے گا)۔ مؤلفۃ القلوب کے علاوہ کسی کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

(5) رقاب (غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے)

(6) غارمین (قرض دار)

(7) فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں)

(8) مسافر

آپ نے دیکھا کہ ان میں بیوہ یا یتیم کا نام درج نہیں ہے لہٰذا اصول یہ طے پایا کہ اگر بیوہ یا یتیم درج بالا 8 مدوں میں شامل ہوں گے تو وہ زکوٰۃ لینے کے حقدار ہوگے اور اگر وہ امیر ہوں گے تو انہیں زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس سلسلے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ غیر مستحق لوگوں کو دی جانے والی زکوٰۃ دراصل زکوٰۃ تصور ہی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کی کفالت آپ کی ذمہ داری ہے انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی جیسے والدین، اولاد۔ شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا لیکن بیوی اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ اسی طرح سے غریب بہن بھائیوں کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ زکوٰۃ سے مسجد تعمیر نہیں کرائی جا سکتی۔

زکوٰۃ کے بارے میں چند مزید نکات

- زکوٰۃ کے بارے میں ایک بنیادی غلط فہمی یہ بھی ہے کہ یہ صرف رمضان کے مہینے میں دی جاسکتی ہے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ ہر شخص کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاریخ الگ الگ ہوتی ہے۔ جس تاریخ کو کوئی شخص پہلی دفعہ صاحب نصاب ہوا، اس کے ٹھیک ایک سال بعد اس شخص پر پہلی دفعہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو جائے گی اور وہ ہر سال اسی تاریخ کو اپنی واجب الادا زکوٰۃ کا حساب کرے گا۔ دراصل رمضان میں بھکاری یہ آواز لگاتے ہیں کہ "یہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے۔ ہماری مدد کرو"۔ اسی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی۔
- یہاں سال سے مراد اسلامی سال ہے جو انگلش کیلنڈر سے چند دن کم ہوتا ہے یعنی جس اسلامی تاریخ کو زکوٰۃ دی، اگلے سال اسی ماہ کی اسی تاریخ کو سال پورا ہو جائے گا اور زکوٰۃ دینا ہو گی۔
- آپ پوری دنیا کے نظام ہائے ٹیکس کا جائزہ لے لیں۔ زکوٰۃ کی شرح ان میں سب سے کم ہے۔ پوری دنیا میں اڑھائی فیصد (شرح زکوٰۃ) سے کئی گنا زیادہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اور پھر آمدنی جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے تو ٹیکس کی شرح میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ سارے سال کے اخراجات نکال کر آپ کی بچت پر لاگو ہوتی ہے۔ جب کہ دنیاوی ٹیکس آپ کی کل آمدنی پر لاگو ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کو ساٹھ ہزار روپے تنخواہ ملی تو حکومت نے اس پر ٹیکس کاٹ لیا۔ اب باقی رقم سے آپ کا گزارا چلے یا نہ چلے۔ آپ کو بیماری یا کسی دیگر ضرورت کی وجہ سے ادھار ہی کیوں نہ لینا پڑے آپ کے ٹیکس میں کوئی کمی نہیں ہو گی لیکن زکوٰۃ کے سلسلے میں

ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ نے سال میں ایک کروڑ روپے کمائے اور ایک کروڑ ہی خرچ کر دیے اور آپ صاحب نصاب نہیں رہے تو آپ پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

❖ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر پاکستان سے باقی سارے ٹیکس ختم کر دیے جائیں اور زکوٰۃ و عشر پوری مقدار میں وصول کیا جائے اور اسے مستحقین تک پوری ایمانداری سے پہنچایا جائے تو صرف تین چار سالوں کے بعد زکوٰۃ لینے والوں کو تلاش کرنا ایک مسئلہ بن جائے گا اور ہم سب جانتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں عملی طور پر ایسا ہو چکا ہے۔ دنیا کے خوشحال ممالک نے اسلام کے نظام زکوٰۃ سے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ میں نے ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں دیکھا کہ وہاں کے فیڈرل بورڈ آف ریونیو کا نام SAKAT تھا جو لفظ ZAKAT (زکوٰۃ) سے ہی لیا گیا ہے۔

❖ زکوٰۃ بیک وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے زمرے میں آتی ہے۔ زکوٰۃ جب مستحقین تک نہیں پہنچتی تو غریبوں کی عزتیں نیلام ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور وہ معاشرہ ایک بیمار معاشرہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان قبائل (عبس، ذبیان، کنانہ اور فزارہ وغیرہ) کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔

ہم لوگ جو آج زندہ ہیں کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہم فوری طور پر توبہ کر سکتے ہیں۔ مگر صرف زبانی کلامی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اصلی توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگی جائے اور پچھلی تمام عمر کی واجب الادا زکوٰۃ کا حساب کر کے فوری ادائیگی کی جائے اور مستقبل میں بروقت اور پوری زکوٰۃ ادا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرما دے گا۔ (اِن شاءاللہ) لیکن خدارا! عملی توبہ کرنے میں دیر مت کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی

کا دیا بجھ جائے اور اگلے جہان ہم کف افسوس ہی ملتے رہ جائیں۔ یہ مستند اور آزمائی ہوئی بات ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ ادا کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور مال پاک ہو جاتا ہے اور اس میں برکت بھی بڑھ جاتی ہے۔

گزارش

یہ بہت طویل موضوع ہے۔ اختصار کی خاطر یہاں صرف چند مثالیں دی گئی ہیں۔ صاحب نصاب مسلمان پر زکوٰۃ سے متعلق علم حاصل کرنا فرض ہے کہ زکوٰۃ کن چیزوں پر دینی ہوتی ہے، کون سی اشیاء پر زکوٰۃ لاگو نہیں ہوتی، زکوٰۃ کی شرح کیا ہے؟ کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ کن لوگوں اور کن مدات پر زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی وغیرہ وغیرہ؟ اس کے علاوہ تملیک اور دیگر مسائل کا جاننا بھی ضروری ہے۔ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ کے تفصیلی احکام اپنے فقہ کے عالم اور کتابوں سے لازمی معلوم کریں۔

نوٹ

اگر آپ اپنی زکوٰۃ کا حساب کرانا چاہتے ہیں تو آپ ہم سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں:۔

❖ فون نمبر 0344-1182211 پر کال کریں یا SMS کر دیں یا

voice message بھیج دیں **یا**

اس ای میل پر لکھ بھیجیں hik78692@gmail.com

حج

نماز، روزے اور زکوٰۃ کی طرح حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ ہر مسلمان، عاقل، بالغ اور جو صاحب استطاعت ہو یعنی اس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو، اس کی صحت بھی اجازت دیتی ہو اور وہ قید وغیرہ بھی نہ ہو تو اس پر پوری زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ اگر ایسا شخص ایک دفعہ بھی حج نہ کرے تو اس کو قرآن و حدیث میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

- جسے کسی بیماری یا کسی واقعی ضرورت نے یا کسی ظالم حکمران نے نہ روک رکھا ہو۔ اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی مرے یا چاہے عیسائی۔
- جو کوئی اللہ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دوران حج فسق وفجور سے باز رہتا ہے۔ وہ گناہوں سے پاک ہو کر اسی طرح لوٹتا ہے گویا اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان پر جزیہ لگا دوں کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں“۔

حج کے بارے میں درج ذیل چند گزارشات پر ضرور غور فرمائیے گا:۔

- ❖ مالی استطاعت کی بھی اسلام میں وضاحت موجود ہے۔ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے گھر کا صحن بڑا ہو اور فالتو صحن کی جگہ فروخت کرکے وہ حج کر سکتا ہو تو وہ اسے لازمی فروخت کرے اور حج پر جائے۔
- ❖ بدقسمتی سے پاکستان میں رواج ہے کہ حج بڑھاپے میں کیا جاتا ہے تاکہ حج سے واپسی کے بعد بندہ کوئی گناہ نہ کرے۔ یہ بالکل غلط طریقہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے وسائل

دیے ہیں تو جوانی میں حج کریں۔ اس سے آپ بھرپور طریقے سے حج کی عبادتیں کر سکیں گے۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ آپ لمبا عرصہ زندہ رہیں گے اور مستقبل میں دولت بھی آپ کے پاس رہے گی۔ اس لیے حج ترجیحی بنیادوں پر کریں۔

❖ حج کے بارے میں شیطان کی انوکھی چال بھی عرض کرتا چلوں۔ میں نے خود کئی لوگوں سے یہ بات سنی ہے کہ میں اتنا گناہگار ہوں، میں کس منہ سے مکے مدینے جاؤں! بھائی، یہ ترتیب ہی غلط ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ پہلے آپ بہت نیک پاک ہو جائیں اور پھر حج پر جائیں۔ صحیح ترتیب یہ ہے کہ آپ حج پر جائیں، آپ کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور آپ نیک پاک ہو کر واپس آئیں گے۔ ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ واشنگ مشین میں ہم گندے کپڑے ڈالتے ہیں یا صاف؟ اس کا جواب ہے گندے کپڑے۔ حج (اور عمرہ) تو مسلمانوں کے لیے واشنگ مشین ہے۔ اس میں گندے اور گناہگار لوگ جاتے ہیں اور بالکل دُھل کر، پاک صاف ہو کر واپس آتے ہیں۔ جن لوگوں پر حج فرض ہے۔ براہ مہربانی پہلے وہ حج نہ کرنے پر توبہ کریں اور ابھی پکا فیصلہ کریں کہ وہ اگلا حج لازمی کریں گے۔

❖ یہاں پر ایک گزارش علمائے کرام سے بھی کرنی ہے کہ وہ حج والے دن سے جڑے ہوئے جمعے کے خطبات میں حج کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ اس کے کئی ماہ بعد حج کی درخواستیں وصول کی جاتی ہیں۔ تب تک اس وعظ کا اثر ختم ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جب حج کی درخواستوں کا اعلان ہو تو اس وقت علمائے کرام لوگوں کو حج کی ترغیب دیں۔

نوٹ۔ جو لوگ حج یا عمرہ پر جائیں وہ روانگی سے پہلے متعلقہ احکامات کسی مستند عالم یا کتاب سے اچھی طرح معلوم کر لیں۔ آج کل کافی ادارے اس بارے میں باقاعدہ ٹریننگ بھی دیتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ یہ ٹریننگ حاصل کر لی جائے۔

حقوق اللہ کے معاملے میں ایک بنیادی غلط فہمی

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق (حقوق اللہ) تو معاف کر دے گا لیکن انسانوں کے حقوق (حقوق العباد) تب تک معاف نہیں کرے گا جب تک وہ بندہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو خود نہ معاف کر دے۔ یوں یہ حضرات حقوق العباد پر تو زور دیتے ہیں لیکن حقوق اللہ کی اہمیت کو کم کر دیتے ہیں۔ اب ذرا پہلے فقرے پر دوبارہ غور فرمائیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف کر دے گا"۔ اللہ تعالیٰ پابند تو نہیں ہے کہ وہ لازمی اپنے حقوق معاف کر دے۔ ہاں اگر وہ چاہے تو معاف فرما دے گا لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ دونوں حقوق ہم پر لازم ہیں۔

ایک دوسرے کی خیر خواہی

مسلمانوں پر ایک دوسرے کی خیر خواہی فرض کر دی گئی ہے۔ اس سے ہمارے ایک دوسرے سے تعلقات گہرے ہوتے ہیں اور معاشرہ امن اور خوشحالی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی جانی اور مالی قربانی بھی دینی پڑے تو ایسا کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے لیکن اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور معاشی مدد کچھ خرچ کیے بغیر بھی کی جا سکتی ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بغیر کچھ خرچ کیے ہم دوسروں کو کیسے فائدہ دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرض کریں آپ کے اور آپ کے پڑوسی کے بچے ایک ہی سکول میں پڑھتے ہیں مگر وہ الگ الگ ٹیکسی یا رکشا میں جاتے ہیں جبکہ وہ ایک گاڑی میں سما سکتے ہیں۔ اگر آپ ایک رکشا یا ٹیکسی لگوا لیں تو دونوں کو پیسے کی بچت ہو گی یا اپنی اپنی کار میں بھی جانا ہے تو پندرہ دن ایک شخص سارے بچوں کو سکول چھوڑے

اور پندرہ دن دوسرا۔ یوں دونوں کو پٹرول اور وقت کی بچت ہو گی۔ اگر آپ کے کسی پڑوسی کا تعلق ایسے علاقے سے ہے جہاں دالیں پیدا ہوتی ہیں تو وہ اپنے پڑوسیوں کو سستی دالیں لا کر دے سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی سستے چاول، کوئی سستی گندم، کوئی سستا فروٹ لا کر دے سکتا ہے۔ اگر آپ کا پڑوسی بینک میں کام کرتا ہے تو آپ اپنے بل جمع کرانے کے لیے اسے دے دیں یوں آپ کو بینک کے باہر لائن میں کھڑا نہیں ہونا پڑے گا اور آپ کا وقت اور پیسہ بھی بچے گا جبکہ اس بنک والے صاحب کا کچھ خرچ نہیں ہو گا۔ آپ کسی کو سفر کے لیے اپنی گاڑی یا موٹر سائیکل پر لفٹ دے سکتے ہیں، کسی کو سڑک پار کروا سکتے ہیں، کسی ان پڑھ کی درخواست لکھ سکتے ہیں، کسی کو راستہ بتا سکتے ہیں اور ممکن ہو تو منزل تک چھوڑ سکتے ہیں، پیاسوں کے لیے پانی کا بندوبست کر سکتے ہیں، راستے سے کانٹے یا پتھر ہٹا سکتے ہیں، کسی کو پڑھا سکتے ہیں، کسی کا وزن اٹھا سکتے ہیں، کسی تنہا شخص کے ساتھ گپ شپ کر سکتے ہیں، کسی کو اچھا مشورہ دے سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کی ہزاروں صورتیں ہیں۔ دراصل ایک گلی میں رہنے والوں کا آپس میں تعارف ہونا چاہیے تب ہی یہ سب کام ممکن ہیں۔ اگر لوگ جماعت سے نماز ادا کریں تو ایک دوسرے سے تعارف خود بخود ہو جائے گا۔

اس طرح کے بے شمار کام ہیں جن پر یا تو کوئی خرچہ نہیں آتا یا بہت کم رقم خرچ کر کے آپ یہ نیکیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ بس یہ آپ کی سوچ کی بات ہے۔ ان سب کاموں کا بہت ثواب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا کسی حد تک شکرانہ بھی ہے۔ جو شخص لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سب کام آسان بنا دیتا ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کی مدد اور خیر خواہی کرنا شروع کر دیں تو ہم سب کی زندگی جنت بن جائے گی۔ آپ آزما کر دیکھ لیں۔ یہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی برکتیں ہیں۔

والدین کے حقوق

ہم پر دو قسم کے حقوق ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ) انہیں حقوق اللہ کہتے ہیں اور دوسرے انسانوں کے حقوق جنہیں حقوق العباد کہتے ہیں۔ حقوق العباد میں سب سے پہلے نمبر پر والدین کے حقوق آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے تاکید فرمائی ہے کہ ہم اپنے والدین کا حد درجہ ادب، احترام، خدمت گزاری اور اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 اور 24 میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”اور والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو، ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو بلکہ ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرو۔ اور ان کے سامنے شفقت اور انکساری کے ساتھ جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا“۔ اسی سورۂ کی اگلی آیت میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر ماں باپ کے حق میں غلطی سے کبھی کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو فوراً توبہ کریں، اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ اگر آپ پہلے سے والدین کے حقوق ادا کر رہے ہیں تو آپ بہت خوش قسمت ہیں لیکن اس سلسلے میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہے تو فوراً توبہ کریں۔ (توبہ کی تین شرائط اور توبہ کے طریقے کے بارے میں کتاب میں علیحدہ باب موجود ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیں)۔

جیسا کہ درج بالا سطور میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 23 میں ارشاد فرمایا: وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ یہ الفاظ (وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا) قرآن مجید کی کئی سورتوں میں آئے ہیں مثلاً سورۂ النساء آیت نمبر 36، سورۂ الانعام آیت نمبر 151، سورۂ بنی اسرائیل

آیت نمبر 23۔اس سے اندازہ کرلیں کہ والدین کے حقوق کے بارے ہم پر کتنی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

والدین کے حقوق کے بارے میں آقا کریم حضور ﷺ کے چند درج ذیل ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

- حضور ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا کون شخص مستحق ہے؟ آپؐ نے فرمایا "تیری ماں"۔اس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا اور آپؐ نے ہر بار یہی فرمایا " تیری ماں"۔جب اس نے چوتھی مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو آپؐ نے فرمایا " تیرا باپ"۔
- حضور ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے۔
- حضور ﷺ سے ایک شخص نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا۔ جی ہاں! اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ چمٹے رہو (یعنی اس کی خدمت کرو) کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔
- حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص خوار ہوا جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔
- حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں سب سے بڑے گناہ تین ہیں۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا ، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔
- حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ تین کام سب سے زیادہ پسند ہیں۔ وقت پر نماز پڑھنا ، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور جہاد کرنا۔ گویا والدین کے ساتھ حسن سلوک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بھی افضل ہے۔

ماں اور باپ کو ایک دفعہ محبت سے دیکھنے کا ثواب ایک مقبول حج کے برابر ہے۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم والدین کا ادب کریں، ان سے نرمی سے پیش آئیں اور انہیں اف تک نہ کہیں۔ میں چند ایسے سرکاری افسروں کو جانتا ہوں جنہوں نے والدین کی خدمت کی خاطر بڑی اعلیٰ پوسٹنگ قبول نہ کیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد میں اس سے بڑے رتبے والی پوسٹنگ سے نوازا۔ جن لوگوں نے والدین کی خدمت کی ان کی دین دنیا سنور گئی اور جنہوں نے نافرمانی کی وہ تباہ ہو گئے۔ والدین کی کفالت اولاد پر فرض ہے۔ کچھ بدبخت ایسے ہیں کہ خود اور بیوی بچوں پر تو کھلا خرچہ کرتے ہیں بلکہ عیاشی کرتے ہیں مگر اپنے والدین کو روکھی سوکھی کھلاتے ہیں اور ان کی دوائی اور باقی ضروریات کا بھی پوری طرح سے خیال نہیں رکھتے۔ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام میں آپ کی آمدنی پر سب سے پہلا حق آپ کا نہیں ہے بلکہ آپ کے والدین کا ہے۔ اس کے بعد آپ کا اور آپ کے بیوی بچوں کا حق ہے۔

والدین کے حقوق کے سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان نہ بھی ہو تو بھی ان کے حقوق وہی رہیں گے۔ اولاد پر فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کا ادب کرے، انہیں اف تک نہ کہے، انہیں ہرگز نہ جھڑکے، ان کی خدمت میں ہاتھ باندھ کر کھڑا رہے اور اپنے اور اپنی بیوی بچوں سے پہلے ان کی ضروریات پر خرچ کرے۔ ہاں! اگر وہ اسلام کے خلاف کوئی حکم دیں تو وہ کسی صورت نہیں ماننا چاہیے۔

والدین کے حقوق کے بارے میں ایک اور بھی گزارش کرنی ہے۔ ہمارے ہاں ماں کے حقوق پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے جو بالکل درست ہے لیکن باپ کے حقوق پر بہت کم بحث کی جاتی ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ اسلام نے زیادہ تر "والدین" یعنی ماں اور باپ دونوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے البتہ جہاں ماں اور باپ کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے وہاں اپنی اپنی

جگہ پر دونوں کی فضیلت بیان ہوئی مثلاً حضور ﷺ کی درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:۔

❖ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

❖ اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے۔

گویا دونوں کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں والدہ کا از حد احترام کیا جائے وہاں والد کے ساتھ بھی انتہائی ادب اور فرمابرداری کا رویہ روا رکھا جائے۔ اگر خدانخواستہ کبھی والد اور والدہ کے درمیان لڑائی ہو جائے تو نہایت ادب سے دونوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جائے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے کہ کسی ایک فریق یعنی والد یا والدہ کی طرف داری کرتے ہوئے دوسرے کے ساتھ بدتمیزی کی جائے۔ یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

اولاد کے حق میں سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا اس کے باپ کی ہے۔ کسی شخص کے باپ سے بڑھ کر کوئی ولی اللہ نہیں جس کی دعا اس کے حق میں زیادہ مقبول ہو۔ بدقسمتی سے کچھ لوگ باپ سے تو سیدھے منہ بات نہیں کرتے لیکن دوسرے لوگوں سے نہایت ادب سے گزارش کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ان کے لیے دعا کریں۔

کچھ ایسے بھی بدقسمت ہیں کہ جب ان کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی خدمت کرنا اپنے لیے عذاب سمجھتے ہیں اور انہیں اولڈ ایج ہوم (Old Age Home) میں چھوڑ آتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے والدین نے انہیں کتنی مشقتوں سے پالا پوسا، بڑا کیا، پڑھایا، لکھایا، جوان کیا؟ کچھ ایسے بھی بدبخت ہیں جو اچھے خاصے امیر ہوتے ہیں مگر اپنے بوڑھے والدین کو گھر سے نکال دیتے ہیں اور کچھ ان پر جسمانی اور ذہنی تشدد بھی کرتے ہیں۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ ایسے لوگوں کو فوری طور پر توبہ کرنی چاہیے اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جب وہ بوڑھے ہو جائیں گے تو ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گی جیسا وہ اپنے والدین کے ساتھ کر رہے ہیں۔

میاں بیوی کے حقوق

میاں اور بیوی مل کر خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں۔ خاندان مل کر معاشرہ بناتے ہیں اور پھر ملک بن جاتا ہے لہٰذا اسلام نے خاندان کے دونوں پہیوں یعنی میاں اور بیوی کے حقوق و فرائض اچھی طرح سے واضح کر دیے ہیں۔ شوہر پر فرض ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ انتہائی شفقت، پیار اور نرمی کا سلوک کرے۔ کبھی اس کی عزت نفس کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ اگر اسے کچھ سمجھانا بھی ہو تو علیحدگی میں حکمت اور پیار سے سمجھائے۔ آپ خود اندازہ کریں کہ ایک لڑکی اپنے ماں، باپ، بہنوں، بھائیوں اور خاندان کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے پاس آتی ہے تو اس کی اتنی بڑی قربانی کی کیوں نہ قدر کی جائے۔

اسلام میں بیوی بچوں کی کفالت کی مکمل ذمہ داری خاوند پر ہے۔ خاوند پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی بچوں کے لیے روزی کمائے۔ اگر بیوی کی آمدنی بھی ہے مثلاً اس کی کوئی ملازمت ہے یا کاروبار یا کسی جائیداد کا کرایہ وغیرہ تو خاوند اس سے وہ رقم نہیں لے سکتا۔ اس لیے مہر ادا کرنا اور گھر کا خرچ چلانا مرد کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہند نے فتح مکہ کے موقع پر جب اسلام قبول کیا اور اس سے حضور ﷺ چوری نہ کرنے کی بیعت لے رہے تھے تو اس نے عرض کیا کہ ”میرا خاوند (حضرت ابو سفیانؓ) بہت کنجوس ہے۔ یہ جو گھر کا خرچہ دیتے ہیں اس سے میری اور میرے بچوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو کیا میں ان کے مال سے کچھ چوری چھپے لے سکتی ہوں؟“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! مگر اتنا جو تمہارے اور بچوں کے اخراجات کے لیے کافی ہو۔ یہاں سے یہ اسلامی مسئلہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ اگر خاوند بیوی بچوں کو پورا خرچہ نہ دے تو بیوی حسب ضرورت اس کو بتائے بغیر اتنا مال لے سکتی ہے جس

سے اس کی اور اس کے بچوں کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے اچھا ہو اور میں تم سب میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے اچھا ہوں"۔ آپؐ نے اپنی بیویوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ بلکہ دوستانہ ماحول رکھا تھا مثلاً آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ بھی کیا۔ حضور ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ مذاق بھی فرماتے تھے۔ آپؐ اپنی بیویوں کو اسلام کی تعلیمات بھی دیتے تھے۔ آپؐ ان کی لغزشوں سے درگزر فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ چونکہ کم عمر تھیں اس لیے ان کا گوندھا ہوا آٹا بکری کھا گئی تو آپؐ نے کچھ بھی نہیں کہا۔ آپؐ اپنی بیویوں کے ساتھ گھریلو کاموں میں مدد بھی کراتے تھے۔ آپؐ کھانا کھاتے ہوئے نوالے بنا کر اپنی بیویوں کو خود اپنے ہاتھ سے کھلاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پانی پیا۔ اس کے بعد آپؐ نے پیالے کی اسی جگہ سے پانی پیا جہاں حضرت عائشہؓ کے لب مبارک لگے تھے۔ وصال سے چند لمحے پہلے آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے منہ میں مسواک چبا کر دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہی مسواک آپؐ نے استعمال فرمایا۔ بد قسمتی سے حرام رشتوں میں (جنہیں آج کل Girl Friend , Boy Friend کہا جاتا ہے) تو لوگ پیار و محبت کی آخری حدوں کو چھو جاتے ہیں لیکن بیوی کے ساتھ بڑا سنجیدہ رویہ رکھتے ہیں۔ اگر سنت رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے بیوی کے ساتھ لاڈ پیار اور محبت کا رشتہ رکھا جائے تو گھر یقیناً جنت کا منظر پیش کرے گا اور کسی حرام رشتے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

بیوی کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے خاوند کی مکمل اطاعت کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے"۔ بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال اور اس کی آبرو

(عزت) کی حفاظت کرے۔ آبرو کی حفاظت یوں کرے کہ اپنے شوہر کی برائیاں لوگوں کے سامنے نہ کرتی پھرے۔ بیوی پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کرے اور کسی غیر محرم مرد سے کوئی رابطہ ہر گز نہ رکھے ماسوائے انتہائی مجبوری کے۔ آج کل عورتوں نے سوشل میڈیا پر اپنے الگ اکاؤنٹ بنائے ہوئے ہیں اور ان کے سیکڑوں ہزاروں مرد دوست (Male Friends) ہوتے ہیں جن کا شوہر کو علم ہی نہیں ہوتا۔ یہ سب اسلام کے خلاف ہے۔

مرد اور عورت کے قانونی حقوق برابر ہیں البتہ اسلام نے مرد کو عورت پر تھوڑی سی برتری دی ہے کہ اسے "قوام" یعنی حاکم قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب ہر گز نہیں کہ وہ بیوی کو مارتا پیٹتا رہے اور گھر میں ایک جابر حکمران بن بیٹھے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ " بیوی کا اس کے خاوند پر کیا حق ہے ؟ آپؐ نے فرمایا۔ جو خود کھائے تو اس کو بھی کھلائے، جو خود پہنے تو اس کو بھی پہنائے، اس کے منہ پر تھپڑ نہ مارے، اسے برا بھلا نہ کہے اور نہ اسے اپنے گھر سے نکالے "۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ میاں بیوی میں جب لڑائی ہوتی ہے تو میاں اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے البتہ اگر عورت سرکشی کرے اور سمجھانے پر بھی درستی کی طرف نہ آئے تو پھر خاوند کو اجازت ہے کہ وہ اس کا کمرہ الگ کر دے یعنی اس کے ساتھ سونا ترک کر دے۔

ایک اور اہم نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ بعض عورتیں ضدی ہوتی ہیں اور ان کے خاوند سختی کر کے اور مار پیٹ کر ان کو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ نے جو فارمولا عطا فرمایا ہے وہ کچھ اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی جس سے اس کے اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ تم کام لے سکو تو لے سکتے ہو۔ اگر اس کو سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو تم اس کو توڑ ڈالو گے"۔

یہاں حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہم سب کی ماں اماں حواؑ کے والدین تو نہیں تھے بلکہ انہیں حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ مگر اسی حالت میں ساری زندگی جسم کے لیے مفید رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ النساء کی آیت نمبر 19 میں ارشاد فرمایا۔ "اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو اور اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو (بے قابو نہ ہو جاؤ) ہو سکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اس میں اللہ نے تمہارے لیے بہت کچھ بہتری رکھ دی ہو"۔ اسی بات کو حضور ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔ "اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو کیونکہ غور کرو گے تو اس میں کوئی دوسری اچھی بات نکل آئے گی"۔

حضور ﷺ نے بیویوں کو مارنے پیٹنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور کچھ شوہر اپنی بیویوں پر وحشیانہ تشدد کرتے ہیں خصوصاً ان عورتوں پر جن کے والدین اور بھائی یا تو اس دنیا میں ہی نہیں ہوتے یا وہ کمزور ہوتے ہیں۔ اللہ کے بندو! ایسی صورت میں تو مردوں کا رویہ عام حالات سے بہتر ہونا چاہیے۔

اسلام میں ایک وقت میں چار شادیوں تک کی اجازت ہے۔ اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو شوہر پر لازم ہے کہ وہ سب بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ ان کو ایک جیسی خوراک، کپڑے اور دیگر سہولیات فراہم کرے۔ ان میں فرق آ گیا تو قیامت کے دن اسے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

بعض لوگ عبادت گزاری کے شوق میں اپنی بیوی پر توجہ نہیں دیتے۔ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک صحابیؓ بہت عبادت کرتے ہیں لیکن اپنی بیوی پر توجہ نہیں دیتے تو آپؐ نے انہیں بلایا اور حکم دیا۔ "تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے"۔

میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں ایک اور گزارش کرنا بھی ضروری ہے۔ بیوی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا خاوند پورا دن روٹی روزی کمانے کے لیے گھر سے باہر رہا ہے۔ اس لیے جب وہ گھر آئے تو بیوی اسے ہر ممکن سہولت اور سکون دینے کی کوشش کرے۔ باہر کی دنیا اتنی آسان نہیں ہے۔ مرد کو سارا دن اپنے مزاج کے خلاف باتیں سننا پڑتی ہیں، سفر کی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے، اپنے سے اوپر والوں کی ڈانٹ ڈپٹ تک سننا پڑتی ہے۔ غرضیکہ وہ پریشان حال اور تھکا ہوا گھر لوٹتا ہے اور اگر گھر میں بھی اسے سکون نہ ملے تو یقیناً وہ غلط راستے پر چل پڑے گا۔ آج کل تو یہ عام ہے کہ شوہر جیسے ہی گھر آئے گا عورت نے اپنے سر کو باندھا ہو گا اور اپنے بچوں یا خاندان کے کسی فرد سے لڑ رہی ہو گی۔ جوں ہی وہ شوہر کے سامنے کھانا رکھے گی اسی لمحے گھر کی ساری پریشانیاں شوہر کو بتانا شروع کر دے گی۔ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ بیوی کو چاہیے کہ جب خاوند کی تھکاوٹ اتر جائے اور وہ پر سکون ماحول میں ہو تو اسے اچھے انداز میں گھر کے مسئلے بتائے۔ اگر خاوند پریشان ہو تو حضرت خدیجہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی طرح اپنے خاوند کی دل جوئی کرے، اسے حوصلہ دے اور اس کا خیال رکھے۔ اسی طرح عورت حیض کے دنوں میں چڑچڑی ہو جاتی ہے لہٰذا ان دنوں میں شوہر کو چاہیے کہ بیوی کی کڑوی باتوں سے درگزر کرے اور اس کا زیادہ خیال رکھے۔

ذرا غور فرمائیں کہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور اپنے اپنے فرائض کو بھی خوش دلی سے ادا کریں تو ان کے گھر کا ماحول کیسا ہو گا؟ یقیناً دنیا میں جنت ہو گی۔ پھر ان کی آپس کی اس محبت و الفت اور وفا کا اثر ان کی اولاد پر پڑے گا اور کل کو جب ان کی شادیاں ہوں گی تو ان کے سامنے ان کے والدین کی زندگی بطور نمونہ ہو گی۔ دراصل اسلام نے ہمیں جو بھی احکامات دیے ہیں ان کی تقلید میں ہماری ہی بہتری اور بھلائی ہے، اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔

اولاد کے حقوق

اسلام سے پہلے عربوں میں یہ رواج عام تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس قبیح فعل کی کئی وجوہات تھیں لیکن ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ لڑکی کچھ کما تو سکے گی نہیں بلکہ وہ الٹا ان پر ایک معاشی بوجھ ہو گی۔ اسلام نے اس فعل سے قطعی طور پر منع فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الْاَنْعَام کی آیت نمبر 151 میں ارشاد فرمایا۔ "اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو نہ مار ڈالو۔ ہم تم دونوں کو روزی دیتے ہیں"۔

ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا۔ شرک۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا والدین کی نافرمانی۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ ایک صحابیؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور ﷺ کو واقعہ سنایا کہ اسلام لانے سے قبل کیسے اس نے اپنی زندہ بچی کو کنویں میں پھینک کر مار دیا تھا جبکہ وہ ابا ابا پکار رہی تھی۔ یہ واقعہ سن کر آپؐ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر اسے فرمایا کہ اسلام لانے سے تمہارے پہلے والے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں [1]۔

اسی طرح سے کچھ لوگ نذر (منت) بھی مانتے تھے کہ اگر ان کی نذر پوری ہو گئی تو وہ اپنے کسی لڑکے کی قربانی دیں گے۔ اسلام نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اسلام نے اولاد کا حق

---

① عرب میں بچیوں کو قتل کرنے کی رسم عام تھی لیکن کچھ رحم دل لوگ ان لڑکیوں کو خرید لیتے تھے تاکہ انہیں مرنے سے بچایا جا سکے۔ حضرت صعصعہؓ نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے 360 لڑکیوں کو خرید کر انہیں موت سے بچایا۔

زندگی دوٹوک الفاظ میں نافذ کر دیا لہٰذا بچے کو ماں کے پیٹ میں ضائع کرانے سے بھی منع فرمایا گیاہے۔ ہمارے 1973 کے آئین کے آرٹیکل 9 میں بھی حقِ زندگی (Right to Life) کی گارنٹی دی گئی ہے۔

اسلام نے والدین کو اولاد کے درج ذیل حقوق ادا کرنے کا حکم دیاہے:۔

- بچوں کے اچھے اسلامی نام رکھے جائیں۔ بد قسمتی سے آج کل کچھ مسلمانوں کے نام ایسے ہیں جن سے پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم۔
- بچوں کو ان کی ماں پورے دو سال تک دودھ پلائے۔ ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ بھی پلوایا جاسکتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت حلیمہ ؓ کا دودھ پیا تھا۔
- بچوں کی تعلیم اور تربیت خصوصاً ان کو اسلام کا علم دینا اور انہیں آداب سکھانا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "باپ کا اپنے بچے کو کوئی ادب سکھانا ایک صاع (3 کلو، 149 گرام، 280 ملی گرام)صدقے سے بہتر ہے"۔ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "کوئی باپ اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے"۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعلیم میں دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی تعلیم شامل ہے۔
- جب تک اولاد بالغ نہ ہو جائے اس کی کفالت کرنا۔ یہ کفالت باپ کے ذمے ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو پھر دادا کفالت کرے گا۔
- اولاد کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آنا۔ کچھ لوگ ایسا کرنے کو مردانگی اور بڑے پن کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ کا حکم ہے۔ "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے"۔ حضور ﷺ اپنی اولاد اور اپنے نواسے نواسیوں سے بہت پیار کرتے تھے

حالانکہ اس دور کے عرب معاشرے میں اس بات کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اولاد کے ساتھ نفرت اور حقارت کا رشتہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان کو ڈرا کر رکھنا چاہیے بلکہ ان سے لاڈ پیار کرنا چاہیے۔

- ❖ والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں ہر وقت دعائیں کرتے رہیں۔
- ❖ بیٹے کو بیٹی پر کسی قسم کی ترجیح دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔ کچھ لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ بیٹے کا وراثتی جائیداد میں دگنا حصہ ہوتا ہے جبکہ بیٹی کو اس سے آدھا حصہ ملتا ہے اس لیے عام طور پر ساری چیزوں میں بھی بیٹے کو بیٹی کی نسبت دوگنا چیزیں دینی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر وہ کھانے کے لیے بیٹے کو دو سیب دیتے ہیں تو بیٹی کو ایک سیب دیتے ہیں۔ یہ تصور اسلام کے خلاف ہے۔ وہ دوگنا والی بات صرف وراثت میں ہے باقی کسی چیز میں نہیں۔ اسلام میں بیٹے اور بیٹی کو ایک جیسی رہائش، خوراک، کپڑے، تعلیم، توجہ، پیار، شفقت، طبی اور دیگر سہولیات دینے کا حکم ہے۔
- ❖ اسی طرح سے کسی لڑکے کو دوسرے لڑکے پر بلاوجہ ترجیح دینا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی دوسری اولاد کا حق مار کر کسی ایک کو زیادہ مال دیا جا سکتا ہے البتہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کوئی غیر معمولی کام کر لے مثلاً وہ بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کرے وغیرہ تو اسے خصوصی تحفہ دیا جا سکتا ہے۔
- ❖ والدین کے لیے اولاد کے معاملے میں توازن اور انصاف کرنا لازمی ہے۔ آج کل بھی جہالت کی وجہ سے کئی مقامات پر لڑکیوں کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت میں میرا اور اس کا مرتبہ دو انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا کہ یوں ہو گا یعنی وہ شخص قیامت والے دن حضور ﷺ کے ساتھ ہو گا۔ سبحان اللہ۔

رشتہ داروں کے حقوق

رشتے داروں سے قطع تعلقی اسلام میں سختی سے منع ہے۔ اسلام رشتے داروں سے جڑے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر زکوٰۃ یا صدقہ بھی دینا ہو تو رشتے داروں کا حق سب سے پہلے ہے۔ اگر رشتے دار آپ کے پڑوسی بھی ہوں تو ان کے دہرے حقوق ہیں یعنی ایک پڑوسی ہونے کا حق اور دوسرا رشتے داری کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ النساء کی آیت نمبر 36 میں ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں والدین کے بعد رشتے داروں کا درجہ ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مسکین پر صدقہ کرنے سے ایک ثواب ملتا ہے اور کسی ضرورت مند رشتے دار کو صدقہ دینے سے دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک صدقے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 26 میں حکم ہے "اور رشتے دارورں کو ان کا حق ادا کرو"۔ اب اس آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ رشتے داروں کو ان کا "حق" ادا کرو۔ یعنی رشتے داروں کی مالی مدد کرنا یا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا یا ان کی کسی بھی طرح سے مدد کرنا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ ان کا حق ہے (This is their RIGHT) اور قانون کی زبان میں اپنے "حق" کے لیے کوئی عدالت میں بھی جا سکتا ہے۔ یہ بہت باریک اور اہم نکتہ ہے۔ رشتے داروں کے حقوق ہمارے اوپر فرض قرار دیے گئے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے حکم دیا کہ اگر آپ کسی رشتے دار کی مدد کرتے تھے اور اس نے کوئی قصور کر دیا تو اس کی امداد بند نہ کریں بلکہ اس کی امداد جاری رکھیں یعنی اگر رشتے دار ہمارے ساتھ برا سلوک بھی کریں تو ہم پر فرض ہے کہ ہم نہ تو ان سے تعلق ختم کریں اور نہ ہی ان کی بھلائی

سے ہاتھ روکیں۔

ایک صحابی حضرت مسطحؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے غریب رشتے دار تھے۔ حضرت ابو بکرؓ ان کی مالی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر جب منافقین نے حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ پر جھوٹی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی کے بارے میں آیات نازل فرما دیں۔ بد قسمتی سے حضرت مسطحؓ بھی تہمت لگانے والے گروہ میں شامل تھے لہٰذا حضرت ابو بکرؓ نے ان کو خرچہ دینا بند کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی آیت نمبر 22 میں حکم فرمایا کہ ایسی صورت حال میں ان لوگوں کو معاف کر دینا چاہیے۔ یہ حکم آتے ہی حضرت ابو بکرؓ نے حضرت مسطحؓ کا خرچہ بحال کر دیا۔ دیکھیں! حضرت مسطحؓ نے کوئی معمولی جرم نہیں کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ وہ حضرت عائشہؓ جو حضرت ابو بکرؓ کی لاڈلی بیٹی ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی زوجہ اور تمام مسلمانوں کی ماں ہیں لیکن اللہ کا حکم آنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت مسطحؓ کے اتنے بڑے قصور کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ پھر سے ان کو خرچہ دینا بھی شروع کر دیا۔ یہ سوال ہمیں اپنے آپ سے بھی پوچھنا چاہیے کہ کیا ہم اپنے رشتے داروں کے قصور معاف کرتے ہیں؟

ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور رشتے داروں کا حق ادا کرو۔ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے"۔ صلہ رحمی کا مطلب ہے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا۔ یہاں یہ بات عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ رشتے دار اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ہمسایوں کے حقوق

اپنے اہل خانہ کے بعد جن لوگوں سے سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے وہ ہمسائے ہوتے ہیں۔ اسلام نے ہمسایوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:۔

- جو اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔
- جو اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔
- اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔
- مومن وہ نہیں جو خود تو پیٹ بھرے لیکن اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔
- جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو پیار کرے یا جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے۔
- زنا حرام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے لیکن دس بدکاریوں سے بڑھ کر بدکاری یہ ہے کہ کوئی اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔ چوری حرام ہے، اللہ اور رسول ﷺ نے اس کو حرام کیا ہے لیکن دس گھروں میں چوری کرنے سے بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے پڑوسی کی چوری کرے۔
- پڑوسی کے حقوق کے بارے میں حضرت جبریلؑ نے مجھے اتنی تاکید فرمائی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ شاید اللہ تعالیٰ وراثت میں پڑوسی کو حصہ دار بنا دے گا۔

درج بالا احادیث کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ پڑوسی کے بہت زیادہ حقوق ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پڑوسیوں کو تحفے تحائف بھیجا کریں۔ ضروری نہیں کہ وہ تحفے بہت قیمتی ہوں، وہ کوئی پھل یا سالن بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے باہمی محبت بڑھتی ہے۔ حضور ﷺ

نے یہ بھی حکم دیا کہ اگر تحفہ معمولی بھی ہو تو لینے والا اسے خوش دلی سے قبول کرے۔ حضور ﷺ نے ایک صحابیؓ کو نصیحت فرمائی کہ جب سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال لو تاکہ پڑوسیوں کو بھی دے سکو۔ ظاہر ہے یہ اسی صورت میں ہو گا جب معاشی حالات بالکل خراب ہوں۔ پسندیدہ عمل تو یہ ہے کہ پڑوسیوں کو پھل بھیجے جائیں لیکن اگر اتنی سکت نہ ہو اور صرف اپنے اہل و عیال کے لیے ہی خرید سکیں تو پھر یہ حکم ہے کہ پھلوں کے چھلکے باہر نہ پھینکے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چھلکے دیکھ کر پڑوسی کے اہل و عیال کا دل پھل کھانے کو کرے اور وہ خرید نہ سکے۔ کتنی احتیاط کی گئی ہے کہ پڑوسی کو ہماری وجہ سے کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ اگر پڑوسی غیر مسلم ہو تو اس کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

اگر پڑوسی رشتے دار بھی ہو تو اس کا دگنا حق ہو گا اور اگر وہ مسلمان بھی ہو تو اس کا حق مزید بڑھ جائے گا۔ اس سلسلے میں ایک اور وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے پڑوسی کا دائرہ کار بڑھا دیا ہے۔ اس لیے ہم جماعت (Class fellows)، ایک جگہ پر ملازمت کرنے والے، اکٹھے سفر کرنے والے بھی ایک دوسرے کے پڑوسی ہوتے ہیں۔ ان سب سے بھی ہمیں خیر خواہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہماری کسی بات یا عمل سے انہیں ہرگز تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ بد قسمتی سے شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ اگر رات دو بجے بھی اپنے گھر آتے ہیں تو گاڑی کا لمبا ہارن بجاتے ہیں جس سے پڑوسی بھی جاگ جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے کتے رکھے ہوتے ہیں جو دن رات بھونکتے رہتے ہیں یا ان کے گھروں میں ہنگامہ خیز پارٹیاں ہو رہی ہوتی ہیں یا اونچی آواز میں میوزک بج رہا ہوتا ہے۔ ان سب کاموں سے ان کے پڑوسی تنگ ہوتے ہیں لہٰذا یہ سب گناہ کے کام ہیں اور اگلے جہان ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

اساتذہ اور بڑوں کے حقوق و فرائض

حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے استادوں اور اپنے بڑوں کا ادب کریں۔ اسلام میں استاد کو روحانی باپ کا درجہ حاصل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں"۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اساتذہ کے ساتھ ساتھ بزرگوں کا بھی احترام کریں۔ اگر انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو تو ہم ان کی مدد کریں مثلاً بزرگوں کو سڑک پار کرادیں، ان کا وزن اٹھالیں، انہیں منزل مقصود تک پہنچا دیں، گھر کی چیزوں کو اس طرح سے ترتیب دیں کہ انہیں ان سے آرام ملے۔ مثال کے طور پر ان کو ایسے جوتے لے کر دیے جائیں جسے پہن کر وہ باتھ روم میں پھسل کر گرنے سے بچ سکیں۔ ان کے آرام کے وقت شور شرابہ نہ کیا جائے۔ اگر ان کے دوست گھر پر آئیں تو ان کی بھی بھرپور خدمت کی جائے۔ جب بھی بزرگوں سے ملاقات ہو تو انہیں مسکرا کر سلام کیا جائے اور ان کی خیریت دریافت کی جائے۔ آج کل ماحول اس طرح بنا دیا گیا ہے کہ اکثر بزرگ تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا ہمیں ان کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔ بعض اوقات بزرگوں کو بھولنے کی بیماری ہو جاتی ہے وہ صبح آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں اور شام کو پھر اسی واقعے کو دہرا رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم وہ واقعہ دوبارہ بھی توجہ سے سن لیں تاکہ بزرگوں کی دل آزاری نہ ہو۔

اسلام نے جہاں اساتذہ اور بزرگوں کی عزت اور خیال رکھنے کا حکم دیا ہے وہاں اساتذہ اور بزرگوں پر بھی ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ چھوٹوں پر شفقت کریں۔ کچھ بزرگوں نے اپنی اولاد کے اندر بھی پھوٹ ڈالی ہوتی ہے یا وہ اولاد کے ساتھ بے جا سختی کرتے ہیں یا ان کی جائز ضروریات بھی پوری نہیں کرتے۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ میں آپ کو ایک سچا واقعہ

سناتا ہوں۔ایک بوڑھا شخص بہت امیر تھا۔وہ اپنے لڑکوں کی ضروریات بھی پوری نہیں کرتا تھااور اس کے بیٹے سخت تنگی میں زندگی گزار رہے تھے۔ان کا انتقال ہو گیا۔ہم کچھ دوست فاتحہ خوانی کے لیے گئے اور ہم نے افسوس کا اظہار کیا تو اس کے لڑکوں نے کہا "ہمیں تو کوئی افسوس نہیں ۔اس بڈھے نے ہماری زندگی جہنم بنائی ہوئی تھی ۔شکر ہے کہ یہ فوت ہوا۔افسوس صرف یہ ہے کہ یہ بہت دیر سے فوت ہوا"۔اسی طرح کچھ اساتذہ بچوں کو توجہ اور دیانت داری سے سکول میں نہیں پڑھاتے اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ شام کو ان سے ٹیوشن پڑھیں۔یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ بزرگ چونکہ جسمانی اور ذہنی طور پر کمزور ہو چکے ہوتے ہیں اور پھر وہ فارغ بھی ہوتے ہیں (کیونکہ ملازمت، کھیتی باڑی یا کاروبار نہیں کر سکتے) اس لیے ان کا عام لوگوں سے زیادہ خیال رکھا جائے اور بزرگوں کو بھی اسلام کے دائرے میں رہنا چاہیے۔

یتیم کے حقوق

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے بچے چھوٹے یعنی نابالغ ہوں تو اسلام پورے معاشرے پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ ان یتیم بچوں کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے انتہائی محبت اور شفقت سے پیش آئیں۔ان کی ضرورتوں کا ہر ممکن خیال رکھیں۔اگر ان کے وسائل نہیں ہیں تو انہیں مالی مدد فراہم کریں۔اگر ہمیں ان کی جائیداد کا متولی بنایا جائے تو ہم ان کی جائیداد کی مکمل حفاظت کریں۔

سورۃ الضحیٰ کی آیت نمبر 9 میں ارشاد ربانی ہے۔"پس یتیم پر سختی نہ کرنا"۔اسی طرح سورۃ الماعون میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص یتیم کو دھکے دیتا ہے وہ دراصل یوم جزا (جس دن ہمارا حساب ہو گا) کو جھٹلاتا ہے۔حضور ﷺ نے یتیموں کی کفالت کرنے والے کو

جنت کی خوشخبری سنائی ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا۔ ”مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو“۔ اسلام نے بالخصوص یتیم لڑکیوں کی پرورش کرنے اور ان کی شادیاں کرانے کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔ جب بھی خاص تہوار ہوتے ہیں مثلاً عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ وغیرہ ان موقعوں پر یتیموں کی خبر گیری کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

بیوہ کے حقوق

اسلام سے پہلے بیوہ کے سرے سے کوئی حقوق ہی نہیں تھے بلکہ اس کی حالت جانور سے بھی بدتر تھی۔ اسلام نے ہمیں حکم دیا کہ بیوہ کو اس کے خاوند کی وراثت سے حصہ دیا جائے اور بیوہ کا خیال رکھا جائے۔ اس کی اپنی اور اس کے بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اسلام نے بیوہ کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ بیوہ سے شادی کرنا ایک افضل کام ہے۔ حضور ﷺ نے بھی بیوہ خواتین سے نکاح فرمائے۔

مسافر کے حقوق

اسلام نے مسافر کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ مسافر بے شک امیر ہو لیکن جب وہ گھر سے دور ہو اور اس کو کوئی ضرورت پڑ جائے تو اسے زکوٰۃ بھی دی جا سکتی ہے۔ آج کل کے دور میں ATM اور ایزی پیسہ کی طرح کے کئی ذرائع موجود ہیں جن سے وہ مسافر اپنے گھر والوں اور دوستوں سے رقم منگوا سکتا ہے لہٰذا امیر مسافر کو صرف اسی صورت میں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے جب وہ کہیں سے رقم نہ منگوا سکتا ہو اور واقعی ضرورت مند ہو۔ اسلام نے

ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مسافروں کا خیال رکھیں۔ بدقسمتی سے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ کچھ دکان دار، رکشے والے اور ہوٹل والے مسافر کے انجان پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ موٹر وے اور دیگر شاہراہوں پر واقع اکثر ہوٹلوں اور دکانوں والے مسافروں سے ناجائز ریٹ وصول کرتے ہیں۔ کچھ ٹریفک پولیس والے بھی گاڑی کی نمبر پلیٹ پڑھتے ہیں اور اگر گاڑی کا نمبر دوسرے شہر کا ہو تو بجائے ان مسافروں سے حسن سلوک کے الٹا انہیں تنگ کرتے ہیں۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

مزدور اور ملازم کے حقوق و فرائض

اسلام سے پہلے مزدور کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ طاقتور آدمی مزدور پر جتنا چاہے ظلم کر سکتا تھا۔ اسلام نے اس ظالمانہ نظام کو یکسر بدل دیا۔ مزدور کے بارے میں کہا گیا۔ **اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ الله** "محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے"۔ اب آپ سوچیں کہ اللہ کے دوست ہونے سے بڑا اعزاز کون سا ہو سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے گلہ بانی (بھیڑ بکریاں چرانا) بھی کی اور تجارت بھی۔ حضور ﷺ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیا کرتے تھے، خود اپنے جوتوں کی مرمت کر لیا کرتے تھے حتٰی کہ گھر کی صفائی بھی کر لیا کرتے تھے۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر، غزوہ خندق اور دیگر کئی موقعوں پر آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ کام کر کے محنت کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کی جائے گویا مزدور کو پوری مزدوری دی جائے اور بر وقت ادا کی جائے۔ جو لوگ مزدور یا ملازم کی مزدوری یا تنخواہ طے شدہ وقت پر ادا نہیں کرتے وہ یقیناً حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ آقا کریمؐ کی یہ بھی تعلیمات ہیں کہ احسان کا معاملہ کرتے ہوئے اسے طے شدہ مزدوری سے کچھ زیادہ دے دیا جائے تو یہ احسن

عمل ہے۔ آپؐ نے مزدور کو مالک کا بھائی قرار دیا۔ مزدور پر ظلم کرنے اور سختی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حکم ہے کہ اس سے اتنا ہی کام لو جتنا اس کی طاقت ہے اور اگر کام زیادہ مشکل ہے جو وہ اکیلا نہیں کر سکتا تو خود اس کی مدد کرو یا اس کی مدد کے لیے دوسرے آدمی کا بندوبست کرو۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک صحابی حضرت سعد انصاریؓ سے مصافحہ فرمایا تو آپؐ کو محسوس ہوا کہ حضرت سعدؓ کے ہاتھ پھٹے ہوئے ہیں (سخت مشقت کرنے والوں کے ہاتھ پر گٹھلیاں سی بن جاتی ہیں جنہیں پنجابی زبان میں چنڈیاں کہتے ہیں)۔ آپؐ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ میں پھاوڑے سے مزدوری کرتا ہوں، اس وجہ سے ایسا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کے ان ہاتھوں کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ "یہ وہ ہاتھ ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسولؐ محبوب رکھتے ہیں"۔

دوسری طرف مزدور کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنے مالک کا کام پوری ایمان داری اور محنت سے کرے اور کام چوری نہ کرے۔ میں نے ذاتی طور پر دیکھا ہے کہ کچھ مزدور اپنے مزدوری کے طے شدہ اوقات میں ایک نماز پر ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ لگاتے ہیں اور جتنا کام انہیں کرنا چاہیے وہ اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں کرتے۔ نماز تو لازمی ادا کرنی چاہیے لیکن نماز کے بہانے سے طے شدہ کام نہ کرنا دراصل کام چوری اور بد دیانتی ہے۔ اسی طرح بعض مزدور جان بوجھ کر کھانا کھانے اور چائے پینے پر بھی بہت وقت ضائع کرتے ہیں۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔

بہترین طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ مزدور یا ملازم سے ہر طرح کی شرائط پیشگی طے کر لی جائیں ورنہ بعد میں عموماً جھگڑے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم جب رکشا یا ٹیکسی لیتے ہیں تو ڈرائیور سے پوچھتے ہیں کہ فلاں جگہ جانا ہے کتنے پیسے؟ عام طور پر وہ کہہ دیتا ہے جی! جو دل کرے دے دینا۔ منزل پر پہنچ کر تکرار شروع ہو جاتی ہے اور نتیجہ لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتا

ہے۔اگر مزدور، ملازم اور مالک(آجر اور اجیر)اسلام کے ان سنہری اصولوں پر عمل کریں تو گھروں، دفتروں اور فیکٹریوں میں خوشحالی آ جائے گی جس میں ہم سب کا ہی بھلا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں دونوں طرف سے ہی زیادتی ہوتی ہے اور یہی بے برکتی کی بڑی وجہ ہے۔

کیا کمّی قابل نفرت ہیں؟

ہمارے معاشرے میں ایک بڑی برائی یہ ہے کہ ہم دوسروں کی عزت ان کے مال اور مقام و مرتبے(Status) سے کرتے ہیں مثلاً زمیندار اور بڑے لوگ معزز تصور ہوتے ہیں جبکہ کمّی لوگوں کی کوئی عزت نہیں کی جاتی۔ کمّی کا مطلب ہے جو لوگ کام کرتے ہیں مثلاً لوہار، ترکھان، نائی اور موچی وغیرہ۔ بھائی! یہ تو پیشے ہیں، ذاتیں نہیں ہیں اور جو شخص کام کرتا ہے حضور ﷺ نے اس کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ کئی انبیائے کرامؑ بھی انہی پیشوں سے وابستہ تھے۔ مثال کے طور پر حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کھیتی باڑی کرتے تھے، حضرت نوحؑ ترکھان(Carpenter) کا کام کرتے تھے، حضرت ادریسؑ درزی کا کام کرتے تھے، حضرت داؤدؑ لوہے کا کام کرتے تھے، حضور ﷺ اپنے گھر کے کام خود کرتے تھے اور یہ بات تو آپؐ سمیت سب انبیائے کرامؑ کے لیے مشترک ہے کہ ہر نبی نے بکریاں چرائیں لہٰذا یہ پیشے تو انبیائے کرامؑ کے پیشے ہیں۔

اس کا ایک دلچسپ پہلو بھی ہے۔ کچھ لوگ جوتے بنانے والے یا جوتے مرمت کرنے والے یعنی موچی کو تو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن وہ جوتوں کی فیکٹری کے مالک کی بہت عزت کرتے ہیں حالانکہ وہاں لاکھوں جوتے بنتے ہیں جبکہ موچی تو چند جوتے بناتا ہے۔ یہ سب ہمارے اپنے ہی بنائے ہوئے اصول ہیں جو کہ غلط ہیں۔

دراصل ہمارے اندر یہ برائی اس وجہ سے ہے کہ ہم صدیوں تک ہندوؤں کے

ساتھ رہے۔ ان میں ذات پات کا نظام بڑا سخت تھا۔ ہم نے کلمہ تو پڑھ لیا مگر ذات پات کو کسی نہ کسی صورت میں قائم رکھا۔ ہمیں اس قبیح رسم کو فوراً ختم کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ تقسیم قطعاً پسند نہیں ہے کیونکہ سب انسان مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور سب انسانوں کا ایک ہی باپ ہے یعنی حضرت آدمؑ۔ جب سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو ہر شخص دوسرے شخص کا خونی رشتہ دار ہے۔ اسلام میں سب برابر ہیں۔ اسی لیے کسی شخص کے لیے مسجد میں جگہ مخصوص نہیں ہوتی۔ ہمارا ملازم اگر ہم سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو وہ اگلی صف میں ہوتا ہے اور ہم اس کے پیچھے والی صف میں ہوتے ہیں۔ اسلام میں وہ زیادہ عزت دار ہے جو زیادہ نیک اور پرہیز گار ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ جنہیں ہمارے معاشرے میں کمّی کہتے ہیں اور کچھ امیر لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں دراصل یہ لوگ تو ہمارے محسن ہیں۔ لوگوں کے بالوں سے پسینے کی بدبو آرہی ہوتی ہے مگر نائی ان کے بال کاٹ دیتا ہے۔ اسی طرح سے موچی ہمارے گندے جوتوں کو صاف ستھرا کر کے چمکا دیتا ہے۔ دھوبی ہمارے گندے حتیٰ کہ پلید کپڑوں کو بھی دھو دیتا ہے لہٰذا یہ لوگ تو ہمارے محسن ہیں اور ہمیں ان کا احسان مند ہونا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ چند ماہ کے لیے دستیاب نہ ہوں تو ہماری شکلیں پہچانی نہیں جائیں گی۔ یہ لوگ معاشرے کے لیے انتہائی اہم خدمات سرانجام دیتے ہیں جن کے بدلے میں نہ تو ان کو پورا معاوضہ ملتا ہے اور نہ ہی عزت۔ اس لیے ہمیں ان لوگوں کی دل سے عزت کرنی چاہیے اور ان کا پورا خیال بھی رکھنا چاہیے۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر 6 حقوق

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔

(1) جب کسی سے ملاقات ہو تو سلام کرے (اس بارے میں تفصیلی احکام اسی کتاب

میں درج ہیں)۔

(2) جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کی جائے لیکن اگر پکا معلوم ہو کہ اس کا روٹی رزق حرام کا ہے یا وہاں شراب وغیرہ ہو گی تو ایسی دعوت میں جانا منع ہے۔(اس بارے میں تفصیلی احکام اسی کتاب میں درج ہیں)۔

(3) جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے۔(اس بارے میں تفصیلی احکام اسی کتاب میں درج ہیں)۔

(4) جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد اللہ کہے تو سننے والا اس کو یوں جواب دے۔ یَرْحَمُكَ اللہ۔(اس بارے میں تفصیلی احکام اسی کتاب میں درج ہیں)۔

(5) جب وہ مشورہ مانگے تو اسے اچھا مشورہ دیا جائے اور غلط مشورہ ہر گز نہ دیا جائے۔

(6) جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے یعنی جنازہ پڑھے۔

مزید بر آں یہ اصول تو سارے رشتوں اور تعلقات پر لاگو ہو گا کہ "دوسرے کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے اور دوسرے کے لیے وہ چیز ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرے"۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جو ایک شخص کا حق ہوتا ہے وہ دوسرے شخص کا فرض ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے مسلمان کے حقوق پورے نہیں کرے گا تو وہ گناہ گار ہو گا۔ ان اصولوں پر عمل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن اس سے معاشرے میں بڑی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

بیماروں کے حقوق

جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنا خیال خود نہیں رکھ سکتا۔ ظاہر ہے اس صورت حال میں اس کے لواحقین ہی اس کا خیال رکھیں گے۔ اسلام نے ہمیں بیمار کی عیادت

کے کچھ اصول سکھائے ہیں مثلاً بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھا جائے اور نہ ہی کوئی ایسا کام یا کوئی ایسی بات کی جائے جس سے بیمار کو ذہنی یا جسمانی تکلیف پہنچے۔ اسلام نے بیمار کو خاص مقام دیا ہے۔ اسلام نے بیمار کو اجازت دی ہے کہ وہ روزہ بعد میں رکھ لے، وضو کی جگہ تیمم کر لے، نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب دوسرا مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں۔ عیادت سے کیا مراد ہے؟ عام طور پر ہم جا کر مریض سے صرف اس کی طبیعت کا پوچھتے ہیں، یہ عیادت کا صرف ایک حصہ ہے۔ عیادت میں مریض کی دیکھ بھال اور اس کی مدد کرنا بھی شامل ہے۔ ان میں سے ہم جتنا کریں گے اتنا ہی ثواب ملے گا اس سلسلے میں حضور ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:۔

❖ حدیث قدسی ہے (حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا)۔ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا اے پروردگا! آپ ساری کائنات کے رب ہیں۔ بھلا میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو جانتا تھا مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے بھی وہیں پاتا"۔

بیمار کی عیادت کرنے والوں کے لیے حضور ﷺ نے ان الفاظ میں خوشخبری سنائی:۔

- "جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کے لیے صبح کے وقت جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو مسلمان شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں"۔
- "جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کے لیے جاتا ہے تو واپسی تک وہ جنت کے میوے چنتا رہتا ہے"۔

❖ حضور ﷺ نے یہ بھی تعلیم دی کہ جب ہم بیمار کے پاس جائیں تو اس کو تسلی دیں

اور اس کے لیے دعا بھی کریں۔ اسلام میں یہ بھی حکم ہے کہ بیمار سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے لیے دعا کرے وہ اس لیے کیونکہ بیمار کے گناہ جھڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

- بیمار کی عیادت کرنے سے ایک اور بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ ہے کہ بیمار کی حالت دیکھ کر انسان کو اپنی تندرستی کی قدر و قیمت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسلام میں بیمار کی عیادت کرنا دوسرے مسلمان پر فرض قرار دی گئی ہے اور اسے بیمار کا حق (Right) قرار دیا گیا ہے۔

مہمانوں کے حقوق

اسلام میں مہمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے بیٹی کو بھی اللہ کی رحمت قرار دیا ہے اور ہم دعاؤں میں بھی اللہ کی رحمت کے طلبگار رہتے ہیں۔ رحمت للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مہمان کا احترام کرے“۔ آپؐ خود بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ آپؐ اپنے مہمانوں سے بہت عزت سے پیش آتے۔ ان کی خوب خاطر مدارات کرتے۔ ان کے ساتھ وقت گزارتے۔ جاتے ہوئے انہیں تحفے تحائف دیتے اور انتہائی عزت سے انہیں رخصت فرماتے۔

ایک دفعہ ایک بھوکا شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھانے کے لیے درخواست کی۔ آپؐ نے تمام ازواج مطہراتؓ سے پتا کروایا لیکن کھانے کو کچھ میسر نہ تھا۔ آپؐ کے حکم پر ایک صحابی حضرت ابو طلحہؓ نے انہیں اپنے پاس مہمان ٹھہرا لیا لیکن ان

کے ہاں بھی کھانا بہت کم تھا۔ یا تو مہمان کھا سکتا تھا یا حضرت ابو طلحہ ؓ کے بچے لہٰذا انہوں نے بچوں کو بہلا کر سلا دیا اور کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا۔ ان کے کہنے پر ان کی بیوی نے کسی بہانے سے چراغ بجھا دیا۔ اس سے میزبان تو خالی منہ ہلاتے رہے اور مہمان نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا۔ اگلی صبح حضور ﷺ نے حضرت ابو طلحہ ؓ کو فرمایا کہ آپ کی میزبانی اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آئی۔ اسی واقعہ کے بارے میں سورۂ حشر کی آیت نمبر 9 نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے مہمان اور میزبان دونوں کے لیے احکامات دیے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

(1) مہمان ایک دن اور ایک رات یعنی 24 گھنٹے تک مہمان ہے۔ اس دوران اس کی حتی المقدور خدمت کرنی چاہیے یعنی روٹین سے ہٹ کر اس کے لیے کچھ خاص کھانے کا بندوبست کیا جائے لیکن حضور ﷺ نے مہمان کے لیے اپنی حیثیت سے بڑھ کر یعنی اسراف کی حد تک خرچہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور ایسے میزبان کو دوزخ میں جانے کی وعید سنائی ہے۔

(2) مہمان زیادہ سے زیادہ تین دن اور تین رات تک مہمان ہو گا لیکن پہلے دن کے بعد اس کو روٹین والا کھانا دیا جائے گا۔

(3) تین دن کے بعد مہمان پر جو خرچ کیا جائے گا وہ صدقہ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہمان کو عام حالات میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

(4) مہمان کو چاہیے کہ وہ میزبان کی جان، مال اور عزت کی ایسے ہی حفاظت کرے جیسے وہ اپنی کرتا ہے۔

(5) میزبان کو حکم ہے کہ مہمان کی عزت کرے۔ اس کے آرام کا خیال رکھے اور اس

کے ساتھ وقت گزارے لیکن میزبان سارا دن مہمان کے ساتھ نہ چپکا رہے کیونکہ اس طرح مہمان کو آرام کرنے کا تو موقع ہی نہیں مل سکے گا۔

(6) مہمان کو چاہیے کہ وہ اپنے میزبان کو اتنا وقت ضرور فارغ کرے کہ میزبان کے اپنے معمولات زندگی متاثر نہ ہوں مثلاً اگر میزبان رکشا چلاتا ہے اور اس سے بچوں کی روزی کماتا ہے تو مہمان کو اصرار کرنا چاہیے کہ وہ رکشا چلائے۔ اس دوران مہمان آرام کرے یا مسجد، لائبریری، پارک وغیرہ میں چلا جائے۔ مقصد ایک دوسرے کو سہولت دینا ہے۔

(7) مہمان کو جاتے ہوئے کچھ تحفہ (بے شک وہ قیمتی نہ ہو) بھی دیں تو اچھی بات ہے۔

(8) جاتے ہوئے مہمان کو گھر کے دروازے تک یا کچھ دور تک ساتھ جا کر چھوڑنا بھی سنت ہے۔

(9) مہمان کو چاہیے کہ اپنے میزبان کے لیے دعائیں کرے۔

(10) مہمان کو چاہیے کہ وہ میزبان کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنے۔ اس معاملے میں پرانے بزرگوں کا طریقہ بہت ہی زبردست تھا۔ وہ اپنے میزبان کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر جاتے تھے پھر اپنے قیام کے دوران مہمان عورتیں اپنے میزبانوں کی کھانا پکانے یا گھر کے دیگر کاموں میں بھی مدد کرا دیتی تھیں یا مہمان اپنے میزبان کے بچوں کو پڑھا دیتے تھے یعنی کسی نہ کسی طرح سے ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس سے میزبان تنگ ہونے کی بجائے الٹا سکھ میں آ جاتے تھے لیکن آج کل صورت حال یہ ہے کہ مہمانوں کی فرمائشیں ہی ختم نہیں ہوتیں اور مجال ہے کہ وہ میزبانوں کے کسی کام کو ہاتھ لگا جائیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ایک میزبان

خاتون اپنی مہمان کے لیے چائے لے کر آئیں تو مہمان خاتون (جو ایم۔اے پاس تھی) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی اور چائے پکڑنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ ہے تربیت کی کمی۔ ایسے لوگوں کو ہی ڈگری یافتہ ان پڑھ کہا جاتا ہے۔

(11) ایک اور چیز کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ بغیر اطلاع دیے کسی کے گھر چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی بد تہذیبی بلکہ بد تمیزی ہے۔ ان کا یہ عمل میزبان کے لیے انتہائی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ آج کل ہر شخص کے پاس فون کی سہولت موجود ہے لہٰذا ہر صورت میں میزبان سے رابطہ کر کے اور اس کی آسانی دیکھ کر ہی اس کے پاس جانا چاہیے۔

(12) اسی طرح ایک چیز یہ بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ کسی دوست نے آنے کے لیے فون کیا۔ مہمان نے کہا جی تشریف لائیں۔ وقت طے ہو گیا۔ میزبان نے اس مہمان کے لیے چائے پانی کا بندوبست کیا اور جب وہ صاحب تشریف لائے تو ساتھ چار اور لوگ بھی لے کر وارد ہوئے۔ یہ طریقہ بھی انتہائی نامناسب ہے۔

(13) اگر میزبان کی فیملی پردہ دار ہو تو مہمان کو ان کے پردے کا خیال رکھنا چاہیے۔

اوپر کی سطور سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام ہمیں آپس میں جوڑتا ہے۔ ہمارے درمیان پیار محبت پیدا کرتا ہے اور کوئی بھی ایسا قول یا فعل پسند نہیں کرتا جس سے دوسرے کو ذرہ بھر بھی پریشانی ہو۔ اگر اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل کیا جائے تو مہمان اور میزبان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا ہو گی اور اگر ان اصولوں پر عمل نہ کیا گیا تو مہمان رحمت بننے کی بجائے زحمت بن جائے گا اور ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں نفرتیں اور کدورتیں جنم لیں گی۔

جانوروں کے حقوق

اسلام سے پہلے عربوں میں جانوروں پر مختلف طریقوں سے ظلم کیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جانوروں پر ظلم کرنا گناہ کا کام ہے۔ آپؐ نے ہر اس فعل سے منع فرمایاہے جس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے آقا کریم ﷺ نے فرمایا کہ جانوروں سے اچھا سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ جانوروں میں جانور، پرندے اور ہر طرح کے زمینی اور آبی (پانی والے) جاندار شامل ہیں۔ جانوروں کے حقوق کے سلسلے میں اسلام کی درج ذیل تعلیمات ہیں:۔

- جانوروں کو بلاوجہ مارنا پیٹنا گناہ ہے خاص طور پر ان کے منہ پر مارنا اور انہیں داغ دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔
- زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے گوشت کو مردار قرار دیا ہے یعنی ایسا گوشت حرام ہے۔
- حلال جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت ہے یا صرف ان موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت ہے جن سے انسان کی جان یا اس کے جانوروں کو خطرہ لاحق ہو۔ اس کے علاوہ جانداروں کو مارنے سے منع فرمایا گیا ہے مثلاً چیونٹی اور شہد کی مکھی کو مارنے کی ممانعت ہے۔ البتہ دیمک وغیرہ کو مارنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ مال کا نقصان کرتی ہیں۔
- حلال جانوروں کو بھی تیز چھری سے ذبح کرنے کا حکم ہے تاکہ ذبح ہونے والے جانور کو تکلیف نہ ہو۔
- ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے تاکہ اسے ذہنی تکلیف نہ ہو۔

- جانوروں کو بلاوجہ کسی طرح سے بھی ستانا جائز نہیں مثلاً جانوروں کو پتھر مارنا، غلیل یا تیر وغیرہ چلانا۔ کچھ لوگ مرغی کو باندھ کر تیر سے نشانہ بنا رہے تھے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں ملعون قرار دیا۔
- جانوروں، پرندوں، مچھلیوں اور حشرات الارض وغیرہ کو کھلانے یا پلانے کو ثواب قرار دیا گیا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے گھروں میں یا چھتوں پر پرندوں کے پینے کے لیے برتنوں میں پانی رکھ دیں خاص طور پر گرمیوں کے موسم میں یا پرندوں کو دانے وغیرہ ڈال دیں یا ان کے لیے محفوظ رہائش کا بندوبست کر دیں۔ آج کل پرندوں کے لیے لکڑی یا پلاسٹک کے بنے ہوئے گھر بازار سے آسانی سے مل جاتے ہیں اور انہیں دیواروں یا درختوں کے ساتھ لٹکایا جا سکتا ہے۔
- جانوروں کو آپس میں لڑانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں مرغوں کی لڑائی، بٹیروں کی لڑائی، اور کتوں کی لڑائی کرائی جاتی ہے جسے پورا مجمع دیکھتا ہے پھر اس پر شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ اس سے جانوروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ کئی دفعہ تو وہ شدید زخمی ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ تو مر بھی جاتے ہیں۔ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔
- جانوروں کے کھانے، پینے اور آرام کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ آپؐ کے پاس آ کر بلبلانے اور رونے لگا۔ آپؐ نے اس اونٹ کو پیار کیا اور اس کے مالک سے فرمایا کہ اس جانور کے بارے میں جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو۔
- پرندوں کے بچوں کو ماں سے الگ کر دینا یا انہیں کسی بھی طرح سے ستانے کو گناہ

ٹھہرایا گیا ہے۔ ایک سفر میں کچھ صحابہؓ ایک چڑیا کے بچے پکڑ کر لائے اور ان کی ماں اپنے بچوں کے ارد گرد منڈلانے لگی۔ حضور ﷺ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا۔ اس کے بچوں کو کس نے پکڑ کر بے چین کیا ہے؟ اس کے بچوں کو چھوڑ دو۔

- جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ وزن لادنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔
- ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنا چولہا ایسی جگہ جلایا جہاں چیونٹیوں کا گھر تھا لیکن نظر نہیں آتا تھا۔ جیسے ہی آگ جلی تو چیونٹیوں نے بھاگنا دوڑنا شروع کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فوراً حکم دیا "بجھاؤ۔ بجھاؤ"۔
- گاؤں میں لوگ عموماً اپنے جانوروں کو بے رحمی سے مارتے پیٹتے ہیں۔ ان کو لہولہان کر دیتے ہیں اور ان کو سزا کے طور پر بھوکا پیاسا رکھتے ہیں۔ اسلام میں یہ سب چیزیں منع کی گئی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ دیا اور اسے کھانا پینا نہیں دیا اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑا کہ وہ خود بھاگ دوڑ کر کے کچھ کھا پی لیتی، جس سے وہ بلی مر گئی۔
- ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے کنویں کے قریب کیچڑ کو چاٹ رہا تھا۔ اس پر وہ شخص کنویں میں اترا اور کتے کے لیے پانی لایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی بخشش ہو گئی۔

جانور اور پرندے وغیرہ بے زبان ہوتے ہیں۔ ان پر جتنا بھی ظلم کر لیا جائے وہ نہ تو ہماری کسی سے شکایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے خلاف تھانے کچہری میں کوئی مقدمہ درج کروا سکتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے آگے ضرور فریاد کرتے ہیں لہٰذا ہمیں فوری طور پر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اگر ہم درج بالا باتوں میں سے کسی میں بھی ملوث ہیں تو ہمیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

حلال اور حرام

رزق حلال کسی بھی مسلمان کے ایمان کا ٹیسٹ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے یہ از حد ضروری ہے کہ اس کا رزق حلال کا ہو اور اس میں رتی بھر بھی حرام شامل نہ ہو۔ یہ بات نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے بھی اہم ہے۔ بھلا وہ کیسے؟ وہ اس لیے کہ اگر کسی مسلمان کے پیٹ میں حرام کا ایک لقمہ چلا جائے تو چالیس دن تک اس کی نہ تو کوئی عبادت قبول کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ایک شخص دور سے آتا ہے اور سفر کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوئے اور لباس غبار سے اٹا ہوا ہے اور وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اللہ سے دعائیں کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول نہیں کرتا کیوں کہ اس شخص کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کا لباس حرام کا اور اس کا جسم حرام کی کمائی سے پلا ہوا ہے۔ گو حدیث کے الفاظ میں جگہ کا تعین نہیں کیا گیا لیکن علمائے کرام نے اس سے مراد خانہ کعبہ یا مقام عرفات لیا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ اس شخص کی دعا اتنے مقدس مقامات پر بھی قبول نہیں ہوئی۔

قریش نے جب کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا تو آپس میں طے کیا کہ اس کی تعمیر صرف حلال مال سے کی جائے گی۔ قریش نے خود بھی رقم دی اور چندہ بھی اکٹھا کیا۔ اس کے باوجود وہ رقم کم پڑ گئی اور مجبوراً قریش کو خانہ کعبہ کا کچھ حصہ بغیر چھت کے کھلا چھوڑنا پڑا۔ اسی حصے کو حطیم کہتے ہیں۔ دراصل حطیم خانہ کعبہ کا ہی حصہ ہے۔ یہ واقعہ یقیناً اسلام سے پہلے کا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ ان لوگوں نے اُس وقت حلال حرام کا خیال رکھا اور جب سارے وسائل استعمال کرنے کے باوجود بھی پورے خانہ کعبہ پر چھت ڈالنا ممکن نہ ہوا تو انہوں نے اس کے ایک حصے کو بغیر چھت کے چھوڑ دیا لیکن حرام کا پیسہ استعمال نہ کیا۔ افسوس ہوتا ہے ان لوگوں پر جو چوری، ڈکیتی، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ دہی، ناجائز منافع خوری، ناپ تول میں

کمی، رشوت، سود غرضیکہ ہر طرح کی حرام کی کمائی میں ملوث ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ مسجد، مدرسے اور فلاحی کاموں پر بھی دل کھول کر رقم خرچ کرتے ہیں۔ دراصل یہ ان کا ڈھونگ ہے۔ تف ہے ان کے اس خرچ پر اور ان کی اس غیر اسلامی سوچ پر۔ اللہ تعالیٰ صرف اور صرف حلال اور پاکیزہ مال پسند فرماتا ہے۔ حرام روزی کی کچھ صورتیں یہ ہیں:۔

❖ رشوت لینا (رشوت دینے والا بھی دوزخی ہے اور لینے والا بھی دوزخی ہے)۔

❖ چوری کرنا، ڈاکہ مارنا، دھوکا یا فراڈ کرنا، ملاوٹ کرنا، ذخیرہ اندوزی کرنا، حرام چیزوں کا کاروبار کرنا مثلاً شراب کا کاروبار، جوئے کی کمائی، زنا اور فحاشی کی کمائی، نجومیوں کی کمائی، تعویذ وغیرہ دینا یا دم کرنا اور اس کا معاوضہ لینا، سرکاری یا سیاسی حیثیت میں تحفے لینا یا عمرے کرنا یا سیر سپاٹے کرنا یا کوئی اور ناجائز فائدہ لینا۔

❖ سرکاری ملازمین کا جعلی TA/DA لینا یا گاڑیوں کی مرمت کے جعلی بل وغیرہ وصول کرنا۔

❖ کسی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا۔

❖ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ (جن پر فرض ہو) ادا نہ کرنا۔

❖ جس کام کا معاوضہ ملتا ہے اس میں جان بوجھ کر کوتاہی کرنا مثلاً کوئی مستری مزدور اپنے دن کی مزدوری طے کرے لیکن کام چوری کرے۔ یہی اصول سرکاری اور پرائیویٹ ملازمین کے لیے بھی ہے۔

❖ جھوٹ بول کر یا سنسنی پھیلا کر خبریں دینا اور زیادہ رقم حاصل کرنا۔ آج کل یوٹیوب وغیرہ پر اکثر وڈیوز ایسی ہی ہیں کہ ان کے اوپر جو تھم نیل (Thumbnail) لگا ہوتا ہے وہ جھوٹ ہوتا ہے کیونکہ پوری وڈیو کے اندر وہ بات ہوتی ہی نہیں۔

❖ سود کی کمائی

یہاں صرف چند چیزوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان تمام باتوں کا تفصیلی علم حاصل کریں اور اس سے زیادہ ضروری ہے کہ ان میں سے اگر کسی میں بھی آپ (خدانخواستہ) ملوث ہیں تو ابھی، اسی وقت سچی توبہ کریں (توبہ کے بارے میں اسی کتاب میں الگ باب موجود ہے)۔

ایک اور بھی عرض ہے کہ آپ جو بھی ملازمت یا کاروبار کر رہے ہیں اس کے بارے میں ضرور معلوم کریں کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے یا حرام؟ اگر وہ حرام ہے تو اسے فوراً ختم کر دیں۔ اگر اس میں شک بھی ہے کہ یہ کمائی حلال کی ہے یا حرام کی جیسے میوزک سینٹر وغیرہ تو بھی احتیاط ہی اچھی چیز ہے ایسی آمدنی سے فوراً جان چھڑائیں۔ میں آپ کو ایک جاننے والے کی مثال دیتا ہوں۔ اس نے اپنا ذاتی یوٹیوب چینل بنایا۔ اس کے چار ہزار گھنٹے اور 1000 سبسکرائبر (Subscribers) صرف چار ہفتوں میں پورے ہو گئے اور اس کا چینل مونے ٹائز (Monetize) ہو گیا یعنی اب اسے اس چینل سے ڈالروں میں آمدنی ہونا تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک عالم دین کا بیان سنا جس میں بتایا گیا تھا کہ یوٹیوب کی کمائی حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں جو اشتہارات چلتے ہیں ان میں سے زیادہ تر اسلام کے احکامات کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس شخص نے مزید تحقیق کی تو یہ بات درست ثابت ہوئی لہٰذا اس نے فوری طور پر اپنے چینل کو ڈی مونے ٹائز (Demonetize) کر دیا یعنی اس پر اب نہ اشتہارات چلیں گے اور نہ ہی اسے کوئی رقم ملے گی۔ یہ ہوتا ہے جذبہ ایمانی ورنہ یہاں تو اکثر لوگوں کو بس پیسہ چاہیے خواہ وہ حلال کا ہو یا حرام کا۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ یہ جاننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ ان کی کمائی حلال کی ہے یا حرام کی؟ پھر کہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ جب کمائی حرام کی ہو گی تو دعائیں ہرگز قبول نہیں ہوں گی اور نہ ہی اس روزی میں برکت ہو گی۔

تجارت (جنت یا دوزخ)

تجارت ایک زبردست پیشہ ہے۔ خود حضور ﷺ نے نہ صرف اپنے ملک کے اندر تجارت فرمائی بلکہ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی تجارت فرمائی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دیگر بے شمار صحابہ کرامؓ کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ اگر تجارت اسلامی طریقے کے مطابق کی جائے تو اس کا بہت زیادہ ثواب ہے اور اگر تجارت اسلامی اصولوں کے خلاف کی جائے تو اس کا بہت گناہ ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تاجر درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں تو بے شک سب سے اچھی کمائی تاجروں کی ہے:۔

- جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں
- امین بنائے جائیں تو خیانت نہ کریں
- وعدہ کریں تو خلاف ورزی نہ کریں
- دوسرے سے چیز خریدتے وقت اس چیز کی بد تعریفی نہ کریں
- اپنی چیز کو فروخت کرتے ہوئے اس کی بے جا تعریف نہ کریں
- جب ان پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کریں
- اگر انہوں نے کسی سے قرض لینا ہو تو مقروض پر سختی نہ کریں

حضور ﷺ نے اچھے تاجروں کو ان الفاظ میں خوشخبری سنائی:۔

❖ ”سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیائے کرامؑ، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہو گا“۔ اس سے بڑھ کر کسی شخص کے لیے اور کیا انعام ہو سکتا ہے؟

- ❖ ''سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہو گا''۔ ہم جانتے ہیں کہ قیامت والا دن ہماری دنیا کے 50 ہزار سالوں کے برابر ہو گا۔ اس دن عرش کے علاوہ کسی اور چیز کا سایہ نہیں ہو گا اور سورج ہمارے بالکل قریب ہو گا لہٰذا اس دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہونا بھی بہت بڑی بات ہو گی۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو سورۂ **مُطَفِّفِيْن** میں ان الفاظ میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے، ایک بڑے دن کے لیے؟ اس دن تمام انسان رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے''۔ مدین میں ایک قوم آباد تھی۔ یہ قوم ناپ تول میں کمی کی عادی تھی۔ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیبؑ نے انہیں ایسا کرنے سے بار بار منع فرمایا مگر وہ باز نہ آئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ سورۂ ہود کی آیت نمبر 94 اور 95 میں یہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ '' آخر کار جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے شعیبؑ کو اور اس کے ہمراہ جو اہل ایمان تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آلیا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۔ (اور ایسے مٹے کہ) گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ (تو) سن لو، پھٹکار ہے مدین (والوں) پر جیسے پھٹکار پڑی ثمود پر''۔

تجارت کے سلسلے میں حضور ﷺ نے درج ذیل اصولوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے:۔

- کسی حرام کام کی تجارت ہرگز نہ کی جائے۔ پاکستان میں کئی لوگ حرام گوشت تک

فروخت کررہے ہیں۔ کچھ گرفتار بھی ہوتے ہیں لیکن نظام کی خرابی کی وجہ سے یہ حرام دھندہ ابھی بھی جاری ہے۔

- تجارت میں سود کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔
- اگر مال بیعانہ (Advance money) لے کر فروخت کیا اور باقی رقم بعد میں لینی طے ہوئی اور کسی وجہ سے خریدار باقی رقم نہیں دے سکتا تو ہمارے ملک میں کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ وہی جو ہم اپنے معاہدوں میں لکھتے ہیں کہ "اگر فروخت کرنے والا معاہدے سے پھر گیا تو وہ بیعانے سے دگنی رقم خریدار کو ادا کرے گا اور اگر خریدار باقی رقم مقررہ تاریخ پر ادا نہ کر سکا تو اس کا بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا"۔ اسلام میں بیعانہ ضبط نہیں کیا جا سکتا اگر خریدار مقررہ تاریخ تک باقی رقم نہیں دے سکتا تو فروخت کرنے والا معاہدہ منسوخ کر سکتا ہے لیکن وہ بیعانے کی لی گئی رقم خریدار کو واپس کرنے کا پابند ہے۔ ان غیر اسلامی رواجوں کو ہمیں فوراً ختم کرنا ہو گا۔
- تاجر چیز خریدتے وقت یا فروخت کرتے وقت جھوٹ نہ بولے مثلاً ایک شخص اپنی زمین فروخت کرنا چاہتا ہے اور اس کی زمین میں سے کچی سڑک گزرتی ہے مگر وہ خریدار کو جھوٹ بولتا ہے کہ حکومت نے یہ سڑک پکی کرنے کی منظوری دے دی ہے وغیرہ۔
- کسی بھی طرح کا دھوکا دینا جائز نہیں۔ اچھا مال سامنے رکھنا اور ناقص مال کو چھپا کر رکھنا اور فروخت کرتے وقت ان کو ملا دینا دھوکے کی ایک مثال ہے۔
- دوسرے کی چیز خریدتے ہوئے اس کی چیز میں نقص نہ نکالے۔ آج کل ہمارے

ہاں یہ رواج عام ہے کہ پہلے اگلے کی چیز کے درجنوں عیب نکالو پھر سودا کرو یا نہ کرو۔ اسلام میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

- فروخت کرنے والے (Seller) پر فرض ہے کہ وہ اپنی چیز کی خامیاں خریدار کو خود بتائے۔ فرض کریں ہم نے اپنی کار فروخت کرنی ہو اور ہم سے خریدار پوچھے کہ اس میں کوئی نقص تو نہیں؟ تو ہم بڑی سادگی سے کہہ دیتے ہیں۔ "جی! آپ کے سامنے ہے، سونا ہے یا سکہ، آپ خود ہی دیکھ لیں"۔ یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ میں نے چند سال پہلے اپنی کار فروخت کرنے کا اشتہار دیا۔ خریداروں میں ایک انجینئر صاحب بھی شامل تھے۔ انہوں نے گاڑی کو مکمل چیک کیا حتیٰ کہ گاڑی کے نیچے لیٹ کر بھی معائنہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ گاڑی مجھے پسند ہے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے اتنے غور سے گاڑی کا جائزہ لیا ہے کیا اس میں کوئی نقص ہے؟ انہوں نے کہا گاڑی بالکل نئی حالت میں ہے اور کوئی نقص نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا اس میں تین نقص ہیں۔ پھر میں نے وہ تین نقص انہیں بتائے۔ انہوں نے کہا کہ گاڑیاں خریدنا بیچنا ان کا پیشہ ہے اور یہ ان کی زندگی کا پہلا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی چیز کے نقص خود بتائے ہیں۔ میں نے کہا یہ میرے رسولؐ کا حکم ہے۔ اس شخص نے میری بتائی ہوئی قیمت پر گاڑی خرید لی۔ میرے ساتھ زندگی میں ایسے واقعات درجنوں مرتبہ پیش آئے لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگلے جہان میں تو ان اصولوں پر عمل کرنے کا انعام ہے ہی مگر اس دنیا میں بھی اس کے بے شمار فائدے ہیں۔

- اپنا مال بیچنے کے لیے جھوٹی قسم کھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ سچی قسمیں

کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے مال میں برکت ختم ہو جاتی ہے۔

- تاجر کو اگر وقتی طور پر تجارت میں مندا ہوتا ہے تو وہ ہر گز پریشان نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرے۔ اسے یقین ہو کہ اللہ اسے بھی اسی طرح رزق عطا فرمائے گا جس طرح وہ پرندوں کو عطا فرماتا ہے۔ وہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔
- نماز کے اوقات خصوصاً نماز جمعہ کے وقت تجارت (دکان وغیرہ) بند کر دے۔
- مسلمان تاجر کو یقین ہونا چاہیے کہ جھوٹ، بے ایمانی، دھوکے سے اس کے رزق میں اضافہ نہیں ہو گا کیونکہ اس کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندے کا رزق اس کو تلاش کرتا ہے جیسے موت اس شخص کو تلاش کرتی ہے یعنی اس کے حصے کا رزق ہر صورت اس کو مل کر رہے گا۔
- تاجر اگر صاحب نصاب ہے تو وہ خوشی سے زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ ادا کرے۔ اس کے علاوہ صدقہ خیرات بھی کرتا رہے لیکن پیشہ ور بھکاریوں کو نہ دے۔
- تاجر جب بھی قرض دے یا لے تو اسے لازمی تحریر کر لے۔
- اسی طرح سے ذخیرہ اندوزی کرنا اور ناجائز قیمت وصول کرنا بھی اسلام میں سخت منع ہے۔
- ملاوٹ کرنے سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔ "جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں" یعنی آپؐ نے اسے اپنی امت سے ہی خارج کر دیا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ملاوٹ عام ہے۔ پہلے لوگ دودھ میں پانی ملاتے تھے لیکن اب تو دودھ میں کھاد اور دیگر زہریلی چیزیں ملائی جا رہی ہیں جو ایک طرح سے انسانوں کا قتل ہے۔ پھل فروٹ تک کو

مضر صحت ٹیکے لگائے جارہے ہیں۔ یہ سب کام حرام ہیں اور گناہ کبیرہ ہیں۔

- حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب تاجر ہندوستان، سری لنکا اور انڈونیشیا وغیرہ کے ساتھ بحری تجارت کرتے تھے۔ یہ تاجر انتہائی اعلیٰ کردار کے مالک تھے لہٰذا جب ان تاجروں نے ہندوستان اور ملحقہ علاقوں کے باشندوں کو حضور ﷺ کی نبوت کی اطلاع دی تو وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان عرب تاجروں نے ان لوگوں کے ساتھ معاملات میں کبھی دھوکہ نہیں کیا تھا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ دکانوں میں بورڈ لگائے ہوتے ہیں کہ "خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہو گا"۔ بھائی! اگر خریدار تھوڑی دیر کے بعد ہی مال واپس یا تبدیل کرنا چاہتا ہے اور اس مال میں کوئی نقص بھی پیدا نہیں کیا گیا تو اسے واپس لینے میں کیا حرج ہے؟ ناپ تول میں کمی تو ایک معمول بن چکی ہے۔ جس چیز کی قیمت بڑھنے کے امکان ہوں اس کی فروخت روک دی جاتی ہے (یہ تماشہ پٹرول پمپوں پر اکثر دیکھنے میں آتا ہے)۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ کچھ تاجروں نے اپنے حلیے بالکل سنت رسولؐ کے مطابق بنائے ہوتے ہیں۔ وہ نمازیں بھی باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں بلکہ جماعت سے ادا کرتے ہیں، حج و عمرہ بھی کثرت سے کرتے ہیں، صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں لیکن تجارت (Business) میں ہر طرح کی دو نمبری (ملاوٹ، دھوکہ، ناپ تول میں کمی، غیر معیاری چیزوں کی فروخت، ذخیرہ اندوزی، حساب کتاب میں بے ایمانی وغیرہ وغیرہ) بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ کیسا اسلام ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں حرام کی کمائی سے صدقہ خیرات اور حج عمرہ جیسی عبادتیں قبول ہی نہیں کی جاتیں۔

رشوت

یہ ایک بڑا گناہ ہے۔ اسلام نے اس کی سختی سے مذمت کی ہے۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 188 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ"۔ اس کا مطلب ایک مثال سے سمجھیے۔ فرض کریں اسلم نے اکرم کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے اور ان کا عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ اسلم کسی عدالتی اہلکار یا افسر کو رشوت دیتا ہے کہ وہ فیصلہ اس کے حق میں کر دے تو گویا اس نے اس لیے رشوت دی کہ وہ اکرم کی زمین پر ناجائز قبضہ برقرار رکھ سکے۔ اسی طرح سے اگر کسی ٹھیکیدار نے سڑک بنانی تھی اور اس نے یا تو سرے سے سڑک ہی نہیں بنائی یا ناقص بنائی لیکن وہ حکومت سے پوری رقم لینے کے لیے متعلقہ سرکاری افسروں کو رشوت دیتا ہے کہ وہ اس کا بل پاس کر دیں۔ اسی طرح کی درجنوں مثالیں ہیں جو ہمارے معاشرے سے دی جا سکتی ہیں۔ یہ رشوت کی ایک قسم ہے۔

رشوت کی دوسری قسم یہ ہے کہ آپ کسی دوسرے فرد یا ادارے یا حکومت کا حق نہیں چھین رہے ہوتے بلکہ آپ کو اپنا حق نہیں مل رہا ہوتا اور مجبوراً آپ کو رشوت دینا پڑتی ہے۔ لوگ اس بارے میں علمائے کرام سے پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ کیا مجبوری میں رشوت دینا جائز ہے؟ اس کا جواب ہے کہ "مجبوری" کی نوعیت کیسی ہے؟ مثلاً ایک سرکاری شخص ریٹائر ہوتا ہے اور متعلقہ لوگ اس کی پینشن (pension) میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہوتے ہیں تو کیا وہ رشوت دے سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ کیونکہ آج کل شنوائی کے درجنوں طریقے موجود ہیں۔ وہ شخص اس محکمے کے بڑے افسروں سے مل سکتا ہے۔ چیف سیکریٹری، وزیر اعلیٰ، وزیر اعظم کو درخواست دے سکتا ہے۔ اینٹی کرپشن یا FIA سے الٹا ان پر چھاپہ

ڈلوا کر انہیں جیل بھجوا سکتا ہے۔ محتسب یا ہائی کورٹ سے رجوع کر سکتا ہے۔ میڈیا کا سہارا لے سکتا ہے۔ کسی سیاسی شخصیت کو درخواست کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دراصل زیادہ تر لوگ اپنی آسانی کے لیے رشوت دیتے ہیں جو کہ جائز نہیں ہے۔ میں یہ بات زور دے کر اس لیے عرض کر رہا ہوں کیونکہ میرے آقا حضور ﷺ نے فرمایا۔

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَا ھُمَا فِی النَّارِ

" رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخی ہیں "۔

حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ رشوت دینے والے کا ذکر پہلے ہے اور رشوت لینے والے کا بعد میں۔ اگر کوئی رشوت دے گا نہیں تو دوسرا لے گا کیسے؟ یہاں یہ بات عرض کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اردو میں راشی کا مطلب ہوتا ہے رشوت لینے والا جب کہ عربی زبان میں اس کا الٹ ہے۔ عربی میں راشی کا مطلب ہے رشوت دینے والا۔ اس لیے جب تک جان جانے کا خطرہ نہ ہو رشوت دینا یا لینا جائز نہیں ہے۔ اپنا حق لینے میں جو تکلیفیں پیش آئیں گی ان کا گناہ ان لوگوں کے سر ہو گا جو اس کی وجہ بنے۔ گویا ایسی صورتحال میں ان کی پوزیشن مظلوم اور ظالم کی ہو جائے گی اور اگلے جہان میں ان ظالموں کی نیکیاں کاٹ کر اس مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر ان کی نیکیاں نہ ہوئیں تو اس مظلوم کے گناہ ان ظالموں کے کھاتے میں لکھ دیے جائیں گے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے نے رشوت کو قبول کر لیا ہے۔ ہمارے علم میں ہوتا ہے کہ ہمارا ایک جاننے والا شخص سرکاری نوکری میں آتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ امیر ہو جاتا ہے مگر ہم بحیثیت معاشرہ اس سے نفرت نہیں کرتے حالانکہ ہمیں اسے محسوس کرانا چاہیے کہ وہ برائی کے راستے پر ہے۔ حضور ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

بدقسمتی سے آج کل رشوت کے کئی طریقے ایجاد ہو گئے ہیں۔ ان سب سے بچنا

بہت ضروری ہے۔ کچھ لوگ رشوت کو چائے پانی یا مٹھائی کا نام دے دیتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اسے تحفے کے نام سے دینے کی کوشش کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ لوگ ان افسروں کو عمرہ اور حج بھی مفت کراتے ہیں جو ان کے ناجائز مفادات کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایسے عمرے یا حج کرنا جائز نہیں اور نہ ہی تحفے تحائف لینا۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک صحابیؓ کو بطور عامل کسی قبیلے کے پاس زکوٰۃ اکٹھی کرنے کی غرض سے بھیجا۔ واپس آکر انھوں نے عرض کیا کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے اور یہ مجھے تحفے ملے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”عامل کا کیا حال ہے کہ اس کو ہم بھیجتے ہیں تو آکر کہتا ہے کہ یہ تمھارا ہے اور یہ میرا ہے۔ تو اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھ کر نہیں دیکھتا کہ اس کو تحفے ملتے ہیں کہ نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اس میں سے جو لے جائے گا وہ قیامت میں اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔ اونٹ، گائے، بکری جو ہو“۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس صحابیؓ نے تحفوں کے بدلے میں زکوٰۃ میں کوئی رعایت نہیں کی تھی بلکہ پوری زکوٰۃ وصول کی تھی لیکن اس کے باوجود سرکاری لوگوں کو حضور ﷺ نے تحفے لینے سے منع فرمایا۔ کئی سرکاری لوگ رشوت لے کر سرکاری ٹیکس پورا وصول نہیں کرتے۔ یہ دہرا جرم ہے، ایک رشوت لینا اور دوسرا قومی خزانے کو نقصان پہنچانا۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں رشوت پرائیویٹ (غیر سرکاری) محکموں کے اندر بھی گھس گئی ہے۔

سود

اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ سود سے مراد یہ ہے کہ قرض کی اصل رقم سے زیادہ رقم واپس لی جائے۔ یہ جو اصل رقم سے فالتو رقم ہے یہ سود ہے۔ یہودی سود کا کاروبار کرتے تھے اور انہوں نے سودی کاروبار کی وجہ سے مدینہ کے مشہور قبائل اوس اور

خزرج کو اپنا مطیع بنایا ہوا تھا۔ اوس اور خزرج کے درمیان جو جنگیں ہوتی تھیں ان کی ایک وجہ یہی یہودی سودی قرض ہوتا تھا۔ کچھ عرب بھی سود کا باقاعدہ کاروبار کرتے تھے۔ دراصل سود لینے والے کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ لوگ قرض کے طور پر لیں تاکہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ سود وصول کر سکے۔ اس صورتحال میں لوگوں کو آسانی سے قرض دستیاب ہوتا ہے لہٰذا وہ چھوٹی سی ضرورت پڑنے پر بھی قرض لے لیتے ہیں اور یوں وہ اس گندے کاروبار کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اسلام نے سرے سے سود کی جڑ کاٹ دی۔ حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ پچھلے سارے سود معاف کیے جاتے ہیں اور میں سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا تمام سود معاف کرتا ہوں۔ سود اتنی بری چیز ہے کہ یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ حکم آج سے نافذ العمل (with immediate effect) ہوگا اور تم پچھلے سود وصول کر سکتے ہو بلکہ یہ فرمایا گیا کہ جو سود باقی ہیں ان کو بھی چھوڑ دو یعنی یہ حکم پچھلی تاریخوں یا ماضی (retrospective effect) سے لاگو کیا گیا۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 278 اور 279 کا ترجمہ ہے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور جو سود (لوگوں کے ذمے) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ"۔ بھلا کون ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ جیت سکتا ہے؟

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 275 بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے لیکن یہ آیت کم زیر بحث آتی ہے۔ ترجمہ "پس جس کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا وہ اسی کا ہوگا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو کوئی (اس حکم کے بعد پھر اس حرکت کا) اعادہ کرے تو ایسے

ہی لوگ دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے"۔ اس آیت کا آخری حصہ زیادہ غور طلب ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

(1) سود کی ممانعت کا حکم آنے کے بعد جو لوگ سود میں کسی بھی طرح سے ملوث ہوں گے تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور

(2) وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں ہی رہیں گے یعنی وہ جنت میں کبھی نہیں جائیں گے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اگر یہ الفاظ حدیث کے ہوتے تو کچھ لوگ طرح طرح کی تاویلیں نکال لیتے کہ یہ تو ضعیف حدیث ہے، اس کا تو ایک راوی ہی مستند نہیں ہے وغیرہ لیکن ان الفاظ کا ذکر قرآن مجید میں کرکے اللہ تعالیٰ نے کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

سود کتنا بڑا اور سنگین گناہ ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے درج ذیل افراد پر لعنت بھیجی ہے:۔

- ❖ سود لینے والا
- ❖ سود دینے والا
- ❖ سود پر گواہ بننے والا
- ❖ سود کی دستاویز لکھنے والا

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "سود 70 گناہوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ادنیٰ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح (یعنی زنا) کرے"۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں سودی کاروبار عام ہے۔ گلی محلوں میں ایسے بدبخت موجود ہیں جو لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انہیں سود پر فوراً رقم دے دیتے ہیں۔ پھر وہ بیچارے ساری زندگی رقم واپس کرنے میں لگے رہتے ہیں مگر وہ اس کا سود ہی ادا نہیں کر پاتے

نتیجتاً ان پر مقدمے بن جاتے ہیں یا ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ ان کی خواتین کی عزتیں تک محفوظ نہیں رہتیں۔ ہماری معیشت کی ابتری کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کا اعلان کیا ہوا ہے (استغفر اللہ)۔ کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ سود کی وجہ سے کاروبار چمکتا ہے، نئی انڈسٹری لگتی ہے، نوکریاں ملتی ہیں اور پوری قوم خوشحال ہو جاتی ہے۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 276 میں ارشاد ہے۔ ''اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے''۔

حضور ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپؐ نے سود خوروں کو اس طرح سے عذاب ہوتے دیکھا کہ ان کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر اُدھر ہل نہیں سکتے تھے اور ان کے پیٹ سانپوں سے بھرے ہوئے تھے نیز کچھ لوگ ان کو روندتے ہوئے گزرتے تھے۔

ہم میں سے جو بھی سود کی لعنت میں ملوث ہے اسے چاہیے کہ سودی کاروبار فوری طور پر بند کر دے۔ کچھ لوگ صرف اپنی گاڑی کا ماڈل تبدیل کرنے کے لیے بینک سے سود پر قرض لے لیتے ہیں۔ انہیں علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک سچا واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ چند سال قبل میرا کسی کام کے سلسلے میں ایک بینک میں جانا ہوا۔ میں بینک مینجر کے کمرے میں بیٹھا تھا کہ ایک خاتون داخل ہوئی۔ مینجر نے اسے مسکرا کر کہا کہ مبارک ہو! آپ کا لون (قرضہ) منظور ہو گیا ہے۔ جلد ہی نئی ہونڈا سٹی کار آپ کے پاس ہو گی لہٰذا مٹھائی کھلائیں۔ خاتون خوشی سے چہک اٹھی اور اس نے مینجر کا شکریہ ادا کیا۔ میں اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا کہ اس خاتون نے سود پر قرض حاصل کر کے اپنی آخرت تباہ کر لی ہے۔ اتنے میں مینجر کا فون آ گیا۔ اس دوران میں نے دھیمی آواز میں عورت سے

پوچھا کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ جی ہاں! الحمدللہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے پاس موجودہ گاڑی کون سی ہے؟ اس نے جواب دیا، سوزوکی کلٹس۔ میں نے اس سے کہا کہ آپ میری اسلامی بہن ہیں اور مجھ پر فرض ہے کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جو کوئی بھی سود میں ملوث ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ میں نے اسے سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 275 کا حوالہ دیا اور کہا کہ یاد رکھنے کے لیے آپ دوسری سورۂ کی آیت نمبر پونے تین سو ذہن میں رکھ لیں اور پونے تین سو نمبر کی آیت کسی اور سورۂ میں ہے ہی نہیں۔ میں نے مزید کہا کہ آپ صرف اللہ کی رضا کے لیے یہ چھوٹی سی قربانی دیں۔ وہ آپ پر اپنی برکتوں اور رحمتوں کے دروازے کھول دے گا۔ میں نے اسے بتایا کہ اللہ نے مجھے نئی ہونڈا سٹی کار ہی عطا کر رکھی ہے لیکن یہ میرے اپنے پیسوں کی ہے نہ کہ سود پر لیے گئے قرض کی۔ اتنے میں مینیجر کی کال ختم ہو گی تو اس نے خاتون سے پھر مٹھائی کا تقاضا کیا۔ خاتون نے کہا کہ سوری، مجھے یہ قرض نہیں چاہیے۔ اس بھائی نے بتایا ہے کہ یہ تو دوزخ میں جانے کا سامان ہے لہٰذا میں اپنی پرانی گاڑی پر خوش ہوں۔ مینیجر کا منہ اتر گیا اور اس نے کہا کہ قرض کی منظوری پر کچھ اخراجات بھی آئے ہیں۔ خاتون نے کہا کہ وہ اخراجات اس کے اکاؤنٹ سے وصول کر لیے جائیں۔ ہم تینوں ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ خاتون! میرا شکریہ ادا کر رہی تھی، میں خاتون کے ایمان سے متاثر ہو رہا تھا اور مینجر کو ہم دونوں پر غصہ آ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ خاتون وہاں سے چلی گئیں۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام مسلمان کے اندر بہت زیادہ ایمان موجود ہے۔ بس اسے گناہ کی شدت کا اندازہ نہیں ہوتا اور اگر اسے اچھی طرح سے سمجھا دیا جائے تو وہ کبھی بھی دوزخ میں جانے والے کام نہیں کرے گا لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دوسرے مسلمانوں کو لکھ کر، بول کر، تقریر کر کے، خطبہ دے کر، آڈیو یا ویڈیو پیغام کے ذریعے اس

برائی سے روکیں اور باقی بری باتوں سے بھی روکیں اور نیک کاموں کی طرف توجہ دلائیں۔ آج کل سود کے کئی نام رکھ دیے گئے ہیں جیسے سروس چارجز، پرائسنگ، مارک اپ، کمیشن، منافع، پروسیسنگ فیس (processing fee) وغیرہ۔ ان سب سے ہمیں دور رہنا ہے۔

دھوکہ (فراڈ)

اسلام نے نہ صرف انسانوں سے دھوکا کرنے سے سختی سے منع کیا ہے بلکہ جانوروں سے بھی دھوکا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جانوروں سے اس طرح کہ بعض اوقات گھوڑے وغیرہ کو پکڑنے کے لیے اسے ایسا برتن دکھانا جس سے اس کو لگے کہ اس کو دانہ ملے گا جبکہ درحقیقت ایسا نہ ہو۔ اسلام اس عمل کو بھی دھوکہ قرار دیتا ہے۔ خیر انسانوں سے دھوکہ کرنے کی طرف واپس آتے ہیں۔ دھوکہ یا فراڈ سے جو بھی دولت حاصل کی جائے وہ حرام ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں دھوکے کی سیکڑوں قسمیں ہیں۔ نمونے کے طور پر صرف چند ایک درج کی جارہی ہیں:۔

❖ ایک ڈاکٹر کا مریض کو بار بار غیر ضروری طور پر چکر لگوانا تاکہ ہر بار اسے فیس مل سکے یا ڈاکٹر کا ان کمپنیوں کی دوائی لکھ کر دینا جن سے اسے ناجائز کمیشن اور دیگر ناجائز فائدے (تحفے، ملکی یا غیر ملکی دورے وغیرہ) ملتے ہوں یا ان لیبارٹریوں سے ٹیسٹ کرانے کا کہنا جن سے اسے کمیشن ملتا ہو۔ اسی طرح سے اگر بچہ نارمل طریقے سے پیدا ہو سکتا ہو تو اسے پیٹ چاک کر کے آپریشن(Cesarean Operation) کے ذریعے کرنا تاکہ بل زیادہ بن سکے یا غیر ضروری ٹیسٹ کرانا یا سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹروں کا مریضوں کو مجبور کرنا کہ وہ ان کے پرائیویٹ کلینک سے اپنا طبی معائنہ کروائیں۔ یہ سب اور اس طرح کی درجنوں چیزیں دھوکے اور فراڈ

کے زمرے میں آتی ہیں۔

❖ بجلی سے چلنے والی مشینیں جیسے پنکھا، پانی کی موٹر، استری، فرج وغیرہ خراب ہو جائیں اور ان کا صرف بجلی کا پلگ خراب ہو اور مستری کہہ دے کہ اس کی تو مشینری ہی جل گئی ہے۔ یہی مثال کار، موٹر سائیکل وغیرہ کے مکینک پر بھی لاگو ہوتی ہے نیز مستری کا اپنے شاگردوں کو ٹھیک طرح سے کام نہ سکھانا بھی دھوکہ ہے۔

❖ اگر استاد کلاس میں صحیح نہیں پڑھاتا اور وہ طالب علموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے پرائیویٹ ٹیوشن پڑھیں۔

❖ کچھ کمپنیاں اپنی اشیاء کی پیکنگ اس طرح کرتی ہیں کہ عام آدمی دھوکہ کھا جاتا ہے مثلاً وہ پاؤ کی بجائے 220 گرام کی پیکنگ کر دیتے ہیں اور عام آدمی اسے پاؤ سمجھ کر ہی خرید رہا ہوتا ہے حالانکہ پاؤ میں 250 گرام ہوتے ہیں۔ کچھ کمپنیاں لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مشہور اور اچھی کمپنیوں کے ناموں سے ملتے جلتے نام رکھ لیتی ہیں۔

❖ بسوں کے کچھ کنڈکٹر سواریوں کو بقایا نہیں دیتے۔ سواری بار بار بقایا مانگتی ہے اور کنڈکٹر کہتا ہے کہ ابھی دیتا ہوں۔ بالآخر کچھ مسافر بقایا لینا بھول جاتے ہیں اور اتر جاتے ہیں۔

❖ کچھ رکشے اور ٹیکسی والے انجان سواری کو ویسے ہی سڑکوں پر پھراتے رہتے ہیں اور ان سے ناجائز کرایہ وصول کرتے ہیں۔

❖ کچھ ریڑھی والوں نے مل کر اپنا ایک گروپ بنایا ہوتا ہے اور وہ عموماً لاری اڈے پر ریڑھی لگا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ انہوں نے برف کی سلوں پر مالٹے کے تازہ جوس کے گلاس سجائے ہوتے ہیں اور آوازیں لگا رہے ہوتے ہیں کہ دس دس روپے دس

دس روپے۔ لوگ سستا سن کر چار چار گلاس پی جاتے ہیں اور جب وہ چالیس روپے دیتے ہیں تو ریڑھی والا کہتا ہے کہ آپ کے 200 بنتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ آپ تو دس روپے کہہ رہے تھے۔ ریڑھی والا کہتا ہے میں تو ایک مالٹے کی قیمت بتا رہا تھا۔ پھر وہ سب ریڑھی والے جمع ہو جاتے ہیں اور مجبوراً مسافر کو 200 روپے ادا کرنے پڑتے ہیں۔

- فراڈ کی ایک نئی قسم سوشل میڈیا سے متعلق ہے۔ روزانہ لاکھوں لوگ وڈیوز بنا کر یوٹیوب، فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ پر پوسٹ کرتے ہیں اور وہ اپنی ویڈیو پر تھم نیل (Thumbnail) کے ایسے الفاظ لکھتے ہیں (مثلاً وزیر اعظم نے کابینہ میں ایسی بات کر دی جسے سن کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے) جس سے بندہ اس وڈیو کو شوق سے دیکھتا ہے لیکن پوری وڈیو میں تھم نیل والی بات سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ وہ ایسا صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی وڈیوز کو دیکھیں اور انہیں یوٹیوب اور فیس بک سے زیادہ رقم مل سکے۔ یہ بھی دھوکہ ہے۔
- ATM اور دیگر انٹرنیٹ فراڈ بھی عام ہیں۔
- کچھ لوگ دوسروں کو لالچ دیتے ہیں کہ آپ کا انعام نکل آیا ہے یا پلاٹ نکل آیا ہے یا کہتے ہیں کہ وہ کسی غیر ملک میں ہیں اور آپ کو اتنے کروڑ ڈالر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اب انسان لالچ میں آ جاتا ہے۔ پھر وہ فراڈیے کہتے ہیں کہ اس کے کچھ سروس چارجز یا رجسٹریشن فیس ہے جو آپ ہمیں پہلے بھیجیں۔ انسان بڑی رقم کے لالچ میں وہ پیسے بھیج دیتا ہے پھر وہ فراڈیے غائب ہو جاتے ہیں۔
- جھوٹی شادیوں اور فرضی ملازمتوں کے پر کشش اشتہارات دے کر رقم بٹوری

جاتی ہے۔ غرضیکہ اس طرح کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں طریقے ہیں جن سے لوگوں کے ساتھ دھوکہ کیا جاتا ہے۔ دھوکے سے جو بھی کمائی ہوگی وہ اسلام کی رو سے حرام کی کمائی ہے۔ یہ سیدھا دوزخ کا سودا ہے۔ جو شخص بھی فراڈ کرتا ہے وہ دراصل اپنے آپ سے فراڈ کرتا ہے کیونکہ اگر وہ دنیا میں پکڑا گیا تو جیل جائے گا اور اسے سزا ملے گی اور اگر یہاں سے بچ بھی گیا تو اگلے جہان اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے ساتھ اس نے دھوکا کیا ہوگا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ آپ بتائیں! دھوکہ باز نے کس کے ساتھ دھوکہ کیا؟ یقیناً اپنے ساتھ۔ جو لوگ بھی اس میں ملوث ہیں ان سے درخواست ہے کہ ابھی بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اپنی فوراً اصلاح کریں اور توبہ کی تین شرائط کے ساتھ سچی توبہ کریں۔

چوری اور ڈکیتی

اسلام نے چوری سے سختی سے منع کیا ہے۔ چوری گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں میں چوری عام تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی چوری چھپاتے بعض اوقات تو وہ اس پر فخر محسوس کرتے تھے۔ اسلام نے چوری کی نہ صرف مذمت کی بلکہ حکم دیا کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ سورۂ المائدہ کی آیت نمبر 38 میں ارشاد ربانی ہے۔ ”اور جو کوئی چور ہو، مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو“۔ اسلام نے چوری کو اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود میں شامل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص انتہائی محنت اور مشکلات سے کما کر کوئی چیز حاصل کرتا ہے جب کہ چور بغیر کسی خاص محنت کے وہ مال یا چیز چرا کر لے جاتا ہے

چور نے وہ چیزیں بغیر کسی محنت کے حاصل کی ہوتی ہیں لہٰذا وہ انہیں بے دردی سے ضائع کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر چور نشہ بھی کرتے ہیں، جُوا بھی کھیلتے ہیں اور زنا وغیرہ میں بھی ملوث پائے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

- اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے۔
- جب چور چوری کرتا ہے تو اس میں ایمان نہیں رہتا۔

بڑا مشہور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں ایک عورت جس کا تعلق بڑے گھرانے سے تھا چوری میں پکڑی گئی۔ چوری کے علاوہ یہ عورت لوگوں سے ادھار چیزیں لے کر مکر جایا کرتی تھی۔ اس کا تعلق قبیلہ مخزوم سے تھا۔ اسلام سے پہلے رواج تھا کہ جب کوئی طاقتور جرم کرتا تھا تو اسے اس کی یا تو سزا ہی نہیں دی جاتی تھی یا بالکل معمولی سزا دی جاتی تھی لہٰذا اس عورت کے خاندان والوں نے پوری کوشش کی کہ اس پر حد جاری نہ کی جائے (یعنی اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں) مگر بے سود۔ بالآخر انہوں نے آپؐ کے بہت چہیتے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے آپؐ کو سفارش کرائی۔ اس پر حضور ﷺ جلال میں آ گئے اور فرمایا۔ "اسامہ! اللہ کی حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو"۔ پھر آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ پچھلی قومیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی طاقتور آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دیتے تھے۔ پھر آپؐ نے تاریخی جملہ فرمایا۔ "خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"۔

ایک چور نے ایک صحابی حضرت صفوانؓ کی چادر چوری کر لی اور وہ پکڑا گیا۔ معاملہ حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپؐ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو حضرت صفوانؓ کو ترس آ گیا اور انہوں نے آپؐ سے عرض کی کہ اس چادر کی قیمت 30 درہم تھی آپؐ یہ سمجھیں کہ

میں نے اس چور کو یہ چادر فروخت کر دی۔ اب یہ مجھے 30 درہم ادا کرے گا لہٰذا مہربانی فرما کر اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم اسے پہلے معاف کر سکتے تھے لیکن جب معاملہ حاکم یا عدالت کے پاس آ جائے گا تو پھر نہیں۔ اس واقعے سے یہ اسلامی قانون بھی سمجھ میں آتا ہے کہ چوری ایک ناقابل راضی نامہ جرم ہے۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ قتل میں راضی نامہ ہو سکتا ہے جبکہ چوری کے جرم میں ریاست اس کی مدعی بن جاتی ہے اور وہ شخص بھی معاف نہیں کر سکتا جس کی چوری ہوئی ہو۔ پاکستانی قانون، پاکستان پینل کوڈ (PPC) میں بھی اسی طرح سے ہے۔

جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے حضور ﷺ ان مردوں اور عورتوں سے بیعت لیتے تھے کہ وہ کبھی چوری نہیں کریں گے اور حضور ﷺ کو سورۃ **الممتحنہ** کی آیت نمبر 12 میں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو سفیانؓ کی بیوی ہند نے فتح مکہ کے موقع پر جب اسلام قبول کیا اور اس سے حضور ﷺ چوری نہ کرنے کی بیعت لے رہے تھے تو اس نے عرض کیا کہ "میرا خاوند (حضرت ابو سفیانؓ) بہت کنجوس ہے۔ یہ جو گھر کا خرچہ دیتے ہیں اس سے میرے بچوں کی اور میری اپنی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو کیا میں ان کے مال سے کچھ چوری چھپے لے سکتی ہوں"؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! مگر اتنا جو تمہارے اور بچوں کے اخراجات کے لیے کافی ہو۔ یہاں سے یہ اسلامی مسئلہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ اگر خاوند بیوی بچوں کو پورا خرچہ نہ دے تو وہ حسب ضرورت اس کو بتائے بغیر اتنا مال لے سکتی ہے جس سے اس کی اور اس کے بچوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

چوری کے بارے میں چند مزید گزارشات

- کچھ لوگ مذاق مذاق میں چوری کرتے ہیں اگر پکڑے گئے تو کہا کہ مذاق کر رہا تھا اور اگر نہ پکڑے گئے تو مال ضبط کر لیا۔ یہ بھی چوری ہے
- کچھ امیر لوگوں کو بھی چوری کی عادت ہوتی ہے۔ یہ ایک بیماری ہے جسے انگریزی میں Kleptomania کہتے ہیں۔ یہ ایسا چور ہوتا ہے جو عام طور پر ان چیزوں کی چوری کرتا ہے جن کی اسے ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ عادتاً چوری کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔
- پاکستان میں چوری کی وارداتوں میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ مگر اس کے تدارک کا موثر طریقہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلامی سزائیں۔ اسلام میں پہلی دفعہ چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے لیکن اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹ دیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسی طرح سے تو کروڑوں لوگ معذور ہو جائیں گے ؟جی ! ایسا بالکل نہیں ہو گا جب چوروں کو معلوم ہو گا کہ ان کی کوئی معافی نہیں بلکہ ان کے ہاتھ پاؤں کٹ جائیں گے تو وہ چوری کرنے کی ہمت ہی نہیں کریں گے۔ انگریز کے دیے گئے نظام سے جس میں صرف چند سال جیل جانا پڑتا ہے چوری ختم نہیں ہو سکتی۔ چور کے ہاتھ کاٹنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس نے خفیہ طریقے سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا لیکن اللہ نے اس کا ہاتھ کٹوا کر اسے پوری دنیا کے سامنے ظاہر کر دیا کہ یہ چور ہے۔

ڈکیتی چوری سے بھی بڑا گناہ ہے کیونکہ ڈاکو مال زبردستی لے جاتے ہیں۔ چوری اور ڈکیتی سے جو بھی مال حاصل کیا جائے وہ حرام ہے۔ چوری اور ڈکیتی کا سامان خریدنا بھی حرام ہے۔ ہاں، اگر خریدار کے علم میں نہ ہو تو علیحدہ بات ہے۔

شراب اور تمام نشہ آور اشیاء

اسلام میں شراب پینا حرام ہے۔ شراب کی تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ شراب کے کاروبار میں کسی طرح سے بھی ملوث ہونا حرام ہے۔ یہی حکم دیگر نشہ آور چیزوں مثلاً ہیروئن، چرس، آئس، کوکین وغیرہ کے بارے میں بھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شرابی کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر وہ اس دوران فوت ہو جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

اسلام میں شراب کو ام الخبائث یعنی برائیوں کی ماں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شراب کو "گندہ کام اور شیطانی کام" کے ناموں سے پکارا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ شراب کے ذریعے شیطان تمہارے درمیان دشمنی ڈلوائے گا۔ ہم آئے روز دیکھتے ہیں کہ شرابی نہ صرف آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی لڑائیاں کرتے ہیں اور بعض اوقات نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کی تیسری خباثت یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ کی یاد اور نماز سے روک دیتی ہے(سورۃ المائدہ۔ آیت نمبر 90اور 91)۔ ظاہر ہے جب نشہ کرنے والا ہوش و حواس میں ہی نہیں ہو گا تو وہ کیسے اللہ کو یاد کرے گا؟ اسی وجہ سے نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ شراب کی وجہ سے بہت سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ بسا اوقات تو شرابی کو اپنی ماں بہن کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ اس لیے شراب بھی حدود اللہ میں شامل ہے اور یہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔ اس حد تک حرام ہے کہ اگر کوئی شخص بالواسطہ یا بلاواسطہ غرضیکہ کسی بھی طریقے سے شراب سے منسلک ہے تو وہ حرام کام کر رہا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص شراب کی بوتلیں بنا رہا ہے یا کوئی دوسرا شخص ان بوتلوں پر لگنے والے کاغذ کے لیبل یا بوتل

کی پیکنگ وغیرہ بنارہا ہے تو وہ بھی حرام کام کر رہے ہیں۔ یہ اصول اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۂ المائدہ کی آیت نمبر 2 میں طے کر دیا ہے کہ "گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کیا کرو"۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"خدا نے شراب ،اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے ، خریدنے والے ،دوسروں کے لیے نچوڑنے والے، اپنے لیے نچڑوانے والے، اس کے لے جانے والے اور جس کے پاس لے جائی جائے،سب پر لعنت فرمائی ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مومن شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ احکامات صرف شراب کے لیے نہیں ہیں بلکہ تمام نشہ آور چیزوں کے بارے میں ہیں ۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔"ہر وہ چیز جو نشہ پیدا کرے حرام ہے"۔ لہٰذا ہیروئن، حشیش، چرس، افیون، آئس وغیرہ سب حرام ہیں۔ ان کے علاوہ بھی نشہ آور چیزوں کی ایک لمبی لسٹ ہے وہ سب حرام ہیں۔

ایک اور نکتے کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "نشے والی ہر چیز حرام ہے۔ جس چیز کے زیادہ پینے سے نشہ ہو اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے"مثلاً شراب پینے سے نشہ آتا ہے لیکن اگر کوئی شخص بالکل تھوڑی سی شراب (ایک چسکی یا اس سے بھی کم) پی لے اور اسے نشہ نہ آئے تو کیا وہ بھی حرام ہو گی؟ جی ہاں! شراب کی کم سے کم مقدار بھی حرام ہو گی خواہ اس سے نشہ آئے یا نہ آئے۔

نشہ کرنے کے بے شمار طبی نقصانات بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کا جسم لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ ان کا مدافعتی نظام تباہ ہو جاتا ہے اور وہ بڑی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نشہ ان کے دماغ کو بھی بری طرح متاثر کرتا ہے۔ نشے کے سماجی نقصانات بھی

ہیں۔ بعض اوقات نشے کی حالت میں انتہائی معزز لوگ کسی گندی نالی میں گرے پڑے ہوتے ہیں۔ عام لوگ ان پر اعتماد نہیں کرتے اور یوں وہ دنیا میں تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہم سب جانتے ہیں کہ تنہائی سب سے بڑا عذاب ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے پاکستان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں شراب کے لیے ”حرام“ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن میں شراب کو ”شیطان کا کام“ کہا گیا ہے تو ظاہر ہے اگلے جہان جو انجام شیطان کا ہو گا وہی ان شرابیوں کا ہو گا۔ شراب پینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ جو اسے حرام اور گناہ سمجھ کر پی رہا ہے وہ گناہگار ہے لیکن جو شخص اسے حرام ہی نہ سمجھے وہ اللہ کا باغی ہے۔ گناہگار کی معافی تو ہو سکتی ہے لیکن باغی کی نہیں۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شراب کی پارٹیاں کرنے سے ان کے کاروباری اور سرکاری تعلقات بنتے ہیں جن کے بغیر گزارہ نہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے ساری زندگی شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا (بلکہ سگریٹ تک سے محفوظ رہا) لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میری ان بہترین عہدوں پر تعیناتی ہوئی لوگ جن کا خواب دیکھتے ہیں۔ دراصل یہ سب شیطان کی چالیں ہیں کہ وہ ہمیں برائی کو بھی خوشنما کر کے دکھاتا ہے۔

نشے کا ایک معاشی پہلو بھی ہے نشہ کرنے والے مزید دولت تو کما نہیں سکتے کیونکہ وہ نہ تو کاروبار کر سکتے ہیں اور نہ ہی صحیح طرح سے ملازمت جبکہ دوسری طرف انہیں روزانہ نشے پر کافی رقم خرچ کرنا پڑتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے کروڑ پتی نشہ کرنے والوں کو غریب ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمارا ایک عزیز لڑکا روزانہ 500 روپے کے سگریٹ پیتا تھا۔ میں نے اسے ایک دفعہ کہا کہ تم عمرہ کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا، پیسے نہیں ہیں۔ میں نے اسے حساب کر کے بتایا کہ اگر تم سگریٹ چھوڑ دو تو تم 15 ہزار

روپے مہینہ کی بچت کر سکتے ہو اور اگر تم صرف ایک سال سگریٹ چھوڑ دو تو اتنی رقم (180,000=12×15000) بچا سکتے ہو جس سے تمھارا عمرہ ہو جائے گا پھر میں نے اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی برکتوں اور تجلیات کے بارے میں تفصیل سے بتایا تو اس نے سگریٹ چھوڑ دیے اور عمرہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ذرا سوچیں! یہ رقم جو نشے پر خرچ ہوتی ہے اس سے کتنے غریبوں کو روٹی مل سکتی ہے، کتنے بچے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، کتنے مریضوں کو دوائی مل سکتی ہے۔ جو لوگ شراب یا دیگر نشے سے محفوظ ہیں وہ واقعی بڑے خوش قسمت ہیں۔ جو لوگ نشہ کرتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ فوراً سچی توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ان کو نشہ چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے ! آمین۔

جھوٹا مقدمہ کرنا یا جھوٹے مقدمے کی وکالت کرنا

کسی شخص پر جھوٹا مقدمہ کرنا یا جھوٹے مقدمے کی وکالت کرنا سخت گناہ کے کام ہیں۔ جھوٹا مقدمہ کرنے یا اس کی وکالت کرنے سے جو مال حاصل ہو گا وہ حلال نہیں ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ اگر آپ وکیل ہیں تو آپ کتنے خوش قسمت ہیں کہ جس ملک میں کروڑوں افراد ان پڑھ ہیں وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور تعلیم بھی ایسی کہ ڈاکٹر، انجینئر، بیوروکریٹ، کاروباری طبقہ، سیاست دان، صحافی غرضیکہ سب آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ آپ آفیسر آف دی کورٹ (Officer of the court) ہیں۔ پھر بھلا یہ ان سب نعمتوں کا شکر ہے کہ آپ جھوٹے کیس کی وکالت کریں؟ ہر گز نہیں! آپ صرف حقیقت پر مبنی کیس لیں۔ مظلوموں کو ان کا حق دلوائیں۔ آپ کی توقع سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ آپ کے لیے رزق کے دروازے کھول دے گا (إن شاء الله)۔

کسی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا

کسی کی زمین، پلاٹ یا جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنا یا کسی بھی ناجائز طریقے سے حاصل کرنا اسلام میں سختی سے منع ہے لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں یہ ایک باقاعدہ کاروبار بن چکا ہے۔ قبضہ مافیا لوگوں کی زمینوں اور پلاٹوں پر قبضہ کرتا ہے اور پھر ان سے بھاری رقم بٹورنے کے بعد قبضہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:۔

- حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جس نے ایک بالشت کے برابر کسی دوسرے کی زمین ہتھیالی تو اسے پانچ سخت ترین عذاب دیے جائیں گے“۔
- حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جو کوئی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے حاصل کر لے تو (قیامت کے دن) سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا“۔
- حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جس نے کچھ بھی زمین ناحق لے لی، وہ قیامت کے دن سات تہوں تک اس میں دھنسایا جائے گا“۔

لڑکیوں کا وراثت میں حصہ

وراثت کے بارے میں قرآن و حدیث میں بہت تاکید کی گئی ہے مگر بد قسمتی سے ہم میں سے اکثر لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے اور زبردستی یا جذباتی ہتھکنڈے استعمال کر کے انہیں ان کے حق سے دستبردار کروا لیتے ہیں۔ یہ سب اسلام کے خلاف ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ اگر بہن محبت میں بھائی کو اپنا حصہ دے رہی ہے تو بھائی اسی محبت میں بہن کو اپنے حصے میں سے کچھ کیوں نہیں دیتا جبکہ بھائی کو بہن کی نسبت دگنا ملا ہے۔ یہ کیسی محبت ہے کہ جس کو آدھا ملا ہے (یعنی بہن کو) وہ اسے دے رہی ہے جسے اس

سے ڈبل ملا ہے (یعنی بھائی کو)۔ یہ محض رواج ہے یا جذباتی کر کے یا زبردستی یا دھمکی دے کر ایسا کروایا جاتا ہے۔ یہ سخت گناہ ہے۔

ترک دنیا جائز نہیں

کچھ مذاہب کی تعلیمات میں یہ بات شامل تھی کہ اگر کوئی شخص روحانی بلندی چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے جسم پر ظلم کرے حتٰی کہ کچھ مذاہب میں آج بھی اسی طرح کے عقیدے پائے جاتے ہیں مثلاً ہندو مت میں سنیاسی اور بڑے مذہبی سادھو کئی کئی دن بھوکے رہتے ہیں، کچھ تو الٹے لٹکے رہتے ہیں، کچھ کپڑے نہیں پہنتے بلکہ اپنے جسم پر راکھ یا مٹی وغیرہ مل لیتے ہیں اور کچھ نے کئی کئی دن اپنے اوپر نیند حرام کی ہوتی ہے۔ اسلام نے اس طرح کی تمام فضول رسومات کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ اسلام نے ہمیں یہ بتایا کہ دنیا کو ترک کر کے جنگلوں میں یا تنہائی میں زندگی بسر کرنا کوئی کمال نہیں ہے۔ اصل کمال یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر سارے دنیاوی معاملات اسلام کے مطابق طے کیے جائیں۔ دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے"۔ آپؐ کی مشہور دعا جو سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 201 میں درج ہے ملاحظہ فرمائیں۔ "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔ دیکھیں! ہمارے آقا حضور ﷺ نے پہلے اس دنیا کی بہتری کی دعا فرمائی ہے اور پھر اگلی دنیا کی۔ سورۂ القصص کی آیت نمبر 77 میں ارشاد ہوا۔ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۔ "اور دنیا سے اپنا حصہ لینا فراموش نہ کر"۔ انسان کا دراصل ٹیسٹ ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے مشکل ترین امتحان میں پاس ہوتا ہے یا فیل۔ اگر وہ دنیا کو ہی چھوڑ دے تو پھر اس کا تو امتحان ہی نہ ہوا لہٰذا اسلام نے

قریبی سے قریبی شخص کی موت پر بھی تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی اجازت نہیں دی۔ حکم ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین دن غم منالو پھر دنیا میں واپس آؤ۔

ایک شخص ملازمت کرتا ہے اور وہاں اسے آسانی سے رشوت مل سکتی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے ٹھکرا دیتا ہے۔اسی طرح ایک شخص کاروبار کرتا ہے اور وہ بے ایمانی کر کے ڈھیروں روپے کما سکتا ہے مگر وہ ایسا اس لیے نہیں کرتا کیونکہ ہمارے آقا حضور ﷺ نے ایسی کمائی سے منع فرمایا ہے۔اب ان لوگوں نے جو آسانی سے غلط مال حاصل کر سکتے تھے اپنے آپ کو حرام مال لینے سے روکا۔ یہ مشکل کام ہے۔ دوسری صورت میں اگر کوئی گوشہ نشین ہو کر دن رات عبادت کرتا ہے اور اسے ایسے کسی امتحان کا سامنا ہی نہیں کرنا پڑتا تو اس نے کیا کمال کیا؟

اسلام تو اس قدر عملی دین ہے کہ اسلام نے انسان کے اپنے جسم کے بھی حقوق متعین کر دیے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیرے اوپر تیرے اپنے بھی حقوق ہیں۔ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اپنی نیند پوری کریں، اچھی خوراک کھائیں تاکہ صحت اچھی رہے، صحت مند کھیلوں (تیر اندازی، نیزہ بازی، دوڑ، کشتی، تیراکی، گھڑ سواری وغیرہ) میں حصہ لیں، اچھے کپڑے پہنیں، صاف ستھرے رہیں، اپنی معیشت اچھی کریں تاکہ ہم محتاجی اور پریشانی سے محفوظ رہیں، بیمار ہوں تو ڈاکٹر سے رجوع کریں، شادی کریں، بچے پیدا کریں، سیر و سیاحت کریں، نوکری کریں یا کاروبار لیکن ان چیزوں میں بھی بے اعتدالی کی اجازت نہیں ہے مثلاً آپ آرام کریں لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ سوتے رہیں اور نماز بھی نہ پڑھیں۔اسی طرح سے کھانا ضرور کھائیں لیکن اتنا نہ کھائیں کہ چربی کا پہاڑ بن جائیں اور چل پھر بھی نہ سکیں اور نہ عبادت کر سکیں وغیرہ۔ حضور ﷺ نے تو لگاتار نفلی روزے رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

دراصل اسلام اتنا متوازن اور خوبصورت دین ہے کہ اس پر عمل کرنا ازحد آسان ہے۔ اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم اسلام پر عمل کر کے اپنی اس زندگی کو بھی جنت بنالیں اور اگلے جہان بھی جنت میں چلے جائیں یا شیطان کے طریقوں پر عمل کر کے دونوں جہانوں میں دوزخ میں رہیں۔

جھوٹ

اسلام میں سچ بولنے کا حکم دیا گیا ہے اور جھوٹ سے بچنے کی بھی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں یہ حکم کئی مقامات پر مختلف انداز میں آیا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

❖ "بے شک اللہ ایسے دشمن کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا (اور) ناشکرا ہو" (سورۂ زُمَر۔ آیت نمبر 3)

❖ "اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو" (سورۂ حج۔ آیت نمبر 30)

❖ ایک مقام پر شیطان اور جھوٹے کا تعلق ان الفاظ میں آیا ہے۔ "اور (اے پیغمبر، ان لوگوں سے کہو کہ) میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترا کرتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے بدکار پر اُترا کرتے ہیں" (سورۂ شعراء۔ آیت نمبر 221 اور 222)

❖ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 61 میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ ترجمہ "جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے"۔ عربی میں لعنت کا معنی ہے "اللہ کی رحمت سے محرومی"۔ آپ خود سوچیں کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ خود لعنت بھیجے۔ اس سے بڑا بدبخت اور کون ہو گا؟

اب اس بارے میں چند احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

❖ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس سے جو بدبو آتی ہے اسکی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے۔

- جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں (لے جاتا ہے)۔
- حضور ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ "جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے، وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوا وہ جنت میں داخل ہوا۔ اس شخص نے حضور ﷺ سے پھر سوال کیا کہ دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جھوٹ بولنا، جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا"۔ حضور ﷺ کی اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جھوٹے کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔
- دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ جس طبقے میں سب سے سخت اور اذیت ناک سزا ہو گی وہ منافقین کا ٹھکانہ ہو گا یعنی دوزخ میں منافقین کی حالت کافروں سے بھی بدتر ہو گی۔ منافق کون ہوتا ہے؟ منافق وہ ہوتا ہے جس کے قول اور فعل میں فرق ہو لہٰذا یہ جاننا ضروری ہے کہ خدانخواستہ ہمارے اندر منافقوں والی کوئی علامت تو موجود نہیں؟ حضور ﷺ نے منافق کی یہ تین نشانیاں بتائی ہیں:۔ "جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے تو بے ایمانی کرے اگرچہ وہ نمازی اور روزے دار ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نہ کہتا ہو"۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جو منافق ہو گا وہ یقینی طور پر جھوٹا ہو گا۔ اس بارے میں قرآن مجید کی سورۃ المنافقون کی آیت نمبر 1 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں"۔ درج بالا سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور منافق اور جھوٹ تو اکٹھے رہ سکتے ہیں لیکن مسلمان اور جھوٹ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

❖ اب ذرا منافقین کے سربراہ کے بارے میں بھی جانیے۔ منافقین کے سربراہ کا نام عبد اللہ بن ابیّ تھا۔ یہ بظاہر مسلمان تھا اور نماز سے بہت پہلے مسجد نبویؐ میں آجاتا تھا اور جب آپؐ تشریف لاتے تو سب کو کہتا تھا کہ آپؐ کی تعظیم کریں۔ یہ نماز بھی آپؐ کے بالکل پیچھے ادا کرتا تھا (ایسے مقتدی کو باقی مقتدیوں سے زیادہ ثواب ملتا ہے) لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بدبخت نے ہر موقع پر حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائی اور اسلام کے خلاف کام کیا۔ اس کے بیٹے کا نام بھی حضرت عبد اللہؓ تھا جو سچے مسلمان تھے۔ جب یہ رئیس المنافقین فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے کی درخواست پر حضور ﷺ نے اپنا کُرتا عطا فرمایا کہ اسے بطور کفن استعمال کیا جائے اور آپؐ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ یہ تو حضور ﷺ کا خاص کرم تھا لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم نازل فرمایا کہ "(اے پیغمبر) تم ان لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (ان کی بخشش نہیں ہونے والی)۔ اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کی مغفرت کے لیے دعا کرو گے پھر بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا" (سورۂ توبہ، آیت نمبر 80)۔ اس کے بعد اسی سورۂ کی آیت نمبر 84 میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آئندہ آپؐ نے کسی منافق کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو شخص کسی بھی قِسم کا جھوٹ بولتا ہے وہ منافق ہے اور منافق کی ہرگز بخشش نہیں ہو گی کیونکہ جس منافق کا آپؐ نے خود جنازہ پڑھایا اور اپنا کرتا بھی اس کے کفن کے لیے دیا اس کی بھی بخشش نہیں ہوئی۔

جھوٹ کے بارے میں چند مزید گزارشات

1. کچھ لوگ بچوں کو بہلانے کے لیے ان سے وعدہ کر لیتے ہیں کہ آپ کو فلاں چیز یا

اتنی رقم دیں گے اور بعد میں وہ وعدہ پورا نہیں کرتے۔ یہ بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک خاتون نے اپنے کم سن بیٹے کو بلایا اور کہا کہ ادھر آؤ میں تجھے کچھ دوں گی۔ اس بچے کا نام عبداللہ بن عامر تھا۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا کہ تم نے کہا ہے اور بچے کو دیا کچھ نہیں۔ اُس عورت نے اپنے بیٹے کو کھجور دے دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو تمھارے نامہ اعمال میں جھوٹ لکھا جاتا۔

2. حضرت اسماءؓ بنت یزید نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر ہم کسی چیز کی خواہش رکھیں لیکن کہہ دیں کہ ہمیں اس کی خواہش نہیں (جیسے کوئی شخص دوسرے کو کھانے کے لیے کسی چیز کی پیشکش کرتا ہے اور وہ تکلف میں آکر کہہ دیتا ہے کہ اسے کھانے کو میرا دل نہیں چاہ رہا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا ہوتا ہے)۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹا جھوٹ، جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے۔

3. کچھ لوگ دوسروں کو ہنسانے کے لیے اور مزاح پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ایسے جھوٹ سے بھی سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "وہ شخص برباد ہو جو ایسی بات بیان کرتا ہے تاکہ اس سے لوگ ہنسیں لہٰذا وہ جھوٹ تک بول جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بربادی ہو، (پھر دوبارہ فرمایا) ایسے شخص کے لیے بربادی ہو"۔

4. حضور ﷺ نے جھوٹ کو خیانت قرار دیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔ "یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک جھوٹی بات کہو جبکہ وہ تمھیں سچا سمجھتا ہو"۔

5. جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کی تحقیق کیے بغیر دوسرے

لوگوں تک پہنچائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''آدمی کا یہ جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے وہ کہتا پھرے''۔ بدقسمتی سے آج کل جھوٹ کی یہ قسم عام ہے خاص طور پر سوشل میڈیا پر آپ کسی بھی شخص کے خلاف جو مرضی لکھ دیں یا وڈیو پوسٹ کر دیں۔ دوسرے فوری طور پر اسے آگے بھیجنا شروع کر دیں گے اور کچھ تو اتنے سمجھدار ہیں کہ لکھ دیں گے "Forwarded as Received" یعنی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہے بلکہ جیسے یہ تحریر یا آڈیو یا وڈیو ہمارے پاس آئی ہے ہم اسے ایسے ہی آگے بھیج رہے ہیں۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی پارسائی اور سچائی بھی قائم رہے اور ان کا برا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ وہ غلط فہمی میں ہیں کیونکہ در حقیقت وہ خود اس جھوٹ میں پوری طرح سے شامل ہیں۔

6. جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اپنی چیزوں کی قیمت بڑھا چڑھا کر بتانا مثلاً میں نے ایک سیکنڈ ہینڈ گھڑی خریدی ہے جس کی قیمت 15 ہزار روپے ہے جبکہ اس جیسی نئی گھڑی کی قیمت 50 ہزار روپے ہے اور میں لوگوں کو بتاتا پھروں کہ میں نے 50 ہزار کی گھڑی خریدی ہے تو یہ بھی جھوٹ ہو گا۔ جھوٹ کی یہ قسم بھی عام ہے۔

7. حد تو یہ ہے کہ ہم عادتاً جھوٹ بولتے ہیں مثلاً ہم نے کسی دوست کے پاس جانا تھا اور ہم لیٹ ہو گئے۔ دوست نے فون پر پوچھا کہ آپ کہاں پہنچے ہیں؟ ہم جہاں ہوتے ہیں وہاں سے ایک دو کلومیٹر آگے کا بتا دیتے ہیں۔

8. جھوٹی قسمیں کھانا، جھوٹی گواہی دینا، وعدہ خلافی کرنا اور جھوٹی تہمت یا بہتان لگانا بھی جھوٹ کی مختلف شکلیں ہیں۔

غرضیکہ جھوٹ کی ہزاروں اقسام اور مثالیں ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔ جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے لیکن اکثر لوگ اس کی شدت کو سمجھتے ہی نہیں لہٰذا ہمیں اپنا جائزہ لینا

چاہیے کہ خدا نخواستہ ہم کسی طرح سے جھوٹ میں ملوث تو نہیں؟ اور اگر ہیں تو فوراً توبہ کرنی چاہیے (توبہ کا تفصیلی طریقہ علیحدہ سے کتاب میں درج کیا گیا ہے)۔

چغل خوری

چغل خور وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان دشمنی ڈلوانے کے لیے سچی جھوٹی باتیں خود جا کر بیان کرے۔ مثال کے طور پر عبد اللہ اور عمر آپس میں قریبی دوست ہیں۔ عبد اللہ نے کہیں کوئی بات ایسی کر دی جو عمر کے خلاف تھی لیکن یہ بات عمر کے علم میں نہیں تھی کہ عبد اللہ نے اس کے خلاف کوئی بات کی ہے ۔اب چغل خور کا کردار یہ ہے کہ وہ عمر کو بتائے کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عبد اللہ نے آپ کے خلاف فلاں فلاں بات کی ہے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد تو یہی ہے کہ عبد اللہ اور عمر کے تعلقات خراب ہو جائیں اور ان کے درمیان دشمنی پیدا ہو جائے۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ چغل خور پوری بات سچ سچ ہی بتائے کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کے درمیان لڑائیاں کرانا ہوتا ہے لہٰذا عموماً وہ ان باتوں میں جھوٹ کی ملاوٹ بھی کرتا ہے اور خوب مرچ مصالحہ لگا کر دوسروں کو بھڑکاتا ہے۔

عام طور پر ہم چغلی کو چھوٹی برائی سمجھتے ہیں لیکن اسلام میں یہ ایک بڑا گناہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے برے لوگ کون ہیں؟ پھر آپؐ نے خود ہی جواب دیا اور فرمایا۔"جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے آپس کے تعلقات خراب کرتے ہیں"۔

لہٰذا ہمیں خود تو چغل خوری سے لازمی پرہیز کرنا چاہیے بلکہ اگر کوئی چغل خور ہمارے سامنے چغل خوری کرے تو اس کی سخت الفاظ میں حوصلہ شکنی کرنی چاہیے تاکہ وہ

دوبارہ یہ حرکت نہ کرے۔ اگر ہم نے اس کی باتیں غور سے سن لیں تو عین ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بات بعد میں ہمارے دل پر اثر کر جائے۔ چغل خوروں کے بارے میں حضور ﷺ کو سورۂ قلم کی آیات نمبر 10 سے 12 میں یہ تعلیم دی گئی۔ ”اور (اے پیغمبر) تم کسی ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا جو بہت زیادہ قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے، طعنے دینے والا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، حد سے گزر جانے والا ہے، سخت گناہ گار ہے“۔ لہٰذا ہمیں چغل خوروں سے دوری اختیار کرنی چاہیے کیونکہ وہ شیطانی چیلے کا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

بے جا غصہ کرنا

بے جا غصہ کرنا بھی ایک بڑی برائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غصہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

- اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 134 میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”جو لوگ غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت ہی پسند ہیں“۔
- سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر 37 میں ارشاد ہوا۔ ”اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں“۔

اس سلسلے میں حضور ﷺ کی چند احادیث درج ذیل ہیں:۔

- ”جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ خاموشی اختیار کرے“۔
- ”پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے“۔
- حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں

جس پر آگ حرام ہے۔ وہ نرم طبیعت، نرم زبان، اور لوگوں سے درگزر کرنے والا ہے"۔

آج کل لوگ چھوٹی چھوٹی بات پر غصے میں آ جاتے ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتی ہے۔ جس کا اگلا نتیجہ پولیس، مقدمہ اور عدالت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسلام میں غصہ کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ ایک صحابیؓ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَغْضَبْ (غصہ نہ کر)۔ انہوں نے عرض کی کوئی اور نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَغْضَبْ ۔ صحابیؓ کے تیسری دفعہ پوچھنے پر بھی یہی فرمایا۔ لَا تَغْضَبْ۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر آپ کو غصہ آئے اور آپ کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں۔ اگر آپ بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے لہٰذا جسے غصہ آئے اسے وضو کرنا چاہیے"۔ ایک دفعہ حضور ﷺ کے سامنے دو لوگوں میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ ان میں سے ایک کو سخت غصہ آ گیا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور رگیں پھول گئیں تو آپؐ نے اسے فرمایا۔ "تو پڑھ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ تیرا غصہ جاتا رہے گا"۔

غصے میں کیے گئے فیصلے عموماً غلط ہوتے ہیں جو بعد میں شرمندگی اور پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنے اوپر قابو پا لیں تو ہم بڑے نقصان سے بچ جائیں گے۔ میں آپ کو ایک زبردست اور قابل عمل فارمولا بتاتا ہوں کہ جب بھی آپ کو غصہ آئے اور آپ کسی شخص سے لڑائی کا فیصلہ کر لیں تو فوری طور پر لڑائی نہ کریں بلکہ ایک دفعہ اچھی طرح سے سو جائیں۔ سونے کے بعد آپ کو خود محسوس ہو گا کہ 90 فیصد صورتوں میں تو لڑائی بنتی ہی نہیں ہے۔ باقی دس فیصد صورتوں میں یہ فیصلہ کرنا بڑا ضروری ہوتا ہے کہ

کتنی لڑائی کرنی ہے اور کس نوعیت کی کرنی ہے؟ مثال کے طور پر ایک شخص نے مجھ سے دس ہزار روپے قرض لیا اور اب وہ قرض دینے سے انکاری ہے۔ اب میرے پاس کئی آپشن موجود ہیں۔ میں اسے دس ہزار روپے معاف کر سکتا ہوں، میں اس کے گھر والوں یا مشترکہ دوستوں کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ میری رقم واپس دلوانے میں میری مدد کریں، میں اسے کچھ مزید مہلت دے سکتا ہوں، میں اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہوں لیکن ہم فوراً ہی آخری قدم اٹھا لیتے ہیں۔ بسا اوقات بچوں کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں بڑے کود پڑتے ہیں اور نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ آج سے ہم نے غصے کو شکست دینے کی شعوری کوشش کرنی ہے اور اپنی ہر کامیابی پر (یعنی ہم جب جب غصے کو شکست دیں) خوش ہونا ہے کیونکہ ہماری یہ کامیابی دراصل شیطان کی ناکامی ہے۔

بُرے دوستوں کی صحبت سے پرہیز

آپ کی صحبت (Company) کا آپ کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے لہٰذا ہمیں برے لوگوں کی صحبت سے دور رہنا چاہیے اور نیک اور اچھے لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے اور انہی کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ اچھے اور برے دوست کی پہچان کے لیے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔
صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ وہ کس کی مجلس میں بیٹھیں؟ آپؐ نے فرمایا:

- ❖ "جس کو دیکھ کر تمہیں اللہ یاد آئے
- ❖ جس کی بات سے تمہارے علم میں اضافہ ہو
- ❖ اور جس کا عمل دیکھ کر تمہیں آخرت کی طرف رغبت ہو"۔

لہٰذا جس بندے میں یہ تین نشانیاں ہوں اس سے دوستی رکھنی چاہیے اور اسی کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

لڑکی کی شادی اس کی رضامندی کے خلاف کرنا

اسلام جہاں والدین کی حد درجہ اطاعت کا حکم دیتا ہے وہاں والدین کو بھی پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی شادی ان کی آزاد مرضی سے کریں۔ ہم لوگ اپنی بیٹی کی شادی کا فیصلہ کر لیتے ہیں، شادی کی تیاریاں کر لیتے ہیں، شادی کے دعوتی کارڈ تقسیم کر دیتے ہیں اور جب سیکڑوں مہمان آجاتے ہیں تو نکاح کے وقت لڑکی سے پوچھتے ہیں۔ ''کیا آپ کو یہ رشتہ قبول ہے؟'' یہ طریقہ اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ رشتہ کرنے سے پہلے لڑکی سے اس کی کسی قریبی سہیلی یا اس کی ماں کے ذریعے اس کی آزاد مرضی معلوم کی جائے۔ یہی حکم لڑکے کی شادی کے بارے میں بھی ہے۔

زنا اور بے حیائی

زنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد ہے۔ اسلام میں شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے پتھر مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اسی لیے اسلام جلدی شادی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جہیز اور دیگر فضول رسموں کی نفی کرتا ہے اور جو چیزیں زنا کی طرف لے جاتی ہیں مثلاً بد نظری، فحاشی اور عریانی وغیرہ ان سے بھی منع کرتا ہے۔

بد نظری سے مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کو بلاوجہ تاڑتے رہیں۔ اسلام نے مردوں کو اپنی آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی خاتون پر غلطی سے ایک دفعہ نظر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹا لینے کا حکم ہے اور اسے دوبارہ دیکھنا منع ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بے پردہ ہو کر اور بے ہودہ لباس پہن کر باہر نکلنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ عورت کو گھر سے باہر تیز خوشبو لگانے اور پازیب وغیرہ پہننے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اسے

مجبوری میں غیر محرم مردوں سے بات کرنی پڑ جائے تو وہ مٹھاس والے لہجے کی بجائے قدرے تلخ لہجے میں ان سے بات کرے۔ اسی طرح اسلام گالیاں دینے اور گندی باتیں کرنے سے بھی سختی سے منع کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "بدزبانی جس چیز میں شامل ہوتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے اور حیا جس چیز میں ہوتی ہے اس کو خوبصورتی دے دیتی ہے"۔ ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے"۔ اسلام نے کافروں کے معبودوں یعنی بتوں وغیرہ کو بھی برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ کہیں وہ کافر بدلے میں ہمارے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کو برا بھلا نہ کہہ دیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں فحاشی اور عریانی عام ہے بلکہ اب تو ہم نے اسے برا سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ زیادہ تر عورتیں بے پردہ اور بے باک ہیں، مردوں اور عورتوں میں حد درجہ بے تکلفی ہے۔ کچھ عورتوں نے تو ایسے کپڑے پہنے ہوتے ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جس میں عورتوں نے کپڑے پہنے ہوں گے مگر وہ ننگی ہوں گی۔ ہمارے فیشن ڈیزائنر نے عورت کے لباس سے دوپٹہ سرے سے غائب کر دیا ہے۔ مردوں کی حالت یہ ہے کہ کافی لوگوں نے گھٹنوں سے اوپر چھوٹی نیکر (Shorts) وغیرہ پہنی ہوتی ہے یا رانوں سے پتلون میں بڑے بڑے سوراخ کیے ہوتے ہیں یعنی ان کا ستر بھی نہیں ڈھکا ہوتا گویا ایسے لوگ ننگے ہوتے ہیں۔ مرد کے لیے یہ فرض ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں سمیت اس کا جسم لازمی ڈھکا ہوا ہو، یہ مرد کا کم سے کم ستر ہے۔ ہمارے کچھ پڑھے لکھے نوجوان اس کم سے کم ستر سے بھی عاری ہیں۔ یہ بے حیائی کی حد ہے لیکن اسلام کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے اکثریت کو اس بات کا پتہ ہی نہیں کہ وہ ننگے گھوم رہے ہیں۔

گاؤں میں عموماً لوگ بے جان چیزوں کو بھی گندی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں

مثلاً کسی کا پاؤں چارپائی سے ٹکرا گیا تو وہ چارپائی اور اس کی مالکن کو گندی گالیاں دے رہا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تیز آندھی چلنے پر ہوا کو گالیاں دے رہے ہوتے ہیں، کچھ لوگ زمانے کو گالی دیتے ہیں یا برا بھلا کہتے ہیں۔ بعض تھیٹر کے ڈراموں میں سب کے سامنے فحش باتیں اور فحش ڈانس ہو رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات کی تفصیل دوستوں کو بتا رہے ہوتے ہیں۔ کچھ دوستوں کی بے تکلفی کی یہ نشانی ہوتی ہے کہ وہ آمنے سامنے ایک دوسرے کی ماں بہن کو غلیظ گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور غصہ یا غیرت آنے کی بجائے قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں۔ یہ سب کام گناہ کبیرہ ہیں۔

اسی طرح اسلام غیر فطری جنسی تعلقات سے بھی منع کرتا ہے مثال کے طور پر مردوں کے دوسرے مردوں سے جنسی تعلقات (لواطت) اور عورتوں کے دوسری عورتوں سے جنسی تعلقات یا انسان کے جانور وغیرہ کے ساتھ جنسی تعلقات۔ لواطت کی برائی قوم لوط میں تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ بدقسمتی سے پاکستان کے کچھ علاقوں میں لواطت کی برائی بہت زیادہ ہے اور ظلم کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ نہ صرف یہ بدکاری کرتے ہیں بلکہ اعلانیہ کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حضرت محمد ﷺ کی امت نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان کو تباہ و برباد کر دیتا۔

کچھ لوگ زانی کی سزا (سنگسار کرنے) پر اعتراض کرتے ہیں کہ بڑی سخت سزا ہے۔ ان کی بات اس لیے غلط ہے کہ اسلام نے شادی کو آسان بنایا ہے۔ چند سو روپے خرچ کر کے کوئی شخص شادی کر سکتا ہے۔ پھر اگر اسے کوئی اور لڑکی پسند آ جائے یا کوئی مجبوری بن جائے تو اسلام نے اسے دوسری، تیسری اور چوتھی شادی کی بھی اجازت دے رکھی ہے یعنی ایک وقت میں ایک مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام مسلمان مرد کو یہ اجازت

بھی دیتا ہے کہ وہ اہل کتاب یعنی عیسائی یا یہودی لڑکی سے بھی شادی کر سکتا ہے۔ مزید بر آں اسلام نے فحاشی، عریانی اور عورت اور مرد کی مخلوط محفلوں پر پابندی لگا کر زنا کے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ ان سب احتیاطوں اور سہولتوں کے بعد بھی اگر کوئی زنا کرے تو وہ سنگسار سے بھی بری سزا کا مستحق ہے۔ جو لوگ بھی ان کاموں میں ملوث ہیں وہ سخت گناہگار ہیں۔ انہیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔ توبہ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں اس کتاب میں ایک باب موجود ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

حسد

حسد کا مطلب ہے دوسرے سے جلنا یعنی اس کو اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں سے نوازا ہے ان سے جلنا اور خواہش کرنا کہ وہ نعمتیں اس کے پاس نہ رہیں۔ یہ نعمتیں ہزاروں طرح کی ہو سکتی ہیں مثلاً خوبصورتی، علم، اولاد، مال و دولت، شہرت، اچھی صحت، مقام و مرتبہ وغیرہ وغیرہ۔ اسلام میں حسد کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

- جس طرح شہد کو سرکہ خراب کرتا ہے حسد ایسے ہی ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔
- حسد ایمان مونڈ دینے والی بیماری ہے
- تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حاسد کی نظر انسان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اسی لیے حاسدوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ سورۃ فلق میں ارشاد ہوا۔ "اور برا چاہنے والوں کی بدی سے جب وہ حسد کرے"۔ حسد سے بچنے کے لیے سورۃ الفلق کی تلاوت کرنی چاہیے۔ حسد ایک خطرناک

ترین مرض ہے۔ شیطان کو جب یہ حکم دیا گیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرے تو اس کے اندر حسد اور تکبر ہی تھا جس نے اسے اپنے رب کا حکم ماننے سے روکا۔ اسی طرح سے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔ یہ انسانی تاریخ کا پہلا قتل تھا۔ حسد کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ آج کل ہم اپنی ہر چھوٹی چھوٹی بات مثلاً کسی ہوٹل میں کھانا کھانا ، کسی جگہ سیر کو جانا، امتحان میں پاس ہونا، دوستوں سے ملنا وغیرہ کو سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتے ہیں یا لوگوں کو جا کر یا فون کر کے بتاتے ہیں حتٰی کہ جتنی بات ہوتی ہے اس میں جھوٹا مبالغہ کر کے بھی بتاتے ہیں مثال کے طور پر کسی شخص کے گھر میں غربت تھی۔ اس کا ایک بیٹا بیرون ملک چلا گیا جہاں اسے 50 ہزار روپے ماہوار کی ملازمت مل گئی اور ان کے گھر کے حالات بدل گئے مگر اس کے گھر والے لوگوں کو بتاتے پھرتے ہوتے ہیں کہ ان کے بیٹے کو لاکھوں روپے ماہوار کی ملازمت مل گئی ہے۔ ایک تو یہ جھوٹ ہے دوسرا ایسا کرنے سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے لہٰذا ہمیں اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

نتیجہ

(1) ہمیں حسد کرنے سے لازمی طور پر بچنا چاہیے کیونکہ حسد ہماری ساری نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ ہاں! رشک ضرور کرنا چاہیے۔ رشک کی مثال یہ ہے کہ اگر میں کسی عالم دین کو دیکھتا ہوں تو میں یہ خواہش کروں کہ میں بھی علم حاصل کروں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کروں کہ وہ مجھے اس سے بڑا عالم بنا دے اور مجھ سے دین کی خدمت کا کام لے۔ رشک کرنا اسلام میں نہ صرف جائز ہے بلکہ پسندیدہ بھی ہے۔

(2) ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کا بلاوجہ اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے حاسدین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

ریاکاری

ریاکاری کا مطلب ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی نیکی کی جائے۔ اسلام میں ریاکاری کی سختی سے ممانعت ہے۔ ایسی نیکی کا کوئی ثواب نہیں ملے گا جو لوگوں کو دکھلاوے کے طور پر کی گئی ہو بلکہ الٹا اس کا گناہ ہو گا۔ ہم میں سے بہت سارے لوگ دکھلاوے کی غرض سے عبادت کرتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں یا حاجی کہلوانے کے لیے حج کرتے ہیں جو کہ مناسب نہیں ہے۔ ریاکار کے لیے شدید ترین اور دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

دراصل اسلام میں سب سے بنیادی چیز نیت ہے اس سلسلے میں مشہور حدیث ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔ یاد رہے کہ حدیث کی تمام کتابوں میں بخاری شریف کا درجہ پہلے نمبر پر ہے اور یہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ اس سے اندازہ کرلیں کہ اسلام میں نیت کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اس حدیث میں ہجرت کی مثال دی گئی ہے۔ جب حکم ہوا کہ مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کریں تو تین لوگ مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ بھی ایک، منزل بھی ایک، چلے بھی ایک ہی مقام سے، تینوں کے قدم بھی اکٹھے اٹھ رہے تھے لیکن تینوں کی نیت الگ الگ تھی۔ ان میں سے ایک تجارت کی غرض سے جا رہا تھا، دوسرا شادی کرنے کے لیے جبکہ تیسرا وہ تھا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مانتے ہوئے جا رہا تھا۔ اب ظاہر ہے شادی اور تجارت جائز کام ہیں لیکن اصل ثواب کا حقدار تو وہ ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ہجرت کی۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ صرف وہ نیکیاں قبول کی جائیں گی جن کے کرنے میں اچھی نیت شامل تھی اور اگر کوئی اچھا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ کیا جائے بلکہ لوگوں کے دکھاوے کے لیے کیا جائے تو یہ ریاکاری ہو گی اور اس کا ثواب تو بالکل نہیں ہو گا البتہ اس کا

سخت ترین گناہ ہو گا۔اس سلسلے میں ایک رونگٹے کھڑے کردینے والی حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شہید کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے احسانات گنوا کر پوچھے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے جہاد اس لیے کیا کہ تم بہادر مشہور ہو جاؤ۔ پھر اسے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک عالم کو پیش کیا جائے گا۔ وہ بھی دعویٰ کرے گا کہ اس نے علم حاصل کیا اور اسے دین کے لیے استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے یہ سب اپنی مشہوری کے لیے کیا پھر اسے بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک سخی کو پیش کیا جائے گا جو اپنی سخاوت کا بتائے گا مگر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تو نے اس لیے سخاوت کی تا کہ لوگ تمہیں سخی کہیں۔ پھر اسے بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس حدیث سے ہی اندازہ لگا لیں کہ شہید، عالم اور سخی دوزخ میں کیوں گئے؟ حالانکہ انہیں تو سیدھا جنت الفردوس میں جانا چاہیے تھا۔ اس کا جواب واضح ہے کہ انہوں نے یہ سارے عمل اپنی شہرت کے لیے کیے اور ان کی ہرگز یہ نیت نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی ہو جائیں۔

ہم ذرا اپنے آپ پر غور کریں کہ ایک تو ہم نیکی کے کام کرتے ہی کم ہیں اور دوسرا جو نیکیاں کرتے ہیں کیا وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہیں یا اس کے پیچھے ہماری ریاکاری ہوتی ہے؟ بہت سے لوگ ہیں جو خیرات بھی کرتے ہیں تو حتی المقدور اس کی مشہوری ضرور کرتے ہیں۔ عام طور پر ہماری تو نمازیں بھی شاید ریاکاری کے زمرے میں ہی آتی ہیں وہ ایسے کہ جب ہم اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو جلدی جلدی رکوع، سجود کرتے ہیں، نماز کے دوران کئی دفعہ کھجلی کرتے ہیں، کبھی ایک ٹانگ پر اور کبھی دوسری ٹانگ پر کھڑے ہوتے ہیں، تلاوت جلدی جلدی کرتے ہیں لیکن یہی نماز جب لوگوں کے سامنے پڑھتے ہیں تو

آرام وسکون اور خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں تو کیا یہ ریاکاری نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ "پس تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کی طرف سے غفلت کرتے ہیں اور جو ریاکاری کرتے ہیں" (سورۂ الماعون۔ آیت نمبر 4 سے 6)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچیں کہ ہم یہ کام کیوں کر رہے ہیں؟ مثلاً زکوٰۃ تقسیم کرنی ہے اور ہم نے بھرپور طریقے سے میڈیا بھی بلایا ہوا ہے تاکہ ہماری مشہوری ہو جائے یا اس سے کل کوئی سیاسی یا دنیاوی فائدہ حاصل کریں گے تو یہ نیکی کی بجائے الٹا گناہ ہے۔ اگر اسی عمل میں سے ریاکاری نکال دی جائے اور یہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر لیا جائے تو پھر واقعی بہت بڑی نیکی ہے۔ نیکیوں کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ 700 گنا تک یعنی اگر ہم ایک نیکی کریں جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی ہو اور اس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی فیاضی اور خاص مہربانی سے اس ایک نیکی کے بدلے ہمیں 700 نیکیاں عطا فرمائے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ بس! نیت خالص ہو ورنہ سب کچھ برباد۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور (سائل کو) ایذا دے کر اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے" (سورۂ البقرہ آیت نمبر 264)۔

نوٹ

کوئی نیکی کرتے وقت اگر اس نیت سے اس کی تشہیر کی جائے کہ اس سے دوسروں کو بھی ترغیب ملے گی تو یہ جائز ہے اور اس کا ثواب بھی ملتا ہے۔

ناجائز قتل کرنا

کچھ صورتوں میں قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسے جنگ میں دشمن کو قتل کرنا یا کسی عدالتی فیصلے کے نتیجے میں کسی شخص کو پھانسی دینا وغیرہ۔ لیکن ناجائز قتل بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی آیت نمبر 93 میں ارشاد فرمایا۔ "جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہے گا"۔ اس سے بڑی اور کیا سزا ہو سکتی ہے؟ جان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، وہی اس کا مالک ہے لہٰذا کسی کی جان لینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ دوسرے کی جان لینا تو درکنار اسلام میں تو کوئی شخص اپنی جان بھی نہیں لے سکتا یعنی خودکشی کی اجازت نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں یہاں تک کہ چند ہزار روپوں کی خاطر۔ اسلام تو ہمیں بلا وجہ جانوروں، پرندوں حتیٰ کہ چیونٹیوں اور مکھیوں کی جان لینے سے بھی منع فرماتا ہے۔

خودکشی

خودکشی کا مطلب ہے اپنے آپ کو مار دینا۔ اسلام میں خودکشی کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ جان اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور وہی جان لے سکتا ہے۔ انسان اپنی جان نہیں لے سکتا کیونکہ وہ اس کی اپنی ہے ہی نہیں۔ اس لیے اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ پاکستانی قانون کے مطابق بھی خودکشی جرم ہے۔ خودکشی کرنے والا دراصل جہاں ساری دنیا سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے وہاں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی مایوس ہو جاتا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ جس خالق نے اسے پیدا کیا، اسے ماں کے پیٹ میں رزق دیا، اسے بڑا کیا، اسے طرح طرح کی

آزمائشوں اور مشکلات سے نکالا۔ بھلا وہ اس پریشانی کو کیوں نہیں دور کر سکتا جس کی وجہ سے کوئی شخص خودکشی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص کسی لوہے کی چیز (مثلاً چاقو یا چھری) سے اپنے آپ کو قتل کر دے تو جہنم میں وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہو گی جس کو وہ اپنے پیٹ میں گھساتا رہے گا جب تک وہ جہنم میں رہے گا اور جس کسی نے زہر کھا کر یا پی کر اپنے آپ کو قتل کیا تو وہ جہنم میں زہر کے گھونٹ پیتا رہے گا“۔

یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ بعض اوقات والدین ہی اپنے بچوں کی خودکشی کا سبب بنتے ہیں۔ جب امتحانات کے نتائج آتے ہیں اور اس میں کچھ طلبا فیل ہو جاتے ہیں یا کم نمبر حاصل کرتے ہیں تو وہ خودکشی کر لیتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے والدین نے اتنا خوفزدہ کیا ہوتا ہے کہ وہ ان کا سامنا کرنے اور ان کی سختیاں برداشت کرنے سے خودکشی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کچھ لڑکیاں غلطی سے ایسے آوارہ نوجوانوں کے چنگل میں پھنس جاتی ہیں جو بعد میں انہیں بلیک میل کرتے ہیں، ان کی عزتوں سے کھیلتے ہیں، ان کی وڈیو بناتے ہیں اور ان سے مسلسل رقم کا تقاضا کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ بیچاری لڑکیاں خودکشی کر لیتی ہیں۔ والدین، اساتذہ اور ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم اپنی بچیوں کو یہ سمجھائیں کہ وہ انجان لوگوں سے خفیہ ملاقاتیں یا رابطے بالکل نہ کریں اور ایسا کرنے والوں کے انجام سے بھی انہیں آگاہ کریں۔ TV پر جب ایسی خبر چل رہی ہو تو، وہ سب سے اچھا موقع ہوتا ہے انہیں سمجھانے کا۔

طعنے دینا

طعنہ دینا سخت گناہ ہے۔ یہ معاشرے میں ایک بڑے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ طعنہ دینے والے کا مقصد دوسرے کی بے عزتی کرنا اور اسے دکھ دینا ہوتا ہے۔ سورۂ حجرات کی آیت نمبر 11 میں طعنے دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ” ایک دوسرے کو طعنے نہ دو“۔ طعنہ تو

دور کی بات ہے اگر ہم نے کسی پر کوئی احسان کیا ہو تو اسلام بعد میں اس احسان کو جتانے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہ حکم سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 264 میں دیا گیا ہے۔

بدگمانی

بدگمانی سے مراد یہ ہے کہ بغیر ثبوت کے کسی شخص کے بارے میں بری رائے قائم کر لینا مثلاً فلاں بندہ ٹھیک نہیں ہے اور وہ میرے خلاف ہے وغیرہ۔ سورۂ حجرات کی آیت نمبر 12 میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ "بہت سے گمانوں سے بچو۔ بعض گمان یقیناً گناہ ہیں"۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے بارے میں اچھی رائے رکھیں۔ بدگمانی معاشرے کو آپس میں تقسیم کر دیتی ہے جبکہ اسلام ہمیں آپس میں جوڑتا ہے۔

تہمت

تہمت سے مراد یہ ہے کہ کسی نیک عورت یا مرد پر الزام لگایا جائے کہ وہ بدچلن ہے جبکہ درحقیقت یہ الزام غلط ہو۔ اگر الزام لگانے والا اس الزام کو ثابت نہ کر سکے تو الزام لگانے والے کو 80 کوڑے مارے جائیں گے اور آئندہ اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن، بے خبر رہنے والی مومنہ عورتوں پر، ان کو پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ حضور ﷺ نے سات چیزوں کی نشاندہی فرمائی جو انسان کو ہلاک کر دینے والی ہیں اور حکم دیا کہ ان سے بچو۔ ان میں سے ایک پاکدامن عورت پر تہمت لگانا ہے۔ ہم تھوڑی سی ناراضگی میں ہی تہمت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام میں تہمت کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔

مذاق اڑانا

جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اسے در حقیقت حقیر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں کسی کا مذاق اڑانے سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ حجرات کی آیت نمبر 11 میں ارشاد فرماتا ہے۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ مرد (دوسرے) مردوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ (اللہ کے نزدیک) ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں (دوسری) عورتوں کا (مذاق اڑائیں)، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں"۔

برے ناموں سے پکارنا

سورۂ حجرات میں کسی کو برے ناموں یا برے القاب سے پکارنے سے منع فرمایا گیا ہے جیسے ہم کسی کو کدو، کسی کو ٹینڈا، کسی کو کوڈو، کسی کو گنجا وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کی سختی سے ممانعت ہے۔ سورۂ حجرات کی آیت نمبر 11 کا ترجمہ یہ ہے۔ "ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد نہ کیا کرو"۔

دوسروں کے عیب کی ٹوہ لگانا

بعض لوگوں کو اس بات کا بڑا شوق ہوتا ہے کہ دوسروں کی جاسوسی کی جائے حالانکہ انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہاں جن سرکاری اداروں کی ایسی ڈیوٹی ہوتی ہے وہ تو یہ کام ضرور کریں لیکن اس سے ہٹ کر کسی کی ٹوہ میں رہنا اور اس کی خامیاں تلاش کرنا اسلام میں منع ہے۔ یہ حکم سورۂ حجرات کی آیت نمبر 12 میں ہے۔ "ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگے رہو"۔ دراصل اسلام کسی کی ذاتی جگہ مثلاً گھر وغیرہ میں جھانکنے یا بلا اجازت اندر

جانے سے منع کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں داخل ہونا ہو تو پہلے اجازت طلب کی جائے اور اجازت یہ نہیں ہے کہ اجازت مانگیں اور آگے سے جواب ملے یا نہ ملے آپ اندر گھس جائیں بلکہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اگر تین دفعہ اجازت مانگنے پر بھی کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جائیں۔

اسلام دراصل لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی چاہتا ہے لہٰذا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر ہمیں کسی شخص کے کسی عیب کا پتہ چلے تو ہم اس پر پردہ ڈالیں اور دوسروں کو نہ بتاتے پھریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اگر آپ لوگوں کی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتے پھروگے تو ان کو برباد کردوگے"۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص چھپ کر گناہ کر رہا ہوتا ہے اس کے توبہ کرنے اور سدھرنے کے کافی امکانات ہوتے ہیں لیکن جب اس کے گناہ کی مشہوری ہو جاتی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ ضد میں آجائے اور اس گناہ سے باز نہ آئے۔ہاں، اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے دوسرے کا حق مارا ہے یا وہ ایسا کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے یا وہ ملک کی سلامتی کے خلاف کام کر رہا ہے تو پھر اس کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہم متعلقہ شخص یا متعلقہ حکومتی اداروں کو فوراً آگاہ کریں۔

غیبت اور بہتان

غیبت کے بارے میں اکثر لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے وہ اس لیے کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ غیبت کسے کہتے ہیں۔غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں (کسی دوسرے شخص کے سامنے) اس کی ایسی خامی بیان کرنا جو واقعی اس کے اندر موجود ہو۔ جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ غیبت نہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کون سا جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہم تو سچ بات ہی بیان کر رہے ہیں۔ اللہ کے بندو! یہ سچ بات ہی تو غیبت ہے۔اگر

بد تعریفی کیے جانے والے شخص کے اندر وہ برائی موجود ہی نہ ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں۔ غیبت اور بہتان دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ قرآن مجید میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے سورۂ الحجرات کی آیت نمبر 12 میں حکم ہوا۔ "اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم نفرت کرتے ہو"۔

اس سلسلے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اپنے آپ کو غیبت سے بچاؤ، بے شک غیبت زنا سے بڑا گناہ ہے"۔ دراصل غیبت کرنا محض زبان کا ایک چسکا ہے۔ غیبت کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن جس کی غیبت کی جاتی ہے جب اسے اس بارے میں معلوم ہوتا ہے تو اسے شدید دکھ ہوتا ہے اور اس کی غیبت کرنے والے شخص سے جو محبت ہوتی ہے وہ نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یوں معاشرے کے اندر بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ زیادہ تر عورتیں غیبت کرتی ہیں لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ ہم میں سے اکثر مرد بھی اس بڑے گناہ میں مبتلا ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جیسے ہی کوئی شخص محفل سے اٹھ کر جاتا ہے تو باقی لوگ اس کی برائیاں (غیبت) کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر وہ جانے والے کی برائیاں کر رہے ہیں تو یقیناً آپ کے جانے کے بعد وہ آپ کی بھی برائیاں کریں گے۔ غیبت تو تقریباً تقریباً ہم سب نے کی ہوئی ہے۔ اس سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟ توبہ کا طریقہ یہی ہے جو دوسرے حقوق العباد کے سلسلے میں ہے یعنی جس کی غیبت کی ہے اس سے جا کر معافی مانگی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے سامنے غیبت کے الفاظ اور تفصیل وغیرہ دہرانا ضروری نہیں بس یہ کہہ دیا جائے کہ میں انسان ہوں، خطاکار ہوں، مجھ سے کبھی آپ کی غیبت ہوئی ہو گی یا میں نے آپ کی کہیں غیبت کی ہے، آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے واسطے معاف فرما دیں پھر جس کی غیبت کی ہو اس کے لیے اکثر دعا بھی کریں اور اس کی

طرف سے کچھ صدقہ خیرات بھی کریں تو بہتر ہو گا۔ تلافی (توبہ) کا ایک اصول یاد رکھیں۔ جس چیز سے گناہ کیا ہے اسی کو زیادہ سے زیادہ نیکی میں استعمال کیا جائے مثلاً غیبت عموماً زبان سے کی جاتی ہے لہٰذا اسی زبان سے زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

غیبت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی نقل اتاری جائے مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے یا ہکلا کر بولتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں لنگڑا کر چلا جائے یا ہکلا کر اس کی نقل اتاری جائے۔ یہ غیبت کی بدترین صورت ہے۔

اسلام نے جہاں غیبت سے منع فرمایا ہے وہاں کچھ موقعوں پر ہم پر لازم قرار دیا ہے کہ ہم غیبت کریں۔ اگر ان موقعوں پر غیبت نہ کی جائے تو ہم گناہ گار ہوں گے۔ مثال کے طور پر ایک شخص دھوکہ باز ہے اور ہم اسے اپنے کسی عزیز یا دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اس عزیز یا دوست کو خبر دار کریں کہ یہ شخص دھوکہ باز ہے۔ اگر اس موقع پر ہم خاموش رہتے ہیں تو ہمارے عزیز یا دوست کے ساتھ دھوکہ ہو جائے گا اور ہم اس دھوکے میں شامل ہوں گے۔

بیکار کاموں میں وقت ضائع کرنا

انسان کی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور یہ مقرر ہے یعنی اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اس لیے اسلام نے ہر اس کام سے منع فرمایا ہے جس میں وقت ضائع ہوتا ہے۔ ہم کئی کئی گھنٹے گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ کچھ کھیل ایسے ہیں جن میں صرف وقت کا ضیاع ہے لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ ان سب چیزوں سے اسلام نے منع فرمایا ہے البتہ وہ کھیل جن سے انسانی صحت بہتر ہو یا انسان اپنا دفاع کر سکے یا جنگ میں استعمال ہو سکیں (مثلاً تیر اندازی، اسلحے کا سیکھنا، کُشتی،

تلوار چلانا، نیزہ بازی، کبڈی، تیراکی، جوڈو کراٹے، گھڑ سواری وغیرہ) ان میں شرکت کرنے کو اسلام پسند کرتا ہے۔ آج کل جو لوگ سارا دن سوشل میڈیا وغیرہ پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں انہیں اپنا فوری محاسبہ کرنا چاہیے اور یہی وقت کسی تعمیری کام بشمول اسلام کو سیکھنے، سکھانے اور لوگوں کی خدمت میں استعمال کرنا چاہیے۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا

اگر دو شخص یا دو خاندان آپس میں لڑ پڑیں تو ہم عام طور پر غیر جانبدار ہو جاتے ہیں تاکہ ہم سے کوئی بھی فریق ناراض نہ ہو جائے۔ ایسا کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سورۂ حجرات کی آیت نمبر 9 میں حکم دیتا ہے کہ ایسی صورت میں ہم ان کے درمیان صلح کی بھرپور کوشش کریں اور اگر ایک فریق زیادتی کرے اور صلح نہ کرے تو پھر ہم پر فرض ہے کہ ہم مظلوم کے ساتھ ہو کر پوری طاقت سے اس کے خلاف لڑیں جو زیادتی کر رہا ہے۔ جب ہم سب مظلوم کے ساتھ ہو جائیں گے تو یقیناً زیادتی کرنے والے کو صلح کرنی پڑے گی۔ اب یہ بڑا نازک مرحلہ ہے کہ اس نے ہماری بات نہیں مانی اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی تو ظاہر ہے ہمیں اس پر غصہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ غصہ ایک طرف رکھ کر ان کے درمیان عدل و انصاف کے تحت صلح کراؤ۔ ایسا نہ کرو کہ صلح کراتے ہوئے اب اس کے خلاف تم ظلم کر بیٹھو۔ یہ ہے میرا مہربان اور عدل کرنے والا اللہ جو ہر صورت میں انصاف کا ہی حکم دیتا ہے (سبحان اللہ)۔ اگر دو مسلمان ملکوں کے درمیان کوئی تنازعہ یا جنگ ہو جائے تو باقی اسلامی ملکوں پر بھی یہی اصول لاگو ہو گا کہ پہلے وہ دونوں کے درمیان صلح کی کوشش کریں اور اگر ظالم صلح نہ کرے تو پھر باقی سب مظلوم کے ساتھی بن کر ظالم سے لڑیں۔

لین دین لازمی لکھ لیا جائے

جب بھی قرض لیا جائے یا دیا جائے یا کوئی اور اہم معاہدہ کیا جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے کہ اسے لازمی تحریر کر لیا جائے۔ تحریر کرنے کا رواج ہمارے ہاں بہت کم ہے بلکہ قرض لینے والا اسے اپنی بے عزتی تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر اعتبار نہیں جو لکھوا رہے ہو۔ دیکھیں! اسلام کے اس حکم میں ہمارے لیے بے پناہ دینی اور دنیاوی فائدے ہیں۔ اس لیے آج سے ہم یہ طے کر لیں کہ آئندہ جب بھی ادھار دینا ہے یا لینا ہے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھ کر تحریر بھی کر لینا ہے۔ تحریر کون لکھے گا، گواہ کتنے ہوں گے اور کیسے ہوں گے؟ اس کی تفصیل سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 282 میں درج ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے۔

”اے ایمان والو! جب کسی معینہ مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے اور جسے اللہ نے لکھنا سکھایا اسے لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، پس وہ دستاویز لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس کے ذمہ قرض ہے اور اسے اپنے رب یعنی اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہیے لیکن اگر قرض دار کم عقل یا ضعیف یا مضمون لکھوانے سے عاجز ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے، پھر تم لوگ اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو (گواہ بناؤ) جن گواہوں کو تم پسند کرو، تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے اور جب گواہی کے لیے گواہ طلب کیے جائیں تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہیے اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا مدت کے تعین کے ساتھ اسے لکھنے میں تساہل نہ برتو، یہ بات اللہ کے نزدیک قرین انصاف ہے اور گواہی کے

لیے زیادہ مستحکم ہے اور اس سے تم اس بات کے زیادہ نزدیک ہو جاتے ہو کہ شک و شبہ نہ کرو، مگر یہ کہ تم آپس میں جو دست بدست تجارتی معاملات کرتے ہو ان کے نہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ جب خرید و فروخت کیا کرو تو گواہ بنالیا کرو اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے اور ایسا کرو گے تو یہ تمھاری طرف سے نافرمانی ہو گی اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمھیں تعلیمات سے آراستہ فرماتا ہے اور اللہ تو ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے"۔

قرض

اسلام میں حکم ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ہم ضرورت مند کی مدد کریں حتٰی کہ اسے قرض کی ضرورت ہو تو وہ بھی دیں۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ اسے جو رقم بطور قرض دی جائے اس سے واپسی کا مطالبہ ہی نہ کیا جائے اور اگر واپس لینا بھی ہو تو اس میں سختی نہ کی جائے۔ یہ احکام ان لوگوں کے لیے ہیں جو در حقیقت ضرورت مند اور سفید پوش ہیں لیکن اگر قرض لینے والا دھوکہ باز اور فراڈیا ہو تو اس کے ساتھ سختی سے نمٹنا چاہیے تاکہ وہ اور لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکے۔ اس کے ساتھ مقروض پر بھی فرض ہے کہ جیسے ہی اس کے حالات بہتر ہوں وہ فوری طور پر شکریے کے ساتھ قرض واپس کرے۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود تو ان پیسوں سے کاروبار کرتا رہے یا گل چھرے اڑاتا پھرے اور قرض خواہ کو قرض واپس نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ البقرہ میں حکم دیا ہے کہ قرض کے معاملے کو لازمی تحریر کر لیا کرو اور اس پر گواہ بھی مقرر کیا کرو۔ قرض کے سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کا سود ہرگز شامل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بہت وسیع موضوع ہے۔ اس موضوع میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک دوسرے کو عام استعمال کی چھوٹی موٹی چیزیں بھی ادھار دی جائیں اور ایسا نہ کرنے والوں کے لیے تباہی ہے (سورۂ الماعون)۔

وعدے کی پابندی

اسلام نے وعدہ پورا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 34 میں ہمیں حکم دیا ہے کہ ”عہد کو پورا کرو۔ یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہو گی“۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ المائدہ کی آیت نمبر 1 میں ارشاد فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے عہد پورے کرو“

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جو وعدے کی پابندی نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں“۔ آپؐ نے ساری زندگی کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا جسے پورا نہ کیا ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندلؓ کا واقعہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ ابھی معاہدہ تحریر نہیں ہوا تھا لیکن زبانی طے ہو چکا تھا پھر بھی حضور ﷺ نے اس کی پابندی کی۔ حضور ﷺ نے منافق کی جو نشانیاں بتائی ہیں ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا اور یہ ہم جانتے ہیں کہ منافق دوزخ میں جائے گا اور دوزخ کے بھی اس حصے میں جائے گا جہاں سب سے زیادہ عذاب ہو گا۔ منافق ہونا اتنا بڑا جرم ہے کہ دوزخ میں منافق کی سزا سخت ہو گی اور کافر کی سزا اس سے کم ہو گی۔

وعدے کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ وعدے کے ساتھ قسم بھی کھالی جائے۔ اس وعدے کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس وعدے کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں اپنے بارے میں فرمایا۔ ”بے شک، اللہ اپنے وعدے کے خلاف

نہیں کرتا"۔ لیکن بد قسمتی سے وعدے کے معاملے میں عمومی طور پر ہمارے حالات بہت خراب ہیں مثلاً ہم ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ میں آپ کو شام کے بعد کال کروں گا مگر ہم کال نہیں کرتے حالانکہ کوئی مجبوری بھی نہیں ہوتی۔ یہی حال ہماری شادیوں کا ہے کہ 7 بجے کا وقت مقرر ہوتا ہے لیکن ہم 9 بجے پہنچتے ہیں۔ سرکاری میٹنگز کئی کئی گھنٹے لیٹ شروع ہوتی ہیں۔ میری سرکاری لوگوں سے پر زور گزارش ہے کہ ہم ایک بات پر غور کریں۔ ہمارے سرکاری دفتر صبح 9 بجے کھلتے ہیں گویا ہم نے عوام سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ 9 بجے آئیں گے تو ہم دفتر میں موجود ہوں گے مگر چند لوگوں کے علاوہ ہم سب اپنے دفتروں میں دیر سے پہنچتے ہیں۔ یہ بھی وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ کسی بھی قسم کا وعدہ توڑنا گناہ کبیرہ ہے۔

معاف کرنا

اسلام نے اس بات کو بہت پسند کیا ہے کہ ہم دوسروں کو معاف کر دیں۔ اگر وہ ہمارے ساتھ کوئی زیادتی کر لیں اور ہمارے اندر بدلہ لینے کی طاقت بھی ہو تو معاف کر دینا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔

اسلام نے حکم دیا ہے کہ ہم اپنے ملازموں کی لغزشوں اور غلطیوں سے در گزر کریں۔ حدیث میں حکم ہے کہ اگر آپ کا ملازم ایک دن میں 70 مرتبہ بھی غلطی کرے تو اسے آپ 70 مرتبہ معاف کر دیں۔ اسلام نے اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر کسی کو معاف کرنے سے اس کے ظلم اور شر کے پھیلنے کا خدشہ ہو تو پھر اسے اس ظلم سے روک دینا بہتر ہے تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ ظلم نہ کر سکے۔

- حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ ظالم کی مدد کیسے کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "اسے ظلم سے روک دو۔ اس کے لیے یہی تمہاری مدد ہے"۔
- حضور ﷺ نے فرمایا۔ " تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کا رد کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے"۔

احسان

اسلام میں احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام میں احسان کرنے کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ احسان کی مثال یہ ہے جیسے کہ ہم ایک مزدور کے ساتھ ایک دن کی مزدوری دو ہزار روپے طے کر لیں لیکن اس مزدور کو مزدوری کے علاوہ ہم کھانا کھلا دیں یا چائے پلا دیں یا کچھ رقم فالتو دے دیں یا طے شدہ وقت میں سے اسے کچھ وقت کے لیے آرام دے دیں یا اگر وہ دھوپ میں کام کر رہا ہے تو اس پر سایہ کر دیں یا اسے پنکھا لگا دیں غرضیکہ اس کے لیے کسی طرح کی بھی آسانی کر دیں۔ یہ سب اعمال احسان کے زمرے میں آتے ہیں۔ یقین جانیے اس مزدور کو اپنی طے شدہ مزدوری یعنی 2000 روپے لے کر وہ خوشی نہیں ہو گی جو آپ کی درج بالا چھوٹی سی نیکی پر ہو گی۔

لوگوں کی بات توجہ سے سننا

اسلام نے حکم دیا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی عزت کریں۔ عزت کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ دوسرے کی بات کو نہایت توجہ سے سنا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس

دوران کوئی اور کام نہ کیا جائے۔ جب بھی کوئی شخص حضور ﷺ سے گفتگو کرتا تھا تو آپؐ اپنا سینہ مبارک اور پورا چہرہ مبارک اس کی طرف موڑ کر پوری توجہ اور صبر و تحمل سے اس کی بات سنتے اور بولنے والے کو مکمل وقت دیتے تاکہ وہ اپنی بات آسانی سے اور مکمل طریقے سے کہہ سکے نیز اس کی بات چیت مثبت انداز میں سنتے یعنی جب دوسرا شخص بات کر رہا ہوتا تھا تو کبھی حضور ﷺ مسکراتے، کبھی اپنے سر کو مثبت انداز سے ہلاتے، کبھی ہاتھ کا اشارہ اس طرح سے فرماتے جس سے بولنے والا سمجھ جاتا کہ اس کی بات توجہ اور ہمدردی سے سنی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر بات میں کوئی ابہام رہ جاتا تو حضور ﷺ سوالات کرتے تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے۔ آپؐ نے ساری زندگی کبھی کسی بات کرنے والے کی بات کو نہیں کاٹا۔ اس سلسلے میں ایک صحابی حضرت ابو درداءؓ کا قول بڑا دلچسپ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ منہ کے مقابلے میں کانوں کو ان کا حق دو۔ تمہیں ایک منہ اور 2 کان اس لیے دیے گئے ہیں کہ بولنے سے زیادہ سنو۔

یہ بولنے والے کا حق (Right) ہے کہ اس کی بات پوری توجہ سے سنی جائے۔ میں نے اس بات کا ذاتی طور پر مشاہدہ کیا ہے خصوصاً سرکاری دفتروں میں کہ زیادہ تر سرکاری اہلکار اور افسر لوگوں کی بات نہ تو غور سے سنتے ہیں اور نہ ہی سیدھے منہ جواب دیتے ہیں۔ یہ دونوں کام اسلام کے خلاف ہیں۔ دفتروں میں کچھ افسر سائلین کی گفتگو سننے کے دوران فائلیں بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں یا اپنے موبائل فون پر سوشل میڈیا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور بولنے والے کو وقفے وقفے سے "ہوں، ہوں" بھی کہہ رہے ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ ہرگز درست نہیں ہے۔ یہاں ایک گزارش دفتر میں آنے والوں سے بھی کرنی ہے کہ وہ اپنی بات جامع انداز میں کریں تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی بات کہنے کا موقع مل سکے۔ اگر وہ فضول قصے کہانیاں چھیڑ دیں گے تو وہ دوسروں کی حق تلفی کریں گے اور گناہگار ہوں گے۔

سادگی

حضور ﷺ کی ساری زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ جب مختلف جنگوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بے پناہ مال غنیمت ہاتھ آیا اس وقت آپؐ حکومت کے سربراہ تھے لہٰذا آپؐ جتنا مال چاہتے رکھ سکتے تھے اور بادشاہوں کی طرح زندگی گزار سکتے تھے لیکن آپؐ نے اس دور میں بھی سادگی اختیار فرمائی یہاں تک کہ جب آپؐ کا وصال ہوا تو گھر میں صرف سات درہم تھے اور آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی جس سے آپؐ نے 75 کلو جو ادھار لیے تھے۔ حضور ﷺ نے ہمیں بھی سادگی کا درس دیا ہے۔

ہم ساری حلال چیزیں کھا پی سکتے ہیں، رہائش کے لیے گھر بنا سکتے ہیں، سفر کے لیے گاڑی یا گھوڑا وغیرہ خرید سکتے ہیں، گھر میں ملازم یا ملازمہ رکھ سکتے ہیں لیکن ان سب کاموں میں بھی سادگی کو اپنانا ہوگا۔ ہمیں شاہانہ طرز زندگی گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے اسلام نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا۔ "تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور اس سے بنی ہوئی پلیٹوں میں مت کھاؤ کیونکہ دنیا میں یہ کافروں کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہوں گی"۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے، اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکے گی"۔ اسلام نے عورتوں کو تو سونا اور ریشم استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مردوں کو سونا اور ریشم استعمال کرنے سے قطعی طور پر منع فرمایا ہے۔ بدقسمتی سے آج کل کئی نوجوانوں نے گلے میں سونے کی چین (Chain)، سونے کی انگوٹھیاں یا کانوں میں سونے کی بالیاں وغیرہ پہن رکھی ہوتی ہیں۔ یہ سب حرام کام ہیں۔

حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے لیے کوئی محل تعمیر نہ کروایا، نہ ہی کوئی شاہی دربار یا شاہی تخت بنوایا، نہ ہی سیکڑوں خادموں اور لونڈیوں کو اپنی خدمت پر مامور فرمایا بلکہ حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رہائش گاہیں (جنہیں حجرے کہتے تھے) چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ آپؐ کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چارپائی پر سوتے تھے جس سے آپؐ کے جسم مبارک پر نشانات پڑ جاتے تھے۔ یہ اس لیے نہیں تھا کہ آپؐ کے مالی حالات خراب تھے بلکہ اس کی وجہ آپؐ کی سادگی تھی۔ جو مال و دولت آپؐ کو میسر تھا اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف غزوہ حنین کے موقع پر حضرت ابو سفیانؓ اور اس کے بیٹوں کو 300-اونٹ عطا فرمائے تھے جن کی کم از کم مالیت آج کل کے لحاظ سے 15 کروڑ روپے بنتی ہے۔ 18 کلو چاندی اس کے علاوہ تھی۔ باقی صحابہ کرامؓ کو بھی بہت زیادہ مالِ غنیمت عطا کیا گیا۔

دراصل حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ سادگی اس لیے تھی کہ وہ بادشاہ نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تھے اور پھر انہوں نے ہمارے لیے بھی یہ نمونہ چھوڑا کہ اگر ہمارے پاس وسائل زیادہ ہوں تو ان پر غریبوں کا بھی حق ہے۔ حضور صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس قدر سادہ زندگی گزاری کہ آپؐ اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے تھے گویا آپؐ ایسے جوتے استعمال کرتے تھے جو انتہائی پرانے اور خستہ حال ہوتے تھے اور ان کی مرمت ہوئی ہوتی تھی۔ اسی طرح آپؐ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قیمتی اور برینڈڈ (Branded) کپڑے، جوتے، موبائل فون، گھڑیاں استعمال کرتے ہیں خواہ یہ سب کچھ قسطوں کی صورت میں قرض پر ہی لینا پڑے۔

میانہ روی

میانہ روی کا لفظی مطلب ہے ”درمیانی راستہ“۔ اسلام بہت خوبصورت دین ہے۔ اسی لیے یہ افراط و تفریط کی بجائے میانہ روی کا درس دیتا ہے مثلاً اسلام نے جہاں بہت

زیادہ کھانے پینے اور فضول خرچی کرنے سے منع کیا ہے وہیں کنجوسی سے بھی منع کیا ہے۔ یہی حکم عبادت کے معاملے میں بھی ہے مثلاً لگاتار نفلی روزے رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے گویا ہمیں ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون پوری رات عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے۔ آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ آپ کے ذمے اور بھی حق ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''نماز بھی پڑھو، آرام بھی کرو، نفل روزہ بھی رکھو، کبھی چھوڑ بھی دو۔ تم پر تمہارے جسم اور بیوی بچوں کا بھی حق ہے۔ میں نفلی روزہ رکھتا ہوں چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں تہجد بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں''۔

اسی طرح اسلام نے تمام حلال چیزوں کو کھانے پینے اور استعمال کرنے کی اجازت دی ہے لیکن فضول خرچی (جسے اسراف کہتے ہیں) کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہمارے کپڑوں کی الماریاں بھری پڑی ہوتی ہیں اور ہم مزید کپڑے خرید لیتے ہیں یا بہت مہنگے کپڑے خرید لیتے ہیں یہ سب اسراف ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں کنجوسی اور بخل سے بھی منع کیا گیا ہے گویا اسراف اور کنجوسی دونوں سے منع کر کے ہمیں میانہ روی کا درس دیا گیا ہے۔ سورۂ الفرقان کی آیت نمبر 67 میں ارشاد ربانی ہے۔ ''اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ وہ بخل کرتے ہیں بلکہ ان کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں''۔

بعض لوگ کچھ بزرگوں کی مثالیں دیتے ہیں کہ ان کے پاس جو مال آتا تھا وہ فوراً اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے لہٰذا ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے۔ اسلامی لحاظ سے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ یہ عمل صرف حضور ﷺ کرتے تھے جو ان کا ہی خاصا ہے کیونکہ وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے (مثلاً آپؐ پر تہجد کی نماز فرض تھی جب کہ ہم پر یہ فرض نہیں ہے)

اور آپؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ اس صورت میں نہ صرف وہ شخص خود محتاج ہو کر دوسروں سے مدد کی بھیک مانگے گا بلکہ اس کے اہل خانہ بھی سخت مشکلات کا شکار ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ بھی میانہ روی اختیار کرتے تھے۔ صرف غزوہ تبوک کے موقع پر صرف ایک صحابی حضرت ابو بکرؓ نے اپنے گھر کا پورا سامان اللہ کے راستے میں خرچ کیا کیونکہ اس جنگ میں دنیا کی سب سے طاقتور سپر پاور یعنی رومیوں سے مقابلہ تھا لہٰذا ہمیں چاہیے کہ صدقہ خیرات ضرور کریں مگر اتنا نہ کریں کہ خود محتاج ہو جائیں اور نہ ایسا رویہ اختیار کریں کہ بالکل صدقہ خیرات کرنا ہی چھوڑ دیں بلکہ اعتدال، اعتدال اور صرف اعتدال۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 29 میں حکم دیتا ہے کہ ہم صدقہ خیرات میں نہ تو بخیلی اور کنجوسی کریں اور نہ سارا مال اللہ کے راستے میں دے دیں اور بعد میں خود محتاج ہو جائیں۔

سورۂ لقمان کی آیت نمبر 19 میں ہمیں اپنی چال میں بھی اعتدال پسندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ''اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا''۔ درج بالا سطور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کا حکم دیا ہے۔ میانہ روی پر عمل کرنے میں ہمارے لیے اس دنیا میں بھی آسانی اور سہولت ہے اور اگلے جہان میں بھی فلاح ہے۔

امانت

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جس میں امانت نہیں۔ اس کا کوئی ایمان نہیں''۔ لہٰذا یہ سمجھنا ضروری ہے کہ امانت ہے کیا؟ اس کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کسی کا راز بھی آپ کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اس میں بھی خیانت نہیں کرنی چاہیے یعنی

دوسروں کو وہ راز نہیں بتانا چاہیے۔ آپؐ امانت داری میں اپنی مثال آپ تھے۔ کافر بھی اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھواتے تھے اور آپؐ کا لقب ”امین“ تھا۔ ذرا غور فرمائیں کہ جب کفار مکہ نے آپؐ کو شہید کرنے کے لیے آپؐ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ ایک تو وہ کافر تھے اور پھر وہ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ اس صورتحال میں اگر کوئی اور ہوتا تو وہ کفار مکہ کی امانتیں لے کر وہاں سے نکل جاتا۔ مگر قربان جائیں اپنے آقا کریمؐ پر کہ ان حالات میں بھی کفار کی امانتیں واپس کرنا ضروری سمجھا اور حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلاتے ہوئے حکم دیا کہ وہ سب کی امانتیں واپس کرنے کے بعد ہجرت کریں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر دشمن کی بھی کوئی امانت ہمارے پاس ہو تو اس میں بھی خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ سرکاری افسروں کے پاس سرکاری گاڑیاں اور دیگر سرکاری چیزیں مثلاً کمپیوٹر، فرنیچر وغیرہ بھی حکومت کی امانت ہوتی ہیں۔ ان کا غلط استعمال بھی امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ یہی حکم پرائیویٹ سیکٹر پر بھی لاگو ہوگا۔ اسی طرح سے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی عہدہ عطا فرمایا ہے۔ وہ عہدہ اس شخص کے پاس امانت ہے اور اگر وہ شخص اس عہدے سے متعلق اپنی ذمہ داریاں اور فرائض پورے نہیں کرتا تو گویا اس نے اپنے عہدے یا امانت میں خیانت کی۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس عہدہ ہے کہ وہ لوگوں کو نوکری پر بھرتی کرے۔ اب اگر وہ میرٹ سے ہٹ کر نوکری ان لوگوں کو دے دیتا ہے جو اس کے حق دار نہیں ہیں تو اس شخص نے اپنے عہدے سے خیانت کی۔

اذان کا سننا اور اس کا جواب دینا

جب بھی اذان دی جائے تو لازم ہے کہ ہم اپنی گفتگو، ٹی وی یا لیکچر وغیرہ بند کر دیں اور اذان کو غور سے سنیں بلکہ اذان کا جواب بھی دیں۔ جو الفاظ مؤذن کہے وہی الفاظ ہم

بھی دہرائیں۔مگرحی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کا جواب ہے" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان کو غور سے نہیں سنتا، اندیشہ ہے کہ مرتے وقت اس سے ایمان خارج ہو جائے گا۔ یہاں مؤذن حضرات سے بھی گزارش ہے کہ وہ بلا ضرورت اذان کو بہت لمبا نہ کیا کریں تا کہ سننے والوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص کو عموماً کئی اذانوں کی آوازیں آتی ہیں تو کتنی اذانیں سنی جائیں؟ اس کا جواب ہے کم از کم ایک اذان، بہتر ہے کہ پہلی اذان سنی جائے اور اس کا جواب دیا جائے۔ اگر زیادہ اذانیں سن سکیں تو زیادہ ثواب ہو گا۔

سچی گواہی

جب کوئی وقوعہ ہو جاتا ہے مثلاً چوری، حادثہ، لڑائی یا قتل وغیرہ تو لوگ عموماً اس کی گواہی نہیں دیتے اور اگر دیتے بھی ہیں تو جھوٹی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ:۔

(1) ہر صورت میں گواہی دو، یہ لازمی ہے۔ اگر کسی واقعے کا علم ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں۔

(2) سچی گواہی دو

اس سلسلے میں صرف ایک آیت کا ترجمہ لکھنا ہی کافی ہو گا۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی خوشنودی کے لیے گواہی دو اگرچہ (یہ گواہی) تمہیں خود اپنے خلاف یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں کے خلاف بھی دینی پڑے" (سورۂ نساء۔ آیت نمبر 135)

امیر ہونے کا نسخہ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے۔ ہم ان کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا پھر سب سے بہترین امت یعنی حضور ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ صحت، بیوی، بچے، روزی، عزت، سکون، گھر بار سب کچھ عطا فرمایا۔ غریب سے غریب انسان بھی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ اگر ہم صرف اپنے جسم پر غور کریں تو اس کے اندر لاکھوں سسٹم چل رہے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں ذرا سی بھی خرابی پڑ جائے تو ہم بیمار ہو جاتے ہیں لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ ہم ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

اسلام نے شکر کرنے کا ایک خوبصورت طریقہ یہ بتایا ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے سے کمتر کی طرف دیکھیں تو اللہ کی نعمتوں کا زیادہ احساس ہو گا جو اس نے ہمیں عطا کر رکھی ہیں۔ ایک آدمی سخت گرمی میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز کے بعد دیکھا کہ کسی نے اس کے جوتے چوری کر لیے۔ وہ سخت گرم زمین پر چل رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ یا اللہ! میں نے تیری نماز پڑھی اور اب مجھے اتنی گرم زمین پر ننگے پاؤں چلنا پڑ رہا ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہے کہ ایک شخص اسی تپتی زمین پر پنجوں اور جسم کے بل چل کر آ رہا ہے کیونکہ اس کی ٹانگیں ہی نہیں تھیں۔ اس شخص کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے توبہ کی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے پاس تو وقتی طور پر جوتے نہیں ہیں مگر دوسرے کے پاس مستقل طور پر ٹانگیں ہی نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ کھانا کھا کر

اور پانی پی کر اس کا شکر ادا کرے (یعنی الحمد للہ کہے یا کسی بھی زبان میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے)۔ حضور ﷺ اس قدر نوافل پڑھتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ آپؐ سے کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ اس قدر مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" حضور ﷺ کو جب بھی کوئی اچھی خبر ملتی یا کوئی اچھا واقعہ پیش آتا تو آپؐ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ انسانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو کوئی پانی پلاتا ہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا لازمی ہے۔ آپ اسے جَزَاكَ الله کہہ دیں، شکریہ یا Thanks کہہ دیں یا اسے دعا دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرے، تم اس کے احسان کا بدلہ دو۔ اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں دعائے خیر کرو"۔

ایک اور حدیث میں حکم ہے۔ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ جسے کوئی تحفہ ملے اور وہ اس کا (لوگوں سے) تذکرہ کرے تو اس نے شکریہ ادا کیا اور جو اسے چھپائے تو اس نے اس کا انکار کیا۔

آپ دیکھیں کہ یورپ کا پورا معاشرہ دو الفاظ سے چل رہا ہے۔ وہ ہیں Sorry اور Thanks۔ آپ اگر یہ دونوں الفاظ اپنی زندگی میں داخل کر لیں تو ایک انقلاب برپا ہو جائے گا۔ Sorry کا مطلب ہے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے معذرت کرنا۔

شکر سے کیا فائدہ ہو گا؟ فائدہ بڑا سیدھا سادھا اور اٹل ہے کیونکہ اس فائدے کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر 7 میں ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً سخت ہے"۔ یہاں اس نکتے کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے وہ گویا ناشکری کرتے ہیں۔اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ناشکری کرنے والے پر سخت عذاب آئے گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکر ادا کرنا لازمی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ دل کرے تو شکر ادا کر لیں اور اگر دل نہ چاہے تو نہ ادا کریں یعنی یہ مرضی (Optional) نہیں ہے کیونکہ شکر ادا نہ کرنا گویا ناشکری ہے اور ناشکری پر سخت عذاب ہے۔

شکر ادا کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا نہ ہی کچھ خرچہ آتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے کی کوشش کریں (بہتر ہو گا کہ ہم کاغذ پر ان نعمتوں کو لکھیں) گو وہ نعمتیں بے شمار ہیں جن کا ہم کبھی بھی پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں 31 دفعہ ارشاد فرمایا ہے کہ "تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"۔جب ہم نعمتوں کو یاد کریں گے تو یقیناً ہم ان کا شکر بھی ادا کریں گے۔ شکر بغیر پیسوں کے سرمایہ کاری (Investment) ہے جس کے بھاری منافع کی گارنٹی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو تمہیں مزید دیا جائے گا۔

صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا اور برداشت کرنا۔ اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر کبھی کوئی مشکل یا مصیبت پیش آجائے تو اس پر واویلا نہیں کرنا چاہیے بلکہ صبر سے کام لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔یہی وجہ ہے کہ میت پر بھی اونچی آواز میں بین کرنے اور پیٹنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ہاں غم سے آنسو نکل آنا ایک فطری چیز ہے اور اسلام میں اس کی اجازت ہے۔

حضرت ایوبؑ جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ ان پر جب آزمائش آئی تو انہوں نے کمال صبر کا مظاہرہ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کی سورۂ صٓ کی آیت نمبر 30 میں نِعْمَ الْعَبْدُ (بہت اچھا بندہ) کے لقب سے پکارا۔ آج بھی صبر ایوبؑ محاوروں میں استعمال ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے جب دین اسلام کی دعوت دی تو کفار مکہ نے آپؐ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ ڈالے مگر آپؐ نے ان پر صبر کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد سے آپؐ نے 8 ہجری میں مکہ فتح کر لیا۔ ہمیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ ہم پر جو بھی مصیبت یا مشکل آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے آتی ہے اور صبر یہ ہے کہ اس پر واویلا نہ کیا جائے بلکہ اسے اللہ کی رضا سمجھ کر اس میں خوشی محسوس کی جائے۔ انسان جلد باز اور بے صبرا ہے۔ وہ اپنی دعا کا بھی فوری نتیجہ چاہتا ہے لیکن اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم صبر سے کام لیں اور اللہ کے حکم کا انتظار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 155 میں ہمیں واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ ہر حال میں ہمیں آزمایا جائے گا۔ ترجمہ "اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے، کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے "اس کے بعد اسی آیت میں ان لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی جنہوں نے اس آزمائش پر صبر کیا۔ "اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے"۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 45 میں اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ جب کوئی مصیبت آ جائے تو ہم کیا کریں؟ ارشاد ربانی ہے۔ "اور صبر اور نماز کا سہارا لو"۔ سورۂ زمر کی آیت نمبر 10 میں ارشاد ہوا۔ "یقیناً بے شمار ثواب تو صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا"۔

اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اسلام کا ہم سے صرف یہ تقاضا نہیں ہے کہ ہم خود نیکی کے کام کریں اور برے کاموں سے دور رہیں بلکہ اسلام ہمیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ ہم دوسروں کو بھی نیک کاموں کی تلقین کریں اور انہیں برے کاموں سے منع کریں۔ اس کے لیے قرآن مجید نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ یہ ہیں:۔

- اَمر بِالْمَعْرُوْف
- نَہی عَنِ الْمُنْکَر

امر کا معنی ہے کسی کام کے کرنے کا حکم دینا اور نہی کا مطلب ہے کسی بات سے روکنا۔ معروف کا معنی ہے جو کام فطرت کے مطابق ہوں یعنی اچھے کام اور منکر کا معنی ہے ایسے کام جو فطرت کے خلاف ہوں یعنی برے کام۔ گویا **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** کا مطلب ہوا کہ اچھے کاموں کے لیے کہنا اور برے کاموں سے روکنا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہمارے اوپر فرض قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 110 میں ارشاد ہوا۔ "تم سب سے بہتر امت ہو۔ (تمہیں) لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"۔ اگر کسی مسلمان نے اپنا یہ فرض ادا نہیں کیا تو وہ سخت گناہگار ہو گا۔

سورۂ الاعراف کی آیات نمبر 164 سے 166 میں اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو حکم خداوندی تھا کہ ہفتے کے دن (یوم سبت) وہ کوئی دنیاوی کام نہیں کریں گے لیکن ان میں سے ایک گروہ چکر اور دھوکہ کر کے اس دن مچھلیاں

پکڑ لیتا تھا۔ دوسرا گروہ انہیں ایسا کرنے سے منع کرتا تھا یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا تھا اور تیسرا گروہ وہ تھا جو خود تو یہ جرم نہیں کرتا تھا لیکن پہلے گروہ کو اس حرام کام یعنی مچھلیاں پکڑنے سے منع بھی نہیں کرتا تھا بلکہ الٹا دوسرے گروہ کو جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ کر رہا تھا کو سمجھاتا تھا کہ ان کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا لہٰذا وہ تبلیغ چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اور تیسرے گروہ پر اپنا عذاب نازل کیا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے مگر دوسرا گروہ (جو نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا تھا) عذاب سے بچ گیا۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ تیسرے گروہ پر کیوں عذاب نازل ہوا حالانکہ وہ اس برائی میں خود ملوث نہیں تھے۔ وہ صرف اس لیے تباہ ہوئے کیونکہ انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا نہیں کیا۔

اب اس اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے کچھ نکات کا مد نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:۔

- اس فریضے میں زبردستی کرنا منع ہے مثلاً آپ کسی کو نیکی کرنے کا کہہ سکتے ہیں یا اسے برائی سے منع کر سکتے ہیں مگر اس پر زبردستی نہیں کر سکتے کیونکہ جبر اور زبردستی سے اسلام منع کرتا ہے۔
- لوگوں کو یہ وعظ و نصیحت انتہائی حکمت اور عقلمندی والے طریقے سے کی جائے تاکہ آپ کی بات ان کے دلوں تک پہنچ جائے۔ اس کے لیے لوگوں کو ایسی مثالیں دی جائیں جو ان کے لیے سمجھنا بالکل آسان ہوں۔ یہی انداز قرآن مجید میں اپنایا گیا ہے اور یہی انداز حضور ﷺ نے بھی اپنایا۔ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے موسم خزاں میں ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر انہیں ہلایا تو اس کے پتے تیزی سے جھڑنے لگے پھر آپؐ نے حضرت ابوذرؓ

کو فرمایا۔ ”جب ایک مسلمان خالص اللہ کی رضا کے لیے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں“۔ آپ خود اندازہ کریں کہ اس سے پیاری، اس سے بہتر اور اس سے دل نشین مثال کوئی اور ہو سکتی ہے؟ اسی طرح حضور ﷺ بعض جملوں کو دہراتے تاکہ ان کی اہمیت مزید واضح ہو جائے۔ ٹھہر ٹھہر کر اور دھیمے لہجے میں دوسروں کو سمجھاتے۔ کبھی کبھی ان کو زیادہ توجہ دلانے کے لیے ان سے سوالات بھی کرتے۔ اپنی بات مختصر اور جامع انداز سے فرماتے۔ بہت طویل وعظ و نصیحت سے پرہیز فرماتے تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں۔ یہ سب حکمت کی باتیں ہیں اور ان کے بغیر کوئی بھی تبلیغ بے اثر رہتی ہے بلکہ شاید اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

- لوگوں کو نرمی سے سمجھایا جائے اور کسی صورت میں بھی ان کی بے عزتی نہ کی جائے۔ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو فرعون جیسے ظالم کے پاس بھیجا گیا تو انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ ”تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا“ (سورۂ طٰہٰ۔ آیت نمبر 44)۔
- جو شخص دوسروں کو وعظ و نصیحت کر رہا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ خود بھی ان باتوں پر عمل کرے جن کی وہ تبلیغ کر رہا ہے۔
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انفرادی ذمہ داری تو ہم سب پر عائد ہوتی ہے لیکن زیادہ ذمہ داری حکومت کی ہے جس کے پاس قانون کی طاقت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت نمبر 41 میں اسلامی حکومت کی ڈیوٹی ان الفاظ میں لگائی ہے۔ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں“۔

لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ ایسی باتیں نصاب تعلیم میں شامل کرے، ان کے بارے میں سیمینار کرائے، پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کا استعمال کرے، اساتذہ اور علمائے کرام کی خدمات حاصل کرے اور اگر پھر بھی کوئی اسلامی احکامات کی خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف سخت قانونی کارروائی کرے۔

ہاں! ہماری ذاتی ذمہ داری بھی کم نہیں ہے مثلاً ہم سب اپنی ذات پر تو یہ لاگو کر سکتے ہیں کہ ہم نیکیاں کریں اور گناہوں سے بچیں۔ پھر ہم سب کا کوئی نہ کوئی ماتحت یا زیر اثر بھی ہے مثلاً کوئی افسر یا بڑا کاروباری شخص ہے تو اس کے ماتحت ملازمین، شادی شدہ لوگوں کے بچے، اساتذہ کے شاگرد وغیرہ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان تمام لوگوں کو وعظ و نصیحت بھرپور طریقے سے کریں۔ انفرادی طور پر قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ کام حکومت کے کرنے کا ہے اور اگر کوئی حکومتی اہلکار اپنا فرض پورا نہیں کرتا تو آپ اوپر کے فورم پر اس کی شکایت کریں، آواز اٹھائیں اگر آپ کی ساری کوشش کے باوجود بھی وہ حکومتی اہلکار اپنا فرض پورا نہیں کرتا تو وہ گناہگار ہوگا آپ نہیں کیونکہ آپ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔

دل کے سکون کا نسخہ

آج کل تقریباً ہر شخص بے سکونی میں مبتلا ہے۔ ذہنی دباؤ اور ڈپریشن وغیرہ ہر گھر کی کہانی ہے یہاں تک کہ امیر لوگ بھی اس کا شکار ہیں۔ دلی سکون حاصل کرنے کا نسخہ ہے:

ذکر کرنا

- سورۃ الرعد کی آیت نمبر 28 میں ارشاد ربانی ہے۔ ”جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے“۔

- سورۂ الاحزاب کی آیت نمبر 41 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اے ایمان والو۔ اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو"۔
- سورۂ العنکبوت کی آیت نمبر 45 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور اللہ کا ذکر (تمام نیکیوں سے) بڑا ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ (بہترین ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله ہے)۔ نماز بھی ذکر ہے۔ اس کے علاوہ تسبیح فاطمہؓ یعنی 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر بھی بہترین ذکر ہے۔ اسے تسبیح فاطمہؓ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ ہاتھ سے آٹے کی چکی چلاتی تھیں اور گھر کے دیگر کام کاج کر کے بہت تھک جاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے والد حضور ﷺ سے عرض کی کہ انہیں کوئی غلام عطا کیا جائے تو آپؐ نے انہیں یہ تسبیح بتائی۔ یہ تسبیح پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ لگتے ہیں۔ میں نے اس تسبیح کو ذاتی طور پر آزمایا ہے کہ جب بھی سرکاری کام کرتے کرتے بہت تھکاوٹ محسوس ہوئی تو میں نے کام چھوڑ کر یہ تسبیح پڑھی اور میں بالکل تازہ دم (Fresh) ہو گیا۔ ذکر اتنی بڑی فضیلت ہے کہ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا"۔ آیت کے اندر اُذْكُرْ کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ ایک سوال یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ اللہ کا ذکر کب کیا جائے؟ اس کا جواب سورۂ النساء کی آیت نمبر 103 میں دیا گیا ہے۔ "پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرو"۔ سورۂ الاحزاب کی آیت نمبر 41 اور 42 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے ایمان والو! اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو"۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فرصت عطا فرمائی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور وہ فارغ وقت کو اللہ کے ذکر میں استعمال کریں۔ ذکر کے لیے ضروری نہیں کہ انسان بالکل

فارغ ہو۔ انسان کام کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر کر سکتا ہے مثلاً خواتین کچن میں یا دیگر گھریلو کام کاج کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر کر سکتی ہیں۔ کسان کھیتی باڑی کرتے ہوئے، ٹریکٹر چلاتے ہوئے، چارہ کاٹتے ہوئے ساتھ ساتھ ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ یہی مثال چوکیدار، نائب قاصد اور بے شمار لوگوں کے لیے بھی صادق آتی ہے۔ اس سے ان کے کام میں برکت بھی ہو گی۔ کچھ ڈرائیوروں نے گاڑیوں میں موسیقی لگائی ہوتی ہے۔ وہ اس کی بجائے تلاوت یا ذکر لگا لیں تو اس سے ان کو ثواب ملے گا اور باقی سواریوں کو بھی۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورۃ المنافقون کی آیت نمبر 9 میں تنبیہ (Warning) بھی کی ہے۔ " اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد (کہیں) تمہیں اللہ کی یاد سے ہی غافل نہ کر دیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا"۔

اللہ کا ذکر کرنے کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہے بلکہ جب چند لمحات کی بھی فرصت ہو تو ان میں اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ زوال کے صرف تین اوقات ہیں۔ طلوع آفتاب سے لے کر 20 منٹ بعد تک۔ غروب آفتاب سے 20 منٹ پہلے سے لے کر غروب آفتاب تک اور دن کا درمیانہ وقت (ضروری نہیں کہ یہ دن کے بارہ بجے کا وقت ہو کیونکہ دن چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں) ان اوقات میں سجدہ کرنا منع ہے (ماسوائے اس دن کی عصر کی نماز کے) لیکن زوال کے اوقات میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اگر پانچ سیکنڈ بھی وقت ملے تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان پانچ سیکنڈوں کو بھی ضائع نہ کریں اور اللہ کا ذکر کریں۔ ذکر کے سلسلے میں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اس کے لیے وضو کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ مسلمان کی زبان پاک ہوتی ہیں البتہ وضو کی حالت میں ذکر کریں گے تو ثواب تین گنا بڑھ جائے گا۔ اگر غسل جنابت کی ضرورت ہو یا حیض، نفاس والی عورت ہو تو اس کے احکام الگ ہیں۔

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

موسیقی ہندوؤں کے مذہب کا حصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے۔ وہاں سے یہ بات مشہور ہوئی اور ہم سب نے اس کی نقل کرنا شروع کر دی۔ اسی لیے بہت سے مسلمان بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ موسیقی روح کی غذا ہے۔ یہ نظریہ اس لیے غلط ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں ایسا کہیں بھی درج نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ اس کے الٹ ہے۔ موسیقی سے آپ تھوڑی دیر کے لیے لطف اندوز تو ہو سکتے ہیں لیکن اس سے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ روح کے سکون کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے اور یہی قرآن میں درج ہے۔ جو نظریہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہو گا وہ ہر صورت باطل اور غلط ہو گا۔ آپ ایک سروے کریں۔ آپ گلوکاروں اور موسیقی سے وابستہ لوگوں سے یہ سوال کریں کہ کیا ان کی زندگی پر سکون ہے؟ پھر یہی سوال ان لوگوں سے کریں جو اسلام پر عمل کرتے ہیں اور ہر وقت ذکر خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ پر حقیقت کھل جائے گی۔ آسانی کے لیے آپ ان مشہور گلوکاروں کا انٹرویو سن لیں جنہوں نے موسیقی چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لی، وہ سارے ایک ہی بات کرتے ہیں کہ ان کے پاس سب کچھ تھا مگر سکون نہیں تھا اس لیے وہ اسلام کی طرف آئے۔

درود شریف پڑھنا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔ ”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو“ (سورۃ الاحزاب۔ آیت نمبر 56) گویا حضور ﷺ پر درود بھیجنا ہمارے اوپر فرض قرار دیا گیا ہے۔ ہر نماز میں

توہم درود پڑھتے ہی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی جس قدر ممکن ہو سکے آپؐ پر درود پڑھنا چاہیے۔ درود ابراہیمی (جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں) سب سے افضل درود پاک ہے۔ "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" بھی درود ہے۔ جب بھی آپ کو کوئی پریشانی ہو تو کثرت سے درود پڑھیے۔ جس دعا کے شروع اور آخر میں درود نہ پڑھا جائے وہ دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے جب بھی آپ حضور ﷺ کا نام سنیں تو آپ پر فرض ہو جاتا ہے کہ آپ حضور ﷺ پر درود بھیجیں اور جو درود نہیں بھیجتا اس کی ہلاکت میں کوئی شک نہیں۔ حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ "جس شخص نے آپؐ کا نام سنا اور اس نے درود نہیں پڑھا تو وہ شخص ہلاک ہو"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا آمین! اس سے سخت وعید اور کیا ہو سکتی ہے؟

کیا آپ کو جنت کی قیمت معلوم ہے؟

اسلام ہم تک آسانی سے نہیں پہنچا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں تو حضور ﷺ نے دی ہیں۔ اسلام کی خاطر آپؐ نے وہ مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کفار مکہ کے مظالم کا ذکر کریں یا طائف کے اس سفر کا جس نے آپؐ کے بدن اور روح کو چھلنی چھلنی کر دیا تھا۔ اسلام کی وجہ سے آپؐ کی دو بیٹیوں کو طلاق ہوئی۔ تین سال تک شعب ابی طالب کی جیل میں آپؐ اور آپؐ کے خاندان والے خوراک کے دانے دانے کو ترس گئے۔ پھر غزوہ احد، غزوہ خندق اور غزوہ حنین کے واقعات بھی آپ کے سامنے ہیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر بھی مظالم کی حد کر دی گئی جس کی وجہ سے آپؐ کو مزید تکلیف ہوتی تھی۔ جنگ اطراف فدک اس کی ایک مثال ہے۔ یہ سریہ 7 ہجری میں پیش آیا۔ 30 مسلمانوں کا مقابلہ بنو مرہ سے ہوا۔ سخت لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ 30 صحابہ کرامؓ میں سے 29 شہید کر دیے گئے۔

ایک اور درد بھرا واقعہ بھی سنیں۔4 ہجری میں ایک قبیلے کے لوگ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ انہیں دین سکھانے کے لیے ان کے ساتھ چند معلم بھیجے جائیں۔ آپؐ نے دس صحابہ کرامؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ دراصل ان لوگوں نے دھوکہ کیا تھا۔ راستے میں انہوں نے آٹھ صحابہ کرامؓ کو شہید کر دیا اور دو صحابہ کرامؓ (حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بن دثنہ) کو کفار مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس واقعہ کو تاریخ اسلام میں واقعہ رجیع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے حضرت خبیبؓ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ ان کی تفصیل پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کفار ان کو ہر طرح کی ایذا پہنچارہے تھے تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ ان سے کہتے تھے کہ تم اسلام چھوڑ دو تو ہم تمہیں ابھی چھوڑ دیں گے ۔ اسی دوران مکی سردار ابوسفیان نے آپؓ سے کہا کہ تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری جگہ یہاں محمد ﷺ ہوتے اور یہ ساری تکلیفیں ان کو ہو رہی ہوتیں اور تم اپنے اہل و عیال کے ساتھ مزے سے رہ رہے ہوتے۔ اس پر آپؓ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ حضور ﷺ کو کوئی کانٹا چبھے اور آپؐ کو اس کا درد ہو۔ انہوں نے جان دے دی مگر اسلام نہ چھوڑا۔ کفار نے حضرت زیدؓ کو بھی شہید کر دیا۔ گویا یہ دس کے دس صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔

اسی طرح سے ایک قبیلے کی درخواست پر انہیں دین سکھانے کے لیے 70 صحابہ کرامؓ کو بھیجا گیا۔ ان کے ساتھ بھی دھوکہ کیا گیا اور یہ سب صحابہ کرامؓ شہید کر دیے گئے۔ ان میں حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی شامل تھے (یہ وہی حضرت عامرؓ ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کے غلام تھے اور ہجرت مدینہ میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے)۔ اس المناک حادثے کو بئر معونہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک اور صحابی حضرت حبیبؓ بن زید کو حضور ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا۔ مسیلمہ نے آپؓ سے کہا کہ وہ اس کی جھوٹی نبوت کو سچا تسلیم کریں۔ آپؓ نے انکار کر دیا اور گواہی دی کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے اور آخری نبیؐ ہیں۔ اس پر مسیلمہ نے ان کی ایک ایک بوٹی کاٹنے کا حکم دیا۔ ہر بوٹی کاٹنے پر مسیلمہ اپنی نبوت کو ماننے کا تقاضا کرتا، ہر دفعہ حضرت حبیبؓ اس کا انکار کرتے۔ بالآخر آپؓ کے جسم کے 360 ٹکڑے کر دیے گئے۔ یوں آپؓ کی شہادت ہوئی۔ اسلام کی خاطر ہی حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر دی اور اپنے بچے تک شہید کرا دیے۔ اسلام کی خاطر ہی بیٹے نے اپنے سگے باپ کو اور بھانجے نے اپنے سگے ماموں کو قتل کیا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ مسلمانوں کی ساڑھے چودہ سو سال کی تاریخ ایسی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ ہم نے اسلام کے لیے کیا قربانی دی ہے؟ لیکن ہماری خواہش ملاحظہ فرمائیں۔ "یا اللہ! مجھے جنت عطا فرما۔ اور عام والی جنت نہیں بلکہ جنت الفردوس اور اس میں بھی اعلیٰ ترین مقام اور میرا حساب بھی نہیں کرنا بلکہ مجھے بغیر حساب کتاب کے جنت میں بھیجنا"۔ یہ دعا مانگنا اور یہ خواہش کرنا کوئی بری بات نہیں مگر اس کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا۔ کچھ کام چھوڑنے پڑیں گے اور کچھ کام کرنے پڑیں گے۔ کیا کبھی کسی پرائمری پاس کا میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا ہے؟ اس کے لیے اعلیٰ نمبروں سے ایف۔ ایس۔ سی پاس کرنا پڑتی ہے تو پھر کچھ کیے بغیر جنت کیسے مل سکتی ہے؟

اسلام جو ہم تک پہنچا ہے، اس کی بہت مقدس ہستیوں نے بھاری قیمت ادا کی ہے ہماری خوش قسمتی دیکھیے کہ ہم پیدا ہوئے تو ہمارے کان میں اذان دی گئی اور ہمارا اسلامی نام رکھا گیا۔ پھر ہم آزاد ملک میں رہتے ہیں۔ ہمارے اوپر نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور قربانی وغیرہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے جبکہ ہندوستان میں رہنے والے کئی مسلمان صرف اس لیے شہید کر دیے جاتے ہیں کہ انہوں نے گائے کیوں ذبح کی۔ کئی ملکوں میں اذان دینے پر

پابندی ہے۔ غرضیکہ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمیں کوئی قربانی دیے بغیر اسلام حاصل ہو گیا اور پھر اسلام پر عمل کرنے میں قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں جو شخص اسلام پر عمل کرتا ہے لوگ اس کو اچھا انسان سمجھتے ہیں حتیٰ کہ چور ڈاکو اور برے لوگ بھی ایسے شخص کی عزت کرتے ہیں۔ ان موافق ترین حالات میں بھی اگر ہم اسلام پر عمل نہ کریں تو پھر ہمارے جیسا بدنصیب شاید کوئی نہیں۔

اس دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے۔ اگر کسی کی 70 سال بھی عمر ہو تو اسے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا میں چند دن ہی گزارے ہیں۔ لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ اس زندگی میں ہم اسلام پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں اور جنت کے حقدار بن جائیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جیسے ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے اسی طرح جنت کی قیمت بھی مقرر کر دی گئی ہے اور یہ قیمت اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمائی ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 111 میں ارشاد ربانی ہے۔ ”یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں“۔ ذرا غور فرمائیں! جنت کی قیمت ہے جان اور مال۔ یہ جان اور مال کس نے دیا؟ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے۔ گویا وہی ان کا اصل مالک ہے لہٰذا اگر ہم اللہ کی راہ میں جان اور مال دے بھی دیں تو ہم نے کون سی قربانی دی؟

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی　　　حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پھر اللہ تعالیٰ نے ہم سے سارے مال کا مطالبہ تو نہیں کیا بلکہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ یا عشر وغیرہ۔ یہ تو کوئی ڈیمانڈ ہی نہیں ہے۔ اسی نے رزق عطا فرمایا، ہم نے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خوب خرچ کیا اور اگر کچھ بچ گیا تو اس پر زکوٰۃ دے دی اور وہ بھی سال میں ایک دفعہ۔ اس سے زیادہ مہربانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

ہاں ایک بات ضرور ہے کہ اسلام میں اس چیز کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہم کچھ احکام پر تو عمل کریں اور باقی پر عمل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 208 میں حکم دیا ہے۔ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو ،اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ''۔ ظاہر سی بات ہے دنیاوی معاملات میں بھی عموماً ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ کچھ چیزوں پر عمل کر لیا جائے اور باقی چیزوں میں اپنی مرضی کی جائے۔ مثلاً اگر آپ فوج میں ملازمت اختیار کرتے ہیں تو آپ کی وردی کا ڈیزائن اور وردی کا رنگ فوج کی مرضی سے ہو گا۔ آپ کے بالوں کی لمبائی اور ڈیزائن بھی فوج کی مرضی سے ہو گا۔ آپ کی ڈیوٹی کے اوقات بھی ان کی مرضی سے ہوں گے۔ اگر کوئی فوجی اپنی مرضی سے کوئی اور وردی پہن لے اور کہے کہ وردی کا لڑائی سے کیا تعلق ہے تو فوج اس کی اجازت نہیں دے گی۔ بالکل اسی طرح سے جب ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو ہماری اپنی مرضی ختم ہو جاتی ہے اور صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم چلتا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں لیکن زوال کے اوقات میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھنی۔ اب اگر کوئی ان اوقات میں نماز پڑھے گا تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ جی نہیں بلکہ وہ گناہ گار ہو گا۔ اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم روزہ رکھیں مگر ساتھ ہی حکم دیا گیا کہ سال میں پانچ روزے نہیں رکھنے۔ اب اگر کوئی وہ پانچ روزے بھی رکھے تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ ہر گز نہیں! بلکہ وہ گناہ گار ہو گا۔ گویا ہمیں ہر حال میں حکم ماننا ہے۔ اپنی مرضی نہیں کرنی۔ اس کا بدلہ جنت ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اور اس کی نعمتیں بھی ابدی ہیں۔ لہٰذا ہمیں چننا پڑے گا کہ ہم رحمٰن کی پارٹی میں ہیں یا شیطان کی؟ اس بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟
سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ تم جب اسلام پر عمل کرو گے تو ہمیشہ حالات موافق نہیں رہیں گے بلکہ تمھاری سخت آزمائش کی جائے گی۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 155 میں ارشاد ہوا۔ "اور ہم تمہاری آزمائش کرکے رہیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے اور (اے پیغمبر) صبر کرنے والوں کو (فتح و کامرانی) کی بشارت دے دو"۔ سورۂ البقرہ کی آیت نمبر 214 بھی اسی بارے میں ہے جس کا ترجمہ ہے۔ "(مسلمانو) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعوٰی کرکے) تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں اور وہ جھنجھوڑے گئے"۔

ہم میں سے ایسے خوش قسمت کم ہی ہوں گے جو اسلام پر پوری طرح سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ مجھ سمیت زیادہ تر کی زندگیاں غفلت میں گزری ہیں۔ اب نیک اعمال پورے نہیں ہیں اور جانا بھی جنت میں ہے تو کیا کریں؟ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اس کا بھی حل عطا فرما دیا اور وہ ہے سچی توبہ۔ اگلا باب (اتنا بڑا انعام کہ آپ حیران رہ جائیں) اسی بارے میں ہے کہ توبہ کا طریقہ کیا ہے، توبہ کرنے سے کتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، توبہ ٹوٹ جائے تو پھر کیا کریں وغیرہ وغیرہ۔ درخواست ہے کہ اس باب کو پڑھنے میں تاخیر نہ کیجیے گا۔

اتنا بڑا انعام کہ آپ حیران رہ جائیں

انسان ثواب کے کام بھی کرتا ہے اور گناہ کے کام بھی۔ انہی دونوں چیزوں کو حساب والے دن ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ جن کے نیک اعمال وزن میں بھاری ہوں گے وہ سیدھا جنت میں جائیں گے اور جن کے نیک اعمال ہلکے ہوں گے یعنی ان کے گناہوں والا پلڑا بھاری ہو گا انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

جنت میں سونے اور چاندی کی اینٹوں کے بنے ہوئے محل ہوں گے جو بہت زیادہ وسیع ہوں گے۔ اتنے وسیع کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ جنت میں جس محل کا سائز باقی تمام محلات سے چھوٹا ہو گا اس کا رقبہ ہماری اس زمین کے کل رقبے سے دس گنا بڑا ہو گا۔ ان محلات میں ہر وقت خوشبو آئے گی۔ ہر جنتی کو جوان کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جوان ہی رہے گا۔ جنت میں نہ کوئی بیماری، نہ کوئی غم اور نہ کوئی تکلیف ہو گی۔ کھانے پینے کی سب چیزیں وافر مقدار میں موجود ہوں گی اور پاخانے والا سسٹم ختم ہو جائے گا۔ سب جنتی ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔ موسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہار کا ہو گا۔ خدمت کے لیے خادم ہوں گے۔ اپنی بیوی کے علاوہ حوریں ملیں گی جن کی خوبصورتی اور پاکیزگی کو خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جنت میں اور کیا چاہیے؟ پھر یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوں گی۔

اب ذرا دوزخ کا نقشہ بھی دیکھ لیں۔ یہ بدترین جگہ ہو گی اس میں سخت ترین اور ہولناک آگ ہو گی۔ دوزخیوں کی کھال بہت موٹی کر دی جائے گی اور جب وہ آگ سے جل جائے گی تو ان کی نئی کھال پیدا کر دی جائے گی۔ انہیں پینے کے لیے پیپ اور کانٹوں والا

پانی دیا جائے گا۔ دوزخ میں انتہائی زہریلے سانپ اور بچھو ہوں گے جو دوزخیوں کو ڈسیں گے۔ دوزخ کی آگ ہماری آگ سے 70 ستر گنا تیز ہے غرضیکہ دوزخیوں کو ہر طرح کا عذاب دیا جائے گا۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ ہم نعمتوں بھری جنت میں جائیں اور دوزخ سے بچیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو ہماری خواہش ہے کہ یا اللہ! ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا اور جنت میں داخل فرما، اس کے لیے ہم نے زندگی میں کیا محنت کی ہے؟ چند خوش قسمت ترین لوگ ضرور ایسے ہیں جن کی پوری زندگی حضور ﷺ کے احکامات کے تابع رہی لیکن اکثریت کے حالات تو بہت خراب ہیں۔ آپ فرض کریں کہ اسی لمحے آپ کی وفات ہو جائے تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا یا گناہوں والا۔ ہر شخص اپنی گزری ہوئی زندگی پر نظر دوڑائے تو چند لمحوں میں اسے ایک واضح جواب مل جائے گا۔ اپنی اپنی نمازوں، روزوں، زکوٰۃ اور حج کے بارے میں کون نہیں جانتا؟ اس کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ وہ کس کس گناہ میں لتھڑا ہوا ہے۔

اب اس صورت حال میں کیا کیا جائے؟ یہ ساری صورت حال چند لمحوں میں بدل سکتی ہے۔ جی ہاں! صرف چند لمحوں میں۔ وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ آپ فوری طور پر توبہ کریں اور اپنا معاملہ حل کروالیں۔ کیا توبہ سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے؟ اس سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ توبہ کرنی کیسے ہے؟ آج کل لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ منہ سے کہہ دو "یا اللہ میری توبہ" تو آپ کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اسلام میں ایسی توبہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں توبہ کی تین شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(1) اس بات پر بہت زیادہ نادم اور شرمندہ ہونا کہ میں نے اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔

(2) سچی توبہ کرنا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پکا وعدہ کرنا کہ میں آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا۔

(3) جس حد تک ممکن ہو اس گناہ کی تلافی کرنا۔

اسے ایک مثال سے سمجھتے ہیں مثلاً کسی نے ساری زندگی زکوٰۃ نہیں دی۔ سب سے پہلے تو وہ شرمندگی محسوس کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے وافر رزق عطا فرمایا اور اس نے اس پر زکوٰۃ بھی نہ دی اور یوں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا رہا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے فوری طور پر نہیں پکڑا اور وہ آج بھی زندہ ہے۔ اس کے پاس توبہ کا راستہ موجود ہے۔ دوسرے نمبر پر وہ اللہ تعالیٰ سے پکا عہد کرے کہ وہ آئندہ لازمی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اب رہ گئی تیسری بات یعنی تلافی۔ تو یہ بھی از حد ضروری ہے کہ اس نے جتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ اس کا حساب کرے اور فوراً ادا کرے۔ دیکھیں اگر ہم کسی کا قرض واپس نہ کریں اور اس سے زبانی کلامی معافی مانگیں تو کیا وہ ہمیں معاف کر دے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ کہے گا کہ معافی تو ٹھیک ہے لیکن آپ میرے قرض کی رقم تو واپس کریں۔

توبہ کے ضمن میں یہ سمجھنا بھی از حد ضروری ہے کہ ہر گناہ کی الگ الگ توبہ ہے مثلاً ایک شخص نماز نہیں پڑھتا، شراب بھی پیتا ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہے بہتر تو یہی ہے کہ وہ تینوں گناہوں سے بیک وقت توبہ کرے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں لیکن اس معاملے میں احتیاط بھی لازم ہے کیونکہ اب اس نے آئندہ کے لیے وعدہ کرنا ہے ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اور جب وعدہ کرتے وقت ہی معلوم ہو کہ وہ اس پر پورا نہیں اترے گا تو پھر بہتر ہو گا کہ وہ اس گناہ کی فوری توبہ نہ کرے۔ اوپر کی مثال میں فرض کرتے ہیں کہ وہ شخص سمجھتا ہے کہ وہ ابھی سے نماز کی پابندی کرے گا اور جھوٹ بھی نہیں بولے گا

مگر وہ فوری طور پر شراب نہیں چھوڑ سکتا تو نماز اور جھوٹ کے بارے میں تین شرائط کے ساتھ توبہ کرے اور شراب چھوڑنے کی پوری کوشش کرے اور جب محسوس کرے کہ اب وہ اس گناہ پر بھی قابو پالے گا تو پھر شراب کے بارے میں بھی توبہ کرے۔

اس سلسلے میں بہتر ہو گا کہ آپ اپنے گناہوں کی ایک لسٹ تیار کر لیں۔ پھر ان کے بارے میں سچی توبہ کریں۔ اگر تو آپ سب گناہوں سے اکٹھی توبہ کر سکتے ہیں تو کمال کی بات ہے ورنہ اوپر والے فارمولے کے مطابق ہر گناہ کی الگ الگ توبہ کرتے جائیں۔

سچی توبہ کے بعد ہو گا کیا؟ سچی توبہ سے اس شخص کے اس عمل کے (جس کی اس نے توبہ کی) پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں! توبہ ایک طرح کی معافی ہے۔ ہم دنیا میں بھی لوگوں سے معافی مانگتے ہیں مگر اس کے مختلف انداز ہوتے ہیں۔ کسی سے ہم روایتی طور پر کہتے ہیں "سوری۔ مجھے معاف کر دیں" جبکہ کسی کے ہم پاؤں پڑ جاتے ہیں اور روروکر معافی مانگتے ہیں۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر تو عام والی توبہ کی تو پچھلے گناہ معاف ہو گئے لیکن اگر خاص والی توبہ کی یعنی اللہ سے روروکر اور گڑگڑا کر معافی مانگی تو پھر اسے دو انعام ملیں گے:۔

(1) اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے

(2) اس نے جتنے گناہ کیے تھے وہ معاف ہو گئے۔ اب اتنی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 70 میں ارشاد فرماتا ہے۔ "مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیا تو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اور اللہ تو بڑا غفور الرحیم ہے"۔ ایسا کرم، ایسی مہربانی، ایسی عطا اور ایسی فیاضی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔

یہاں میں پھر دہراتا چلوں کہ سچی توبہ کے لیے پچھلے صفحات میں درج تینوں شرائط کا ہونا لازمی ہے ورنہ وہ سرے سے توبہ ہے ہی نہیں۔ اگر سچی توبہ کرنے کے بعد کبھی خلاف ورزی ہو جائے تو پھر سے فوراً توبہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کو آپ ہمیشہ ایسا ہی مہربان، رحمٰن اور رحیم پائیں گے لیکن اگر توبہ کرتے ہوئے دل میں بے ایمانی موجود ہو یا کچی پکی سی توبہ کی جائے تو یہ توبہ ہی نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مذاق ہے جو بذات خود ایک بڑا گناہ ہے۔

ایک تحصیل دار نے سچی توبہ کی۔ پھر وہ تلافی کی غرض سے ان شہروں میں گیا جہاں جہاں اس کی تعیناتی (Posting) رہی تھی۔ وہاں اس نے زمین کے جو انتقال وغیرہ پاس کیے تھے اس نے وہ سارے کاغذات نکالے اور ان لوگوں کے نام اور پتے نوٹ کر لیے جن سے رشوت لی تھی (رشوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس زمانے میں کس کام کی کتنی رشوت ہوتی تھی)۔ پھر وہ ایک ایک کے گھر گیا۔ ان سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور ان سے لی ہوئی رشوت واپس کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی ساری جائیداد بیچ دی۔ بالآخر اس کے پاس کچھ نہ بچا مگر ابھی بھی چند لوگوں سے لی ہوئی رشوت دینا باقی تھی لہٰذا اس نے وصیت لکھی کہ اگر وہ مر جائے تو اس کی پنشن میں سے فلاں فلاں شخص کو اتنی اتنی رقم ادا کی جائے۔ ایسی ہوتی ہے سچی توبہ! اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر گناہ پر ایسی ہی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں حضور ﷺ کی دو احادیث درج کی جارہی ہیں:۔

(1) تمام انسان خطاکار ہیں لیکن ان خطاکاروں میں بہتر لوگ وہ ہیں جو خوب توبہ کرتے ہیں۔

(2) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کبھی اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں۔

آخری گزارش

ہم آج بلکہ ابھی اپنے تمام گناہوں کی سچی توبہ کریں۔ پوری کوشش کریں کہ ہمارے اہل و عیال بھی فوراً سچی توبہ کریں۔ اس کے ساتھ آج سے ہی ہم اسلام کا علم حاصل کرنا شروع کریں۔ دوسروں کو بھی نیکی کی تبلیغ کریں اور گناہوں سے منع کریں۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔ فرائض کی ادائیگی ہر حال میں کرتے رہیں۔ اگر آپ کا جسم پاک ہے تو بغیر وضو کے بھی اللہ کا ذکر کر سکتے ہیں؛ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے۔ ایک دفعہ سبحان اللہ پڑھنے سے 90 نیکیاں ملتی ہیں۔ اسی طرح سے باقی تسبیحات مثلاً الحمد للہ، اللہ اکبر یا کلمہ شریف پڑھ سکتے ہیں۔ ذکر کے لیے ضروری نہیں ہے کہ باقاعدہ وضو کیا جائے یا کوئی وقت متعین کیا جائے۔ اگلے جہان ایک ایک نیکی کی ضرورت پڑے گی۔ جن کے نیک اعمال بھاری ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے گناہوں والا پلڑا بھاری ہو گا وہ دوزخ میں جائیں گے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے لہٰذا انہیں ایک بہت اونچی دیوار پر چڑھا دیا جائے گا۔ اس دیوار کا نام اعراف ہے (قرآن مجید کی ساتویں سورت کا نام بھی یہی ہے)۔ اس دیوار سے ایک طرف انہیں جنت نظر آئے گی اور دوسری طرف دوزخ اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہو گا کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا یا انہیں دوزخ کی آگ میں پھینکا جائے گا۔ اس پریشان کن حالت میں وہ کئی سو سال تک اسی دیوار پر رہیں گے۔

اب سوچیں! انہیں کتنی نیکیوں کی ضرورت تھی، صرف ایک نیکی کی۔ اگر ایک بھی نیکی زیادہ ہوتی تو ان کے نیک اعمال والا پلڑا جھک جاتا لہٰذا ایک ایک نیکی جمع کرنا ضروری

ہے۔ سبحان اللہ کہنے میں دو سیکنڈ بھی نہیں لگتے لیکن کم سے کم 90 نیکیاں مل جاتی ہیں۔ اگر وضو کی حالت میں ایک دفعہ سبحان اللہ پڑھیں تو پھر تین گنا یعنی 270 نیکیاں ملیں گی۔

ابھی سے حضور ﷺ کی سنتوں پر مکمل عمل کرنا شروع کر دیں۔ دیکھیں! کھانا، پینا، پیشاب کرنا، نہانا، جوتے و کپڑے پہننا اور اتارنا، کسی کمرے میں داخل ہونا اور باہر نکلنا، چھینک آنا، سونا وغیرہ انسانی تقاضے ہیں۔ ہر انسان نے یہ کام کرنے ہی کرنے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ اب یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اگر ہم یہ کام سنت کے مطابق کر لیں تو ہمیں بے شمار نیکیاں ملیں گی۔ پانی تو ہم نے پینا ہی پینا ہے لیکن اگر ہم سنت طریقے سے پانی پیتے ہیں تو ڈھیروں ثواب بھی کما لیتے ہیں۔ بد قسمتی سے آج کل زیادہ تر سنتیں ترک ہو چکی ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنا گویا ان کو زندہ کرنے کے مترادف ہے اور حدیث کے مطابق ایک سنت زندہ کرنے والے کو 100 شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

جیسے ہم لوگ کسی غیر ملک میں کمائی کرنے جاتے ہیں تو پھر وہاں ساری توجہ پیسے کمانے پر ہوتی ہے اور یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ پیسے تو زیادہ سے زیادہ کمائیں مگر خرچہ کم سے کم کریں۔ بالکل ایسے ہی عادت بنالیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں اکٹھی کرنی ہیں اور گناہ یا تو بالکل نہیں کرنے یا کم سے کم کرنے ہیں اور ان سے بھی توبہ کرنی ہے۔

باقی چھوڑیے! ہم تو **گناہِ بے لذت** سے بھی باز نہیں آتے مثلاً غیبت، چغلی، جھوٹ، گندی باتیں کرنا یا سننا، فحش فلمیں وگانے ولطیفے وغیرہ۔ یہ محض ایک چسکا ہے۔ انہیں تو فوری طور پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ گناہ بے لذت اس گناہ کو کہتے ہیں جس کے کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جنت میں جانا بہت آسان کر دیا ہے۔ اب یہ ہماری مرضی ہے کہ ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں۔

50 لاکھ روپے کے انعامات

سیرت النبی ﷺ کی یہ کتاب پڑھیں ، اسے یاد کریں اور جیتیں لاکھوں روپے کے انعامات (ثواب بھی اور انعام بھی)۔ یہ انتہائی آسان اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب کے کوئز مقابلے کرائے جائیں گے۔ یہ کتاب آپ آسانی سے چند ہفتوں میں یاد کر سکتے ہیں ۔ جیتنے والوں کو 50 لاکھ روپے کے انعامات دیے جائیں گے۔

پہلا انعام 20 لاکھ روپے

عام طور پر پہلے تین لوگوں کو انعام دیا جاتا ہے لیکن

اس مقابلے میں 100 لوگوں کو انعامات دیے جائیں گے (ان شاء اللہ)

پہلا مقابلہ لاہور میں ہو گا۔ اس کے بعد پورے پاکستان میں مزید مقابلے کرائے جائیں گے (ان شاء اللہ)

اس مقابلے میں ہر مسلمان حصہ لے سکتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عورت ہو یا مرد

کتاب اور داخلہ فارم حاصل کرنے کے لیے نیچے دیے گئے WhatsApp فون نمبر یا ای۔ میل پر رابطہ کریں۔

فون **0344-1182211** (اگر آپ کی کال اٹینڈ نہ ہو تو SMS یا وائس میسج کر دیں

Email hik78692@gmail.com

براہ مہربانی اس پوسٹ کو ہر مسلمان تک پہنچائیں۔ یوں آپ کا بھی اس نیکی میں برابر کا حصہ ہو گا۔ اِسی وقت اس پوسٹ کو Forward کریں۔ ہو سکتا ہے بعد میں آپ بھول جائیں۔

گزارش اس سکیم کے لئے ہم کوئی چندہ / عطیہ وصول نہیں کر رہے اگر کوئی شخص آپ سے چندہ مانگے تو براہ مہربانی ہمیں اطلاع دیں تاکہ ہم اس کے خلاف FIR درج کرائیں۔

رائے منظور ناصر
کمشنر / سیکریٹری، حکومت پنجاب (پاکستان)

داخلہ فارم برائے سیرت النبی ﷺ کوئز

1 نام ______________________

2 مرد/عورت ______________________

3 عمر ______________________

4 تعلیم ______________________

5 والد یا شوہر کا نام ______________________

6 شناختی کارڈ نمبر (نابالغ ہو تو والد کا شناختی کارڈ نمبر) | | | | | | | - | | | | | | | | - | |

7 پیشہ ______________________

8 موجودہ رہائش کا پتہ ______________________

____

9 موبائل نمبر (اگر آپ کے ایک سے زیادہ نمبر ہوں تو سب نمبر لکھیں) ______________________

____

10 گھر/دفتر کا فون نمبر ______________________

فارم پُر کرنے کے 3 طریقے: اسی فارم کو موبائل/لیپ ٹاپ میں پُر کریں یا اس کا پرنٹ لے لیں اور پُر کریں یا سیریل نمبر 1 تا 10 تک ہاتھ سے لکھ لیں اور پُر کر لیں۔

نوٹ: درج ذیل تین چیزوں کی صاف ستھری فوٹو بنانی ہے۔

1. پُر شدہ فارم
2. شناختی کارڈ کی دونوں سائیڈ کی صاف کاپی جو آسانی سے پڑھی جا سکے (نابالغ ہو تو ب۔فارم)
3. تازہ فوٹو

ان تینوں چیزوں کی صاف تصویر بنا کر ہمیں 0344-1182211 پر WhatsApp کرنی ہیں۔